

تَفْهِيمُ الْقَصِيْدَة



پروفیسر نور الدین زاہد

نُورٌ عَلَى نُورٍ
يَهْدِي اللَّهُ لِنُورِهِ مَنْ يَشَاءُ
(۲۵:۲۲)

تَفْهِيمُ الْقَصِيدَةِ

یعنی عربی نعتیہ قصیدہ

کا

اُردو ترجمہ مع تشریح

لِزْ فَلْم

پروفیسر نور الدین زاہد حسامی اویسی مرحوم

ناشر

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور
(ریاستہائے متحدہ امریکہ)

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب : تفہیم القصیدہ
مصنف : مجدد الصریح حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادریانیؒ[ؒ]
مترجم : پروفیسر نور الدین زاہد حسامی اویسی مرحوم
سال اشاعت : دسمبر ۱۹۰۰ء
ناشر : احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور
(ریاستہائے متحدہ امریکہ)

The Ahmadiyya Anjuman Isha'at Islam Lahore,
U.S.A.

P.O.Box 3370, Dublin, Ohio 43016, U.S.A.

E-mail : aaill@aol.com

Website: www.muslim.org

ملنے کا پتہ

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام (لاہور) بھارت
قلمدان پورہ سرینگر کشمیر۔ پن 190002

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام (لاہور) بھارت
پاکٹ ایل۔ جتنا فلیش A/25 گراؤنڈ فلور
ولشادگار ڈن ٹئی دہلی۔ 110095

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام (لاہور) بھارت
مسجد پیر مٹھا۔ جموں توی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

عرض ناشر

تفہیم القصیدہ پروفیسر نور الدین صاحب زاہد مر حوم و مغفور کی وہ پہلی کتاب ہے جو ان کی وفات کے بعد شائع ہو رہی ہے۔ اس کتاب کی پروف ریڈنگ مر حوم زاہد بھائی نے خود کی تھی۔ ایک طرح سے کتاب چھپنے کے لئے بالکل ریڈی تھی۔ مسودہ دیکھ کر میں نے مر حوم زاہد بھائی سے کہا تھا کہ اس نعمتیہ قصیدہ کے متعلق میں نے دو شاندار تبصرے پڑھے ہیں۔ ایک تبصرہ ماہنامہ نگار (لکھنؤ) کے مدیر محترم علامہ نیاز فتحوری مر حوم کے قلم سے ہے جس کو ہم نے اپنے جریدے ماہنامہ اشاعت الحق سرینگر میں بھی شائع کر دیا تھا۔ اس تبصرے کو مر حوم زاہد بھائی نے خود اپنے ہاتھوں کتاب کے شروع میں نقل کر دیا تھا۔ البتہ دوسرا طویل تبصرہ جو پاکستان کے سرکاری ماہنامہ ”ماہ نو“ کے جنوری فروری ۱۹۹۶ء کے شمارہ چھپا تھا، اُس وقت دستیاب نہ ہو سکا۔ یہ تقدیمی مقالہ ایک بہت بڑے علامہ جناب پروفیسر ڈاکٹر پرویز پرواز کارم فرمودہ ہے۔ اور واقعی اس قابل ہے کہ اس کو یہاں مسنون درج کر دیا جائے۔ علامہ پرویز پرواز صاحب

”برصغیر کا ایک بے مثال نعت گو“

کے عنوان کے تحت رقمطر از ہیں:-

”برصغیر ہندوپاک میں کوئی ہی ایسا شاعر ہا ہو گا جس نے سرور

کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں نعمت نہ کہی ہو۔ نعمت گوئی کی روایت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حسان بن ثابت سے شروع ہوئی اور بے شمار صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس بارکت روایت کو آگے بڑھایا۔ عربی اور فارسی کے زیر اثر یہی روایت ہمارے ہاں بھی پہنچی اور شعراء کرام ہر دور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور ہدیہ یہ عقیدت پیش کرتے اور اپنی عاقبت سنوارتے رہے۔

پنجاب یونیورسٹی سے دو حضرات نے نعمت گوئی پر مقام لے لکھ کر پی ایچ ڈی کی ڈگریاں حاصل کیں۔ ڈاکٹر ریاض مجید نے اردو نعمت گوئی پر اور ڈاکٹر اسحاق قریشی نے بر صغیر میں عربی نعمت گوئی پر مقام لے لکھے۔ اگر بر صغیر کی فارسی نعمت پر کوئی مقالہ لکھا گیا ہے تو اس تک میری رسائی نہیں ہوئی۔ اتفاق سے یہ دونوں حضرات میرے رفیق کار رہے۔ ڈاکٹر اسحاق قریشی کا مقالہ میرے ملاحظہ میں آیا تو میں نے انہیں انیسویں صدی کے ایک بہت بڑے نعمت گو کا دیوان دیا۔ حیرت کی بات تھی کہ ڈاکٹر اسحاق قریشی نے اس شخص کا ذکر تک نہیں کیا تھا۔ میں نے توجہ دلائی تو فرمانے لگے کہ میرے علم میں ہی نہیں تھا کہ ان صاحب نے عربی میں نعتیں لکھی ہیں۔ مقالہ چھپنے کو تھا آپ نے وعدہ تو کیا تھا کہ چھپنے سے قبل وہ اس کی تلافی کر دیں گے۔ اب کچھ عرصہ سے میں تو یہاں الپسالا یونیورسٹی میں بیٹھا ہوں خدا معلوم ڈاکٹر صاحب نے اس کی تلافی کی یا نہیں؟

ہمارے ہاں انیسویں صدی کے او اختر تک بلکہ بیسویں صدی کی پہلے تین دہائیوں تک فارسی شعری روایت سے ہمارا ابطحہ قائم تھا۔ اقبال

اس فارسی شعری روایت کا آخری شاعر تھا۔ اس کے بعد یہ روایت مثٹے مثٹے مٹ گئی۔ کہیں کہیں اکادمک شاعر فارسی کو ذریعہ اظہار بناتے رہے۔ مگر انہی سویں صدی میں تو اکثر شاعر دل قیق مضامین کے اظہار کے لئے فارسی کو ترجیح دیتے تھے۔ جس فارسی نعت گو کاذکر میں کرنے لگا ہوں ان کی نعت گوئی کی خصوصیت ہی یہ تھی کہ وہ نعت کو ایک فکری نظم جان کر کہتے تھے محض مدینہ اور خاک مدینہ تک اپنے کو مدد و دہنیں رکھتے تھے۔ ان کے ہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارک کے صحیح مقام کا اور اک کئے بغیر نعت کہنا ممکن ہی نہیں تھا۔ ان کی اکثر نعمتیں فارسی یا عربی میں ہیں۔ ان کی عربی نعت۔

يا عين فيض الله والعرفان

يسعى اليك الخلق كالظلمان!

(کہ اے فیضان و عرفان الہی کے سرچشمے! خلق خدا تمہاری طرف پیاسوں کی طرح دوڑی آتی ہے۔)

بلاد عربیہ میں بھی بہت احترام سے سنی اور پڑھی جاتی ہے۔ بلکہ دمشق کے ایک مدرسہ میں اس کا باقاعدہ درس دیا جاتا ہے۔ اس ساری نعت میں کہیں ایک جگہ بھی اس بات کا ذکر نہیں کہ یہ تم کس ذات مبارک کے بارے میں ہے۔ اس کے مطالب خود بتاتے چلے جاتے ہیں کہ وہ سرچشمہ عرفان کون ہے جس کی جانب دنیا پیاسوں کی طرح سعی کرتی چلی آتی ہے۔ یہ نعت داخلی شہادت کے پیرائے میں کہی گئی ہے اور اسی لئے اپنی عکنیک کے لحاظ سے منفرد ہے۔ نعت میں آنحضرت کے اسم مبارک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ اس سرز میں کا ذکر ضرور کیا جاتا رہا جس میں

آنحضر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت ہوئی کہ عشاق کے ہاں اس سر زمین کے ذرے بھی کھل جواہر سے زیادہ قیمتی گئے جاتے رہے اور ہیں۔ مگر ایک وقت ایسا آیا کہ نعمت حضور کے شاکل کے بیان سے ہٹ کر محض ماحول و احوال تک محدود ہو گئی۔ حالانکہ اس روایت کے پیش رو حضرات کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ نعمت کہنے والے الحضور ان کی باتوں کو اختیار کر لیں اور حضور کے فیضان کا ذکر کرنا بھول پیشیں گے۔ اردو نعمت میں یہ روایہ بہت عام رہا۔ مگر بر صغیر میں فارسی کے اکثر نعمت گو شعراء الصوف سے آگاہی رکھتے تھے اور ان کے ہاں وہی صوفیانہ روچلتی ہوئی نظر آتی ہے۔ حتیٰ کہ غالب نے بھی فارسی روایت کے منع میں صوفیانہ مسلک میں نعمت کی۔ جائی کی نعمت۔

نسیما جانب بطحاء گذر کن

زحال ما محمد را خبر کن

(اے بادشیم، بطحاء کی طرف گزر کر اور میرے حال سے محمدؐ کو باخبر کر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

مدتوں ہمارے ہاں عرسوں پر گائی جاتی رہی مگر اس نعمت کے دوش

بدوش یعنی نعمت بھی صوفیاء کے ہاں بہت مقبول رہی۔

اگر خواہی دلیلے عاشقش باش

محمد ہست برہان محمد

(اگر تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت پر دلیل کا طلبگار ہے تو

ان کا عشق اختیار کر کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی دلیل آپ ہیں۔)

مگر کسی کو یہ علم نہ ہوا کہ یہ شعر کس کا ہے اور عشق محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

میں ذوبی ہوئی یہ نعت کس نے کی ہے؟ یہ مضمون اسی بے مثال نعت گوکی
فارسی نعت گوئی کے بارے میں ہے۔

نام غلام احمد، تخلص فرخ، ۱۸۳۵ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹۰۸ء میں
راہی ملک بقا ہوئے۔ اسی (۸۰) کے قریب دینی تصانیف ان کی یادگار
ہیں۔ خواجہ میر درد کے خاندان سے صہری تعلق قائم ہوا۔ اولاد بھی علمی
اور دینی حلقوں میں منفرد اور ممتاز سمجھی گئی۔ انکی نعت گوئی میں ان کی
صوفیانہ طبیعت اور ترک دنیا کا بھی بہت حصہ ہے۔ کھاتے پیتے جا گیردار
گھرانہ سے تعلق تھا گر بچپن ہی سے علاقہ دنیا سے بیزار تھے۔ مسجد ان کا
ٹھکانہ اور قرآن کی تلاوت ان کی غذا تھی۔ ان کی نعت گوئی محض اور پری
نہیں تھی۔ ان کے دل کی کیفیت کی آئینہ دار تھی۔ روایت ہے کہ حضرت
خواجہ غلام فرید چاچڑا شریف والے ان کی نعت بطور خاص سنتے اور وجد
کیا کرتے تھے۔ مگر حیف کہ ہمارے اس بے مثال نعت گوکی وہ قدر نہ
ہوئی جوان کا حق تھا۔ (عویٰ مجددیت سے پشتربانی سلسلہ احمد یہ "فرخ" تخلص کے
حوالے سے شاعری کیا کرتے تھے۔ ناشر)

ان کی نعت

درد دم جوشد شائے سرو رے
آں کہ درخوبی نہ دارو ہمسرے

قصیدہ کے رویہ میں ہے اور ۱۲۵ اشعار پر مشتمل ہے نعتیہ تصانید اگر
ہمارے ہاں کسی نے کہے ہیں تو وہ یہی فرخ ہیں۔ ہمارے ہاں نعت غزل
کے رویہ میں یا زیادہ سے زیادہ نظم کے رویہ میں کہی گئی۔ نعت کو باقاعدہ
نعتیہ قصیدہ کا رنگ انہیں سے ملا اسی نعت کا یہ شعر صوفیاء پر حال طاری
کر دیا کرتا تھا۔

ی پر یہ مسموئے کوئے اومدام
من اگرمی داشتم بال و پرے
(اگر میرے بال و پر ہوتے تو میں ہمیشہ اسی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کی طرف پرواز کرتا۔)

وہ نعمت بھی انہی سے منسوب ہے جس میں آنحضرت کی قوت قدسی کی
بہترین تصویر کشی کی گئی ہے اور نعمت کے روایہ میں اپنی جان کا نذر انہ پیش
کرنے کی سعادت حاصل کرنے کا ذکر ہے۔ یہ مضمون نعمت گوشراۓ کا
مرغوب مضمون رہا ہے کہ اے کاش انہیں مدینہ میں موت آئے یا انکی
خاک اس خاک کا حصہ بنجائے جو سرز میں عرب کی خاک کہلاتی ہے۔
مگر ”فرخ“ کا خیال انوکھا بھی ہے اور والہانہ بھی۔ زمین ہے قربان
تست جان من اے یارِ جسم۔ شعر ہے۔

گر کوئے تو اگر سر عشاقد راز نند
اول کے کہ لاف تعشق زند منم
(کہ اگر تمہارے کوچہ میں عاشقوں کے سر قلم کئے جا رہے ہوں تو تو
میں سب سے پہلے تمہارے عشق کا دعویٰ کروں گا)
یہ ۱۸۹۳ء کی نعمت ہے اور اس وقت ہمارے ہاں نعمت کے روایے
بہت مختلف تھے۔

غالب کی نعمت کی زمین، سعدی سے آئی ہے۔ اسی زمین میں
”فرخ“ نے بھی نعمت کی۔ اس کے دو شعر۔

عجب نور یست در جان محمد۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
عجب لعلیست در کان محمد۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

(محمد کا نور عجب نور ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کان میں
عجیب لعل و جواہر ہیں۔)

دریغاً گردہ تم صد جاں دریں راہ
نباشد نیز شایان محمد
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
(بلاشبہ اگر اس راہ میں سو جائیں بھی قربان کرنا پڑیں تو بھی محمد صلی
اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عشق کا حق ادا نہیں ہو سکتا)

اس عاشق رسول کے کلام کا یوں نظر انداز ہو جانا بر صغیر میں نعت
گوئی کی تاریخ پر بہت بڑا ظلم ہے۔ اے کاش کسی محقق کو اس بے مثال
نعت گوئی نعت گوئی پر تفصیلی کام کرنے کی توفیق ملے۔ ان کے کلام کے
مجموعے چھپ چکے ہیں اور یورپ کی اکثر لا بیری یوں میں موجود ہیں۔
پاکستان کی لا بیری یوں میں ان کی عدم موجودگی کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔
میں نے متعدد کتب خانوں کو لکھا مگر ان کی طرف سے نفی میں جواب آیا۔
ابتدہ خدا بخش لا بیری پٹنہ میں ان کے کلام کی موجودگی سے بہت خوشی
ہوئی۔ ہو سکتا ہے ان کے جسمانی و روحانی متولیین سے ان کا کلام
دستیاب ہو سکے۔ عربی نعتیہ قصائد اکثر محمد اسحاق فریش سے مل سکتے ہیں
کہ میں نے انہیں پیش کئے تھے۔

ان کے فارسی مجموعہ کلام میں حمد، نعمت، دین اسلام کے تفوق
اور ملت اسلامیہ کے مسائل پر نیز عام دینی موضوعات پر نہایت
درومندانہ نظمیں موجود ہیں،

اسی طرح ہندوپاک کے مشہور فاضل اہل قلم جناب نیاز فتح پوری صاحب مرحوم نے لکھا ہے:-

”اب سے تقریباً ۲۵ سال قبل ۱۸۹۳ء کی بات ہے کہ مرزا غلام احمد صاحب قادری کے دعوائے تجدید و مہدویت سے ملک کی فضا گونج رہی تھی اور مخالفت کا ایک طوفان ان کے خلاف برپا تھا..... انہوں نے مخالفین کو ”ھلن من مبارزِ“ کے متعدد چیلنج دیئے اور ان میں سے کوئی سامنے نہ آیا۔ ان پر سمجھلہ اور اتهامات میں ایک اتهام یہ بھی تھا کہ وہ عربی اور فارسی سے نابلد ہیں۔ اسی اتهام کی تردید میں انہوں نے یہ قصیدہ نعت عربی میں لکھ کر مخالفین کو اس کا جواب لکھنے کی دعوت دی۔ لیکن ان میں کوئی بروے کا نہیں آیا۔

مرزا صاحب کا یہ مشہور قصیدہ ۷۰ اشعار پر مشتمل ہے۔ اپنے تمام لسانی محاسن کے لحاظ سے ایسی عجیب و غریب چیز ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسا شخص جس نے کسی درسے میں زانوئے ادب تھے نہ کیا تھا کیونکہ ایسا فصح و بلیغ قصیدہ لکھنے پر قادر ہو گیا..... یہ قصیدہ نہ صرف اپنی لسانی و فنی خصوصیات بلکہ اس والہانہ محبت کے لحاظ سے بھی جو مرزا صاحب کو رسول اللہ سے تھی، بڑی پڑا اثر چیز ہے۔ یہ قصیدہ اس شعر سے شروع ہوتا ہے:-

يَا عَيْنَ فِيضُ اللَّهِ وَالْعِرْفَانَ
يَسْعِي إِلَيْكَ الْخَلْقَ كَالظَّمَانَ

اور اختتام اس شعر پر ہوتا ہے:-

جسمی یطیرُ الیک من شوقِ علا یالیت کانت قوّة الطیران

(ماہنامہ "نگار"، لکھنؤ۔ اپریل ۱۹۶۰ء میں ۵۲)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:-

”مرزا غلام احمد صاحب کا تعلق بانی شریعت سے حد درج والہانہ و صاحبدلانہ تھا۔ اور ذاتِ نبوی کے ساتھ جو خلوص و شغف ان میں پاجاتا ہے (قول فعل دونوں میں) اس کی مثال اس عہد میں مشکل ہی سے کہیں اور مل سکتی ہے۔ فرماتے ہیں:-

بعد از خدا بعشق محمد تحرم گرفتار ایں بود بخداخت کافرم
ہر تار و پو د من براید بعشق او از خود تھی واذغم آں دلتان پرم
من نیستم رسول و نیاورده ام کتاب ہاں ہلهم استم وز خداوند من ذرم
یارب بزاریم نظر کے کن بلفظ وفضل جزو دست رحمت تو گر کیست یا ورم
جامن فدا شود به ره دین مصطفیٰ ایں است کام دل اگر آید میسرم

- ۱۔ ان الشعار کا ترجمہ یہ ہے:- (ازناش)
(۱) میں اللہ تعالیٰ کے بعد محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق میں سرشار ہوں۔ اگر اسی بات کا نام کفر ہے تو قسم بخدا میں بخخت کافر ہوں۔
- ۲۔ آپ کا عشق میرے وجود کے رگ و ریش سرات کرچکا ہے۔ میں اپنے آپ سے خالی اور اس محبوب کے غم سے پڑھوں۔
- ۳۔ میں رسول نہیں ہوں اور نہ ہی میں کوئی کتاب لایا ہوں۔ ہاں ہلهم ہوں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈرانے والا ہوں۔
- ۴۔ اے میرے رب امیری گریہ وزاری کردیکے کر لطف و کرم کی ایک نظر فرم، کہ تمیری رحمت کے سوا اور کوئی میرا مدد گا ہے۔
- ۵۔ میری جان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی راہ میں فدا ہو جائے۔ یہی میرے دل کی تنا ہے اگر نیسرا ہو جائے۔

جیرت ہے کہ جس شخص کا دل رسول اللہؐ کے متعلق ایسے فدا کارانہ جذبات سے بریز ہوا اور جو صاف صاف یہ کہے کہ ”من عیتم رسول“ اس کی بابت یہ کہا جائے کہ وہ ختم نبوت کا قائل نہ تھا یا یہ کہ وہ خود رسول بن کر متوازی شریعت اپنی علیحدہ قائم کرنا چاہتا تھا۔

حضرت مرزا صاحب نے اپنے اس جذبہ کا اظہار اپنی تحریروں اور تقریروں میں برملا اور بار بار کیا ہے۔ ۲۰ اکتوبر ۹۳ء کو جامع مسجد دہلی میں ایک کثیر جمع کو خطاب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:-

”میں اس خانہ خدا میں صاف صاف اقرار کرتا ہوں کہ میں جناب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کا قائل اور جو شخص ختم نبوت کا منکر ہوا س کو بے دین اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔“

”میں آیت ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین پر سچا اور کامل ایمان رکھتا ہوں۔“ (ایک غلطی کا ازالہ ص ۳)

”خدا ایک ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے نبی ہیں اور خاتم الانبیاء ہیں۔“ (کشی نوح ص ۱۵)

میں نہیں سمجھتا کہ جناب مرزا صاحب کے ان اقوال کے ہوتے ہوئے یہ کہنا کہ وہ ختم نبوت کے قائل نہ تھے کیونکہ صحیح درست ہو سکتا ہے؟“ (ٹگار۔ بابت ماہ ستمبر ۱۹۶۱ء ص ۲۹۶۲۷)

عرض داشت ختم کرنے سے پہلے ہم یہاں دو اور اقتباس پیش کرنا چاہیں گے۔
تین دہائیاں پہلے علامہ ڈاکٹر رضی الدین احمد صاحب پی۔ انج۔ ڈی صدر شعبہ اردو عربی و فارسی آندھرا پردیش یونیورسٹی کی نہایت عالمانہ کتاب ”نقابوں کلام“ منظر عام

پر آئی تھی۔ جس میں قابل مصنف نے مولانا آزاد مرحوم کے ہم عصروں میں بانی سلسلہ احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادریانی علیہ الرحمۃ کا بھی خصوصی طور ذکر کیا ہے۔ اور کمال جرأت اور ایمانداری سے حق بات کھل کر کہہ دی ہے۔

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آن کا (یعنی حضرت مرزا صاحب کا۔ ناقل) جذبہ عقیدت اتنا ہی والہانہ اور شدید تھا جتنا ایک کٹر مسلمان کا ہوتا ہے۔“ (نقاد ابوالکلام ص ۲۷۶۔ سن شاعت ۱۹۷۲ء)

”وہ اگر مذہب کی زبان کی جگہ ادب کا سہارا لیتے تو شاید تغیرت سنن ہی نہیں خدا ے سخن تسلیم کئے جاتے۔ وہ عام انسانی سلط سے یقیناً بلند تھے۔“ (الضام، ص ۲۷۷)

ان اقتباسوں کو نقل کرنے کی واحد غرض یہی ہے کہ مسلمان بھائی علماء کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں اور بے بنیاد اتهامات والزامات کو چھوڑ کر واقعات کا از خود جائزہ لیں۔ تاکہ انہیں بھی اصل حقیقت حال کا پتہ چل جائے۔ اگر انہوں نے ایسا کیا تو ہمیں امید واثق ہے کہ وہ انشاء اللہ علامہ نیاز فتحوری مرحوم کی طرح یہ کہنے پر مجبور ہونگے۔

”بانی احمدیت کا مطالعہ جو کچھ میں نے کہا ہے۔ اور میں کیا جو کوئی خلوص و صداقت کے ساتھ ان کے حالات و کردار کا مطالعہ کرے گا۔ آسے تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ صحیح معنی میں عاشق رسول تھے اور اسلام کا بڑا مخلاصہ ڈردا پنے دل میں رکھتے تھے۔ انہوں نے جو کچھ کہایا کیا وہ نتیجہ تھا مغضون کے اختیارانہ چند وہ خلوص اور داعمیات حق و صداقت کا۔“

(نگار-سابت ماہ جولائی ۱۹۶۰ء ص ۱۱۸)

بات کچھ لمبی ہو گئی۔ اس لئے یہیں پر بس کرتے ہیں۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ

مرحوم زاہد بھائی کی اس عقیدتمندانہ اور مخلصانہ کاوش کو شرف قبولیت بخشے۔ اور اس کو
آن کے لئے توشہ آخرت بنائے۔ آمین۔ والسلام

احقر العباد

(ڈاکٹر) خورشید عالم ترین

لدرھیانہ

۲۰ ستمبر ۱۹۷۳ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّی وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ
سَيِّدِنَا مَوْلَانَا حَمَدِ خَاتَمِ النَّبِیْنَ وَعَلٰی اِلٰهِ الطَّیِّبِیْنَ
الظَّاهِرِیْنَ.
اَمَّا بَعْدُ

نعت سے کیا مراد ہے:-

نَعْثٌ [جمع نَعْوَتٌ] عربی زبان کا لفظ ہے۔ نَعْثٌ یَنْعَثُ کے معنی ہیں تعریف کرنا اور نَعْثٌ کے معنی ہیں وَصْفُ الشَّيْءِ بِمَا فِيهِ مِنْ حُسْنٍ یعنی کسی چیز کی عمدہ صفات بیان کر کے اس کی تعریف کرنا۔ (۱)

جو شخص ایسی تعریف بیان کرتا ہے اسے نَاعِثٌ [وزن، فاعِلٌ] اور جس کی تعریف کی جائے۔ اسے مَنْعُوْثٌ [وزن مَفْعُوْلٌ] کہتے ہیں۔ عربی میں ایک اور لفظ مَذَّحٌ [تعریف کرنا] بھی ہے۔ اور مَذَّحَةٌ [تعریف] اسی ہے۔ اس کی جمع مَذَّحٌ ہے۔

لغوی معنی کے لحاظ سے نَعْثٌ کسی کی بھی ہو سکتی ہے لیکن اصطلاح میں اس سے مراد صرف آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی حمد و شاہد ہے۔

لغت کے اعتبار سے نَعْثٌ نثر اور نظم، دونوں صورتوں میں ہو سکتی ہے۔ مثلاً حضرت رسول کریمؐ کے نکاح مبارکؐ کے موقعہ پر آپؐ کے رفیق و شفیق عم بزرگوار حضرت ابوطالبؓ [۵۳۶ء۔ ۲۲۱ء] نے حضرت خدیجہ بنت خویلد [۵۵۵ء۔ ۲۲۰ء] کے

(۱) نہایہ ان اشیاء میں جلد ۹۷ و اقرب الموارد جلد ۲ ص ۱۳۱۸

دولت خانہ پر اس کے رشتہ داروں کے سامنے جو خطبہ کا حرشاد فرمایا، اس میں اور
باتوں کے علاوہ فرمایا:-

(۱) إِنَّ أَبْنَ أَخِيْ هَذَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، لَا يُؤْزَنُ بِهِ رَجُلٌ
إِلَّا رَجَحَ بِهِ شَرْفًا وَبِلَا وَفَضْلًا وَعَقْلًا. وَإِنْ كَانَ فِي
الْمَالِ قِلْ قَلْ فَإِنَّ الْمَالَ ظِلٌّ زَائِلٌ وَأَمْرٌ حَائِلٌ وَعَارِيَةٌ
مُسْتَرٌ جَعَةٌ. وَهُوَ اللَّهُ بَعْدَ هَذَا لَهُ نَبَاءٌ عَظِيمٌ
وَخَطْرٌ جَلِيلٌ (۲)

یعنی یہ میرا برادرزادہ، محمد بن عبد اللہ ہے۔ جس کسی بھی آدمی کے ساتھ اس کا
وزن کیا جائے تو شرافت، نجابت، فضیلت اور عقل مندی کی بدولت آپ کا ہی پلا
بھاری ہوگا۔ اور اگر آپ کے پاس [دنیاوی] مال و دولت قلیل ہے۔ تو مال و دولت
کیا چیز ہے [ڈھلی پھرتی چھاؤں ہے۔ اور [مالک] بدلنے والی چیز ہے اور ایک
مستعار چیز ہے جو [لوٹنے والی ہے۔ اور اللہ کی قسم! [میرے] اس [یتیم بھتجے] کیلئے
تاباک مستقبل کی بہت بھاری خبر اور بلندی شرافت اور رفتعت قدر و منزالت ہے۔

(۲) حضرت رسول کریم ﷺ نے اپنی چیتی یوں حضرت خدیجہ کو واقعہ حراء سنایا تو

آپ نے ان الفاظ میں ڈھارس دی:-

كَلَّا. أَبْشِرْ. فَوَاللَّهِ لَا يُخْزِنِكَ اللَّهُ أَبْدَا فَوَاللَّهِ إِنَّكَ
لَتَصِلُ الرَّحْمَ وَتَضُدُّقُ الْحَدِيثَ، وَتَحْمِلُ الْكُلَّ وَتَكْسِبُ
الْمَعْدُومَ وَتَقْرِي الصَّيْفَ وَتَعْيَنُ عَلَى نَوَابِ الْحَقِّ (۲)
[میرے سرتاج محترم!] آپ گھبرائے نہیں۔ بلکہ خوش خبری قبول کیجئے۔

(۲) التیمۃ الخلیفیہ [عربی] جلد اس ۱۳۸-۱۳۹

(۳) بخاری شریف مکتاب التفسیر [۱۵] تفسیر سورہ العلق [۹۶] باب ا

اللہ کی قسم۔ اللہ تعالیٰ آپ کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑے گا۔ اللہ کی قسم! آپ رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہیں۔ آپ ہمیشہ حق بولتے ہیں۔ ناتوان کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔ معدودروں کو کما کر دیتے ہیں۔ مہمانوں کی خاطر تواضع کرتے ہیں۔ آپ مصیبت اور مشکلات میں ہمیشہ حق کا ساتھ دیتے ہیں۔

(۳) حضرت امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب [۲۶۱-۲۰۰] آپ کی تعریف میں فرماتے ہیں:-

”وَهُوَ خَاتِمُ النَّبِيِّينَ أَجْوَدُ النَّاسِ صَدْرًا وَأَصْدَقُ النَّاسِ لَهْجَةً وَالْيَنْهُمْ غَرِيْكَةً وَأَكْرَمُهُمْ عَشِيرَةً..... اور آپ آخری نبی ہیں۔ لوگوں میں سب سے زیادہ وسیع القلب اور سخنی ہیں۔ اور لوگوں میں سب سے بڑھ کر راست گو ہیں۔ اور سب سے زیادہ نرم مزاج ہیں۔ اور خاندان کے لحاظ سے سب سے زیادہ مجد و شرف والے ہیں۔ مَنْ رَأَهُ بَدِيْهَةً هَابَهُ۔ جو شخص آپ کو یہا کیک دیکھتا۔ وہ آپ کے وقار اور عظمت سے مرعوب ہو جاتا تھا وَ مَنْ خَالَطَهُ مَعْرِفَةً أَحَجَّهُ اور جو شخص آپ کے پاس کچھ دیر بیٹھتا اور آپ کے ساتھ ذرا جان پہچان پیدا کرتا، وہ آپ کے خلق عظیم کو دیکھ کر آپ کا گرویدہ بن جاتا“^(۲)

ہجرت [۸ ربیع الاول ۱ھ / جون ۲۲۲ء] کے دوران جب حضرت نبی کریم ﷺ غارِ ثور سے نکلے تو قبیلہ بنی کعب کی ایک شاخ خزانہ کی ایک مختیّر عورت اُم مَعْبُدِ عَاتِکَةِ بُنْتُ خَالِدٍ کے پاس پہنچے۔ یہ خاتون مسافروں کو پانی، دودھ یا کھانا دیتی تھی۔ اتفاقاً جب حضور ﷺ اور آپ کے ساتھی پہنچے اس بیچاری کے پاس کچھ نہیں تھا۔ اس کے خیمے میں ایک دبلي سوکھی ہوئی بکری تھی۔ حضور ﷺ نے اسی بکری پر اپنا مبارک دستِ اعجاز پھیرا تو اس کے تھنوں میں اس قدر دودھ

(۲) مکہۃ جلد ۲ ک الفتن [۲۶۱] باب اسماء النبی [۱۹] فصل ۲ ج ۱۲ جو والتر منی

اڑ آیا کہ معزز مسافروں نے سیر ہو کر پیا۔ اور اُمّ مَعْبُدَ کے لئے باقی بہت چھوڑا۔ شام کے وقت اس کا شوہر ابو مَعْبُدَ آیا تو یہ برکت دیکھ کر پوچھنے لگا۔ اے ام مَعْبُدَ یہ دو دھکہاں سے آیا۔ ”اُمّ مَعْبُدَ نے کہا:-

(۲) مَرْبَنَارِ جَلْ مُبَارَكْ۔ ہمارے خیمہ سے ایک با برکت آدمی گذر را۔ [یہ اسی مرد مبارک کا مجھزہ ہے]۔ شوہرنے کہا:-
”صِفِیہ“ اس کی نعت یا تعریف بیان کر، اس کے صفات شکل و شماں بتا۔ ”اے مَعْبُدَ نے کہا:-

رَأَيْتُ رَجُلًا ظَاهِرًا الوضائِهِ، أَبْلَجَ الْوَجْهِ۔ میں نے دیکھا ایک آدمی ہے جس کی پاکیزگی و خوبی نمایاں ہے۔ جس کا روئے مبارک سپیدہ صح کی طرح تابان ہے۔ حُسْنُ الْخُلُقِ۔ جس کا خلق اچھا ہے۔ لَمْ تَعْبُهْ ثَجَلَةً۔ ان کا پیٹ [تو ند کی طرح] باہر نہیں نکلا تھا۔ وَلَمْ تُزِرْهُ صَلْعَةً۔ ان کے سر مبارک سے بال گرے نہیں تھے۔ وَسِيمًا قَسِيمًا آپ صاحب حسن و جمال تھے.....

إِنْ صَمَتَ فَعَلَيْهِ الْوِقَارُ۔ جب آپ خاموش رہتے تو آپ پیکر و قار ہوتے ہیں وَإِنْ تَكَلَّمَ سَمَاءً وَعَلَاءَ الْبَهَاءُ اور جب بات کرتے وہ بات کو [مردانہ لہجہ کے ساتھ] بلند کر کے کہتے اور آپ کا روئے مبارک زیادہ ہی روشن ہو جاتا۔ فَهُوَ أَجْمَلُ النَّاسِ وَأَبْهَاهُمُ مِنْ بَعِيدٍ وَأَمْلُحُهُمُ مِنْ قَرِيبٍ۔ سو آپ سب سے زیادہ حسین و جیل تھے۔ دور سے دیکھنے والے کو دلکش حسن ملیخ والے نظر آتے تھے۔

حُلُو الْمُنْطِقِ۔ آپ کا کلام شیرین تھا۔ لانزَرَ وَلَاهَدَرَ۔ نہ اتنا کم بولتے کہ سامعین تشنہ رہتے۔ نہ اتنا زیادہ بولتے کہ سامعین اُکتا جاتے۔ کَأَنْ مَنْطِقَةً خَرْزَاتُ نُظِمَنَ يَتَحَدَّزُنَ گویا آپ کی باتیں موتیوں کی طرح لڑنی میں پروی ہوئی

آسانی سے دہان مبارک سے نکتی تحسیں۔ (۵)

یہ چار جواہر پارے نعتیہ نشر کی عمدہ مثالیں ہیں۔ لیکن عرف عام اور اصطلاح فن میں نعت کا اطلاق نظم پر ہی ہوتا ہے۔ یعنی وہ نظم جس میں حضرت رحمت عالمیۃ اللہ کی حمد و شنا ہو۔

(۳) **منظوم نعت**: نعتیہ نظم کا آغاز بھی حضرت ابوطالب نے ہی کیا۔ آپ نے حضرت رسول کریم علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلیم کی مدافعت میں کئی قصائد لکھے اور ان میں آپؐ کے اوصاف عالیہ و اخلاق حمیدہ کا بہت اچھا ذکر کیا۔ مثلاً فرماتے ہیں:

(۱) وَإِنْ فَخَرَثْ يَوْمًا فَإِنَّ مُحَمَّدًا

هُوَ الْمُصْطَفَى مَنْ سِرُّهَاوَ كَرِيمُهَا (۶)

اور اگر کسی دن [بنی ہاشم] نے [اپنی فضیلت پر] فخر کیا، تو محمد ہی وہ برگزیدہ شخص ہے جو ان میں جان جاتا اور سب سے بلند مرتبہ والا ہے۔

(۲) لَعَمْرِي لَقَدْ كُلِفْتُ وَجْدًا بِأَحْمَدٍ

وَأَخْوَاهِهِ دَابَ الْمُحِبِّ الْمَوَاصِل

میری عربی قسم! میں احمد [صلی اللہ علیہ وسلم] اور آپ کے بھائیوں کے وجود [یعنی] عشق میں بتلا کیا گیا ہوں اور میری وہی حالت ہے جو ہمیشہ محبت کرنے والے کی ہوتی ہے۔

(۳) وَمَاتَرْكُ قَوْمٌ لَا أَبَالَكَ، سَيِّدَا

يَحُوْطُ الدِّمَارَ، غَيْرَ ذَرْبٍ مُّوَأْكِلٍ

(۵) سیرت جدید عربی جلد ۲ ص ۳۶۹ باب الہجرہ الى المدينة

(۶) ابن هشام جلد ۱ کلیف یکلیف کلفا [باب سمع] کلیف بہ کسی سے بہت زیادہ محبت کرنا

اور [اے مخالف] تیراباپ مر جائے، ایسے سید کو چھوڑنا کیسا [برا کام] ہوگا، جو ہر اس چیز کی حفاظت کرتا ہے جس کی حفاظت و حمایت ضروری ہے، جو فسادی نہیں ہے اور جو اپنا کام دوسروں پر چھوڑتا نہیں۔

(۲) وَأَبِيضَ يُسْتَسْقِي الْعَمَامُ بِوَجْهِهِ

ثِمَالَ الْيَتَامَى عِصْمَةً لِلْأَرَامِلِ

[وہ سید] جو ایسا روشن چہرہ ہے کہ اس کے ویلے سے [سخت خشک سالی میں، اللہ تعالیٰ سے] باران رحمت مانگا جاتا ہے۔ جو تمیوں کا سر پرست، جائے پناہ اور بیواؤں کی حفاظت کرنے والا ہے۔

(۳) يَلْوُذُ بِهِ الْهَلَّاكُ مِنْ أَلْ هَاشِيمِ

فَهُمْ عِنْدَهُ فِي رَحْمَةٍ وَفَوَاضِلٍ

قبیلہ بنی باشم کے مفلس و نادر لوگ اسی سید کی پناہ میں ہیں۔ اور وہ آپ کی پناہ میں رحمت سے مالا مال اور بلند مراتب پر ہیں۔

(۴) فَمَنْ مِثْلُهُ فِي النَّاسِ أَئِ مُؤْمَلٌ

إِذَا قَاسَهُ الْحُكَامُ عِنْدَ التَّفَاضُلِ

پس لوگوں میں آپ [محمد مصطفیٰ] جیسا کون ہے جب فضائل کا مقابلہ کرنے کے لئے فیصلہ کرنے والوں نے [آپ کے فضائل] کا اندازہ لگایا تو ان لوگوں میں بھی کسی کو آپ کا ہم سر نہیں پایا جن کے متعلق [ہم سری کی] اسید تھی۔

(۵) حَلِيلُمْ رَشِيدُ عَادِلٌ غَيْرُ طَائِشٍ

يُوَالِي إِلَهًا لَيْسَ عَنْهُ بِغَافِلٍ

وہ بردبار، راہ حق پر گامزن، عدل و انصاف کرنے والا ہے وہ جلد باز نہیں ہے

وہ ایسے معبد برحق کا شیدائی ہے جو اس سے غافل نہیں۔

(۸) لَقَدْ عَلِمُوا أَنَّ أَبْنَانَا لَامَكَذَبٌ

لَدِينَا وَلَا يُعْنِي بِقَوْلِ الْأَبَاطِلِ

سب لوگ جانتے ہیں کہ ہم اپنے اس [قابل خر] بیٹے کی مکندیب نہیں کرتے۔

ہم کبھی اس کو "جوہنا" نہیں کہہ سکتے۔ اور جھوٹ بننے والوں کی بکواس پر کوئی توجہ دینے کی ضرورت نہیں۔

(۹) فَاصْبَحَ فِينَا أَحْمَدُ فِي أَرْوَمَةٍ

تَقْصُرُ عَنْهُ سُورَةُ الْمُتَطاوِلِ

ہمارے درمیان احمد نہایت پاک جڑوں سے ظاہر ہوئے۔ [یعنی بہت نیک والدین کمرتین سے پیدا ہوئے] اور دست درازی کرنے والوں کا مرتبہ آپ کے مرتبہ سے پست ہے۔

(۱۰) فَإِيَّاهُ رَبُّ الْعِبَادِ بِنَصْرِهِ

وَأَظْهَرَ دِينًا حَقًّهُ غَيْرُ باطِلٍ

پس آپ کو بندوں کے رب نے اپنی امداد سے تائید کی۔ اور غلبہ بخشادین کو، جو حق ہے اور جھوٹا نہیں۔ (۷)

نمونہ کے لئے یہ عشرہ کاملہ دس اشعار کافی ہیں۔

(۱۱) **تشبیب** قدیم عربی قصائد میں اصل مدعا بیان کرنے سے پہلے شاعر چند اشعار بطور تہیید بیان کرتا تھا۔ اس میں جوانی اور کھلیل کو دے کے زمانے کی باتیں، یا عورتوں کے حسن و جمال کا شوق انگیز ذکر کرتا تھا۔ اس لئے قصیدہ کے اس تہییدی

(۷) سیرت ابن ہشام جلد اس ۲۲۲ سے

حضر کو تَشْبِيْت کہتے تھے کئی بزرگوں نے اپنے نقیۃ قصائد میں تشیب بھی ضرور لکھا ہے۔ مثلاً اکعب بن زہیر بن سلمی نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر ایک قصیدہ عرض کیا اور آپ سے مقدس چادر بطور انعام پائی۔ ۵۸ اشعار پر مشتمل اس قصیدے کے ابتدائی تیرہ اشعار میں ایک فرضی محبوبہ سُعَادَ کے فراق کا ذکر ہے۔ پھر اکیس اشعار (۳۲-۱۳) میں تیز گام اونٹی کا ذکر ہے۔ پھر [شعر ۳۵] میں کہتا ہے کہ اونٹی ایسی ہو جس کو تعاقب کرنے والے وہ چغل خور کپڑے نہ سکیں جنہوں نے دربار رسالت ﷺ میں میری چغلی کھائی۔ گویا اس شعر سے شاعر اصل مضمون کی طرف گریز کرتا ہے۔ پھر بارہ اشعار [۵۰-۳۹] میں مذکورت بیان کر کے [شعر ۴۵] حضرت رسول اکرم ﷺ کی تعریف کرتا ہے۔ کہتا ہے۔

إِنَّ الرَّسُولَ لِنُؤْرٌ يُسْتَضَاءُ بِهِ
مُهَنَّدٌ مِّنْ سَيُّوفِ اللَّهِ مَسْلُولٌ

بے شک حضرت رسول اکرم ﷺ نور ہیں۔ آپ سے لوگ روشنی حاصل کرتے ہیں۔ آپ اللہ تعالیٰ کی تواروں میں سے ایک خاراشگاف توار ہیں۔ جو نیام سے باہر کھینچی ہوئی ہیں۔^(۸)

اسی شعر پر اسے انعام بھی ملا۔ اور یہ شعر اس سارے قصیدے کی جان [شاہ بیت] (بیت القصیدہ) بھی ہے۔ پھر باقی اشعار [۵۲-۵۸] میں شاعر صحابہ کرام کی مدح بیان کرتا ہے۔

چونکہ انعام میں بُرُدَه [یعنی چادر۔ دھاری دار کپڑا، کالا کمبل] ملا تھا۔ اس لئے اس کو قصیدہ بردہ کہتے تھے۔ لیکن اس نام سے ایک اور نقیۃ قصیدے کو شہرت

حاصل ہوئی ہے۔ اس لئے تمیز کے لئے اس قصیدے کو قصیدہ بانٹ سعاد کہتے ہیں کیونکہ اس کا مطلع ہے: **بَانْتُ سُعَادٍ فَقَلْبِي الْيَوْمَ مُتَبُولٌ**
(میری محبوبہ) سعاد [مجھ سے] جدا ہو گئی ہے۔ اس لئے آج میرا دل بیماری میں بتلا ہے۔“

قصیدہ ”بُرْدَه“ اب اس قصیدے کو کہتے ہیں جو شاذیہ طریقہ کے ایک مشہور شاعر اور عاشق رسول امام محمد سعید بن حماد شرف الدین شاذی بوصیری مصری [شووال ۲۰۸، ۱۲۹۷ھ۔ مارچ ۱۲۹۷ء] نے بحالت فانج تصنیف کیا۔ اس کا اسلی نام ”الْكَوَاكِبُ الدُّرِّيَّةِ فِي مَدْحَ خَيْرِ الْبَرِّيَّةِ“ ہے یہ قصیدہ کامل ہوا تو شاعر کو روایا میں حضرت رسول کریمؐ کی زیارت نصیب ہوئی۔ آپؐ نے شاعر کے مفلوج بدن پر دست شفا بخش پھیرا اور اپنی چادر بھی عطا کی۔ شاعر جب صحیح کو بیدار ہوا تو فانج کافور ہوا تھا۔ اور بردہ مبارک بھی موجود پایا۔ اس لئے اس قصیدے کو قصیدہ بردہ کہتے ہیں۔

قدیم عربی روایات کے مطابق امام بوصیری نے چند ابتدائی اشعار بطور تشییب لکھے ہیں۔ پھر وعظ نصیحت کے لئے کئی اشعار ہیں فضائل و مکالات اور احسانات کا ذکر ہے۔ آپؐ کی مخلصانہ عبادات، آخرت رخی، بے نقشی کا ذکر کیا ہے۔ پھر تو سل اور مناجات ہے:-

مرثیہ

میت پزو نے، اظہار افسوس کرنے اور اس کے محاسن بیان کرنے کو عربی میں رَثْوٰ یا رَثَاءٌ کہتے ہیں۔ جس نظم میں میت کے لئے اظہار غم و افسوس اور اس کی تعریف ہوا اس کو مرثیہ مرثأة [جمع مراثی] کہتے ہیں۔
لیکن حضرت خاتم النبیین سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مقدس ذات روح

جد کو نین اور عین حیات دارین ہے۔ آپ زندہ جاوید ہیں۔ اس لئے آپ کے لئے لفظ مرثیہ بہت نامناسب ہے۔ عقیدت مندا اور عاشق حیات نبوی کو سخت ناپسند ہے اگر چہ پہلے دور کے بعض علماء نے اسے استعمال کیا ہے۔ مگر اب متروک ہے۔ پس ہر وہ نظم جس میں حضرت رسول اکرم ﷺ کی حمد و شناہ مودح و ستالیش ہو۔ آپ کے حسن و احسان اور جمال و کمال کا ذکر ہو۔ آپ کے متعلقین کی تعریف ہو، وہ نعمت ہی کہلاتی ہے اس سے قطع نظر کہ کب، کہاں اور کس زبان میں لکھی گئی اور کس نیک بخت کو بتو فیض ایزدی اس کی سعادت ملی۔

(۶) **غیر عربی زبانوں میں**:- نقیۃ شاعری کا آغاز عربی زبان میں ہوا۔ اس کے بعد جہاں جہاں مسلمان گئے۔ آباد ہوئے، وہاں کی زبان کا بھی نصیبہ جاگ اٹھا اور نقیۃ کلام سے مشرف ہوئی۔ نعمت گوئی صرف مسلمانوں تک محدود نہیں رہی۔ غیر مسلم مردوں اور عورتوں نے بھی بارگاہ نبوت میں شعری خراج تحسین پیش کیا۔ جناب کرشن لال موہن نے خوب کہا ہے

چھا گیا ہے عرصہ کو نین پر جلوہ حسن تمام مصطفیٰ
کر رہے ہیں اسکی عظمت کے سبب بہمن بھی احترام مصطفیٰ
بے گمان اے کرشن موہن ثبت ہے
قلب گیتی پر دوام مصطفیٰ

دل چاہتا تھا کہ غیر مسلم شعراء و شاعرات کے نقیۃ کلام سے آبدار و جگردار اشعار کا ایک انتخاب پیش کروں۔ لیکن **تفہیم القصیدہ** کے اوراق کی تنگ دامنی سد راہ ہے۔ ان اوراق میں دراصل صرف ایک عربی قصیدہ سلیس ترجمہ، دل پذیر یترجح کے ساتھ پیش کرنا مطلوب ہے اور ناظم قصیدہ کے حالات۔ عقاید، دعویٰ اور تعلیمات سے بحث کے بغیر صرف حضرت ختمی مرتبتؐ کی ذات مقدس کے

ساختہ ان کی والہانہ محبت، اور مومنانہ عقیدت کی بھلک ان کے اپنے الفاظ میں دکھا کر ان کے اس دعوے کو ثابت کرتا ہے۔

کہ۔ بعد از خدا بِعْشَقِ محمدٍ مُّحَمَّدٍ
گُرْكُفَرَاينَ بودَ بِخَدَ اسْخَتَ كَافِرَمْ

یہ عمده نقیۃ قصیدہ، مصنف حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادریانی علیہ الرحمہ [۱۹۰۸ء-۱۸۳۵ء فرروی ۱۳۲۶-۱۳۲۷ء] کی کتاب آئینہ کمالات اسلام (عربی حصہ) میں درج ہے اس کے علاوہ عربی دریشیں میں بھی شامل ہے۔ کئی بار الگ بھی ترجمہ کیسا تھا چھپا ہے۔ اس حقیقت کے باوجود تفہیم کی ضرورت باقی تھی۔ مترجم اس کوشش میں کہاں تک کامیاب ہوا ہے اس کا اندازہ قارئین کرام خود لگائیں گے۔

اللَّهُ تَعَالَى سے دست بدعا ہوں وہ میری اس کوشش کو شرفِ قبول بخشنے۔ آمین۔ (۹)
مے تو انی کہ دھی اشک مرا حسن قبول
اے کہ ڈر ساختہ تی قطرہ بارانے را

نور الدین زاہد حسامی اویسی

(۹) کعب بن زہیر کے قصیدہ بات مُعاد اور امام بوصیری کے قصیدہ ”قصیدہ بردہ“ کا کشمیری ترجمہ حضرت علامہ صدر الدین واژہ پوری [۱۸۳۲-۱۹۰۵ء] کے فرزند ارجمند حضرت مولیانا نور الدین قاری کشمیری [۱۳۵۲-۱۸۹۳ھ/۱۹۳۳-۱۹۰۵ء] نے میں کیا اور زیر طباعت سے آراستہ کر کے شائع کیا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شِعْر.....!

يَأْعِينَ فَيُضِّ اللَّهِ وَالْعِرْفَانَ
يَسْعِي إِلَيْكَ الْخَلْقُ كَالظُّمَانَ

یا (حرف ندا) = اے، جس کو پکارا جائے (یعنی منادی) اگر مضاف ہو تو منصوب (آخری حرف زبر والا) ہوگا۔ عین (۱) آنکھ (۲) چشمہ رواں۔ یہ منادی ہے اور مضاف ہے۔ اس لئے منصوب ہے یأعین، اے چشمہ روان۔ اسی طرح یابحر = اے سمندر، یاشمس۔ اے آفتاب۔ فیض، دریا میں جب پانی بکثرت ہوتا ہے وہ اس کے کناروں سے چڑھ کر بہتا ہے اس کو فاض یفیض فیضاً بولتے ہیں اسی سے فیض نکلا ہے۔ اور اس کے معنی ہیں: (۱) بہت۔ (۲) جود و گنجش۔

فَيُضِّ اللَّهُ:۔ [فیض مضاف اور اللہ مضاف الیہ] اللہ کا فیض۔ یعنی اس کی نعمتیں۔ جو وہ بندوں کو عطا کرتا ہے۔ اور عموماً روحانی نعمتیں مراد ہیں۔

و۔ [حرف عطف] اور **الْعِرْفَانَ** = عرفاً اللہ [آل مضاف الیہ کا نمائیدہ ہے] مراد ہے اللہ کا عرفان۔ یعنی اللہ کی معرفت۔

يَسْعِي۔ [فعل مضارع واحد مذکر غائب] سعی یسعی = عمل کرنا، چلنا۔

”الی“۔ قصد کرنا۔ **يَسْعِي إِلَيْكَ**۔ تیری طرف دوڑتے ہیں۔ تیری طرف قصد کر کے آتے ہیں۔ **الْخَلْقُ** = نظرت۔ لوگ کاظمآن = [حرف جار] ک۔ یہاں تشبیہ کیلئے ہے] مانند۔ کی طرح ظمآن [واحد مذکر] سخت پیاسا۔ تشنہ جگر۔ تشنہ لب

اس کی جمع ظماء ہے۔ یہاں واحد جمع کے لئے ہے۔ **کَالظُّمَانِ**۔ سخت پاسے کی طرح یعنی تشنہ بیوں کی طرح۔

ترجمہ:- اے اللہ تعالیٰ کے فیض اور عرفان کے چشمہ جاری! لوگ آپ کی طرف تشنہ بیوں کی طرح دوڑتے آرہے ہیں۔

تشریح:- قاعدہ ہے۔

ہر کجا چشمہ بود شیرین
مردم و ملخ و مور گرد آئیں

چنانچہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی روحانی نعمتوں اور اس کی معرفت کے طالب ہیں، وہ اپنی پیاس اسی چشمہ صافی سے بجھاتے ہیں۔ اگر کسی کو کچھ ملا تو اسی چشمہ صافی سے ملا۔

كُلُّ برَكَةٍ مِنْ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَارَكَ مَنْ عَلِمَ وَتَعَلَّمَ. (۱)

یعنی سب برکات کا سرچشمہ حضرت محمد مصطفیٰ ہیں ﷺ پس بڑا بارکت ہے جس نے تعلیم دی اور جس نے تعلیم حاصل کی۔

(۱) کتاب برائین احمد یہ حصہ سوم میں ۲۳۸ حاشیہ در حاشیہ میں

شعر... ۲.....

**يَا بَحْرَ فَضْلِ الْمُنْعِمِ الْمَنَانِ
تَهْوِي إِلَيْكَ الرُّزْمَرُ بِالْكِيْزَانِ**

فضل۔ احسان **المنعم**۔ انعام دینے والا [اسم فاعل] نعمت عطا کرنے والا۔ **المنان**۔ بہت احسان کرنے والا۔ **المنعم** اور **المنان** سے مراد اللہ تعالیٰ ہے۔ **تهوی**: ہوئی یہوئی۔ اوپر سے نیچے آنا۔ سفر کرنا۔ چلتا۔ **تهوی** [مضارع۔ واحد مونث عائب]۔ تیزی سے آتے ہیں۔ **الرُّزْمَرُ**. **رُزْمَرَة** [واحد] جماعت۔ گروہ۔ فوج۔ اس کی جمع ہے **رُزْمَرُ**۔ جماعتیں۔ افواج۔

بِالْكِيْزَانِ۔ فارسی لفظ **کوڑ** عربی میں داخل ہوا ہے۔ اس کے معنی ہیں کوزہ یعنی دستہ دار برتن۔ اس کی جمع ہے (۱) **أَكْوَازٌ** (۲) **كِوَازٌ** اور (۳) **كِيْزَانٌ**۔ کوزے۔ ب۔ [حرف جار۔ یہاں الصاق یا مصاحبۃ کے لئے ہے]۔ ساتھ لے کر۔ ساتھ۔ **بِالْكِيْزَانِ**۔ کوزے ساتھ لے کر۔

ترجمہ:- اے منعم و منان خدا کے احسانات کے سمندر! لوگ جو ق در جو ق آپ کے پاس کوزے لے کر تیزی سے آ رہے ہیں۔

تشريح:- متفق علیہ حدیث ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا:- **إِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ وَاللَّهُ يُعْطِي** میں تو صرف تقسیم کرنے والا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے، (۲)

اس ارشادِ نبوی کا مضمون ناظم قصیدہ نے عملہ طریقے سے اس شعر میں ادا کیا ہے

(۲) بخاری پ اکتاب العلم [۳] باب [۱۳] فضل الباری ۴۵ ص ۳۲۷ / مسلم جلد ۲ ک الزکوة [۱۳]

شِعْر..... ۳۔

يَا شَمْسَ مُلْكِ الْحُسْنِ وَالْأَحْسَانِ
نَورُتْ وَجْهَ الْبَرِّ وَالْعُمْرَانِ

الْحُسْنُ۔ جمال و خوب صورتی۔ [جمع مَحَاسِنٍ]

الْأَحْسَانُ۔ نیکی۔ نیک سلوک۔ منت۔

نَورُتْ۔ مصدر رَقْوِيرْ [باب تَفْعِيلٍ] کے معنی ہیں: روشن ہونا (۲) روشن کرنا۔ اسی سے فعل ماضی واحد مذکر مخاطب کا صیغہ نَورُتْ ہے۔ ”تونے روشن کیا“۔ وَجْهَ۔ وَجْهَ۔ چہرہ۔ (۲) خود چیز اور اس کی ذات۔ مفعول ہونے کی وجہ سے وَجْهَ ہے۔ یعنی ”چہرے کو“۔ الْبَرِّ۔ خلک زمین۔ بیابان۔ مُخَافَاتِ الَّذِي ہے اس لئے جری حالت میں الْبَرِّ ہے۔ الْعُمْرَانِ۔ بیابان کے برعکس، وہ جگہ جہاں لوگ آباد ہوں۔ اور نظام تمدن قائم ہو۔ [اقرب ۸۳۰]

ترجمہ:۔ اے حسن اور احسان کے ملک کے آفتاب! آپ نے [اپنی روشنی سے] بیابان اور غیر بیابان۔ یعنی آباد اور غیر آباد۔ سب مقامات کو منور کیا۔

تشرییم:۔ کسی شخص کے ساتھ محبت رکھنے کے دو باعث ہیں۔ ایک اس کا حسن اور دوسری اس کا احسان۔ بزرگوں کے حسن سے عموماً ان کا حسن باطنی مراد ہوتا ہے۔ لیکن جناب رسول کریم ﷺ ایک استثناء ہیں۔ احادیث میں آپ کے حسن ظاہری کا ذکر صحابہ کرام کی زبانی مذکور ہے۔ مثلاً

(۱) متفق علیہ حدیث ہے کہ انصاری صحابی براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے

ہیں: لَمْ أَرْشَيْنَا قُطُّ أَحْسَنَ مِنْهُ (۲) میں نے حضور پُر نور ﷺ سے زیادہ حسین کوئی چیز بھی نہیں دیکھی۔

(۲) متفق علیہ حدیث میں خادم رسول انس بن مالک کہتے ہیں:-
لَمْ أَرَ بَعْدَهُ وَلَا قَبْلَهُ مِثْلَهُ (۳)

میں نے آپ کے بعد اور آپ سے پہلے آپ جیسا کوئی نہیں دیکھا
(۳) حضور ﷺ کا پچازاد بھائی ابوسفیان بن الحارث بن عبدالمطلب کہتا ہے:-

فَلَمْ نَرَ مِثْلَهُ فِي النَّاسِ حَيَا
وَلَيْسَ لَهُ مِنَ الْمَوْتِي عَدِيلٌ

ہم نے زندہ انسانوں میں آپ جیسا کسی کو نہیں دیکھا۔ اور وفات پائے ہوئے لوگوں میں بھی آپ جیسا کوئی نہیں۔

(۴) ایک دفعہ حضور ﷺ نماز ظہر ادا کر کے دولت خانہ کی طرف آرہے تھے راستے میں چھوٹے بچے کھیل رہے۔ حضور ﷺ کو دیکھ کر وہ ان کے پاس آ کر ان سے لپٹ گئے۔ آپ ﷺ نے ہر بچے کے چہرے پر اپنا دست مبارک پھیرا۔ اس کے بعد اپنے ساتھی حضرت سمرة بن جنبد کے چہرے پر بھی پھیرا۔ یہی صحابی فرماتا ہے:- فَوَجَدْتُ لِيَدِهِ بَرْدًا وَرِيْحًا كَانَمَا أَخْرَجَهَا مِنْ جُونَةِ عَطَّارٍ۔ میں نے آپ ﷺ کے دست مبارک میں وہ مختذلہ اور خوبصورتی کو یا آپ نے اسے عطر ساز کے عطردان سے نکالا تھا، (۵)

غرض متعدد احادیث صحیحہ میں حضرت نبی اکرم ﷺ کے ظاہری حسن و جمال کا ذکر ہے۔ اور صحابہ کرام اور صحابیات کے کلام میں بھی اس کا ذکر ہے۔ مثلاً ایک صحابیہ

(۲) رج. مشکوٰۃ ک الفتن [۲۶] باب اسماء النبی [۱۹] فصل اربع نامخ (۲۵/۲۵ م ۲۲/۶۱)

(۳) ایضاً حکومہ بخاری (۵) ایضاً حکومہ مسلم

نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ نعتیہ شعر پڑھے:-

وَأَجْمَلَ مِنْكَ لَمْ تَرْقُطْ عَيْنِي

وَأَحْسَنَ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ

[یا رسول اللہ! آپ سے زیادہ جمیل میری آنکھ نے کبھی نہیں دیکھا اور آپ سے زیادہ حسین عورتوں نے کبھی جناہی نہیں۔]

خُلِقْتَ مُبَرَّأً مِنْ كُلِّ عَيْبٍ

كَانَكَ قَدْخُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ

آپ ہر عیب اور نقص سے پاک پیدا کئے گئے۔

گویا آپ اس طرح پیدا کئے گئے جس طرح آپ چاہتے ہیں۔ (۱)

آپ ﷺ کے حسن باطن یعنی روحانیت اور اخلاق کے متعلق اتنا کہنا کافی ہے کہ آپ کا ناعِتِ حقیقی یعنی خدا تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ۝ (اقم ۶۸/۲)

یعنی (اے جبیب اکرم!) [دوات، قلم اور تحریرات گواہی دیں گے کہ آپ خلق عظیم کے مالک ہیں۔] یعنی

”جہاں تک اخلاق فاضل و شماں حنس انسانی کو حاصل ہو سکتے

ہیں، وہ تمام اخلاق کاملہ تامہ نفس محمدی میں موجود ہیں۔ سو یہ تعریف ایسی

اعلیٰ درجہ کی ہے جس سے بڑھ کر ممکن نہیں۔“ (۲)

رہے نبی برحق کے احسانات۔ ان کے متعلق مبالغہ ہونہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ

فرماتا ہے:-

(۱) کتاب ”عربی میں نعتیہ کلام“ ص ۱۳۹ از مولانا عبد اللہ عباس ندوی

(۲) برائین احمد یہ بحوالہ الشان رسول عربی ۲۴

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ
حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَوِيقٌ رَّحِيمٌ ۝ [اتریب: ۹] [۱۸۸]

[اے دنیا جہاں کے لوگو! یقیناً تمہارے پاس تمہیں میں سے ایک عظیم الشان رسول آیا ہے۔ تمہارا تکلیف پانا اس [رحمت و شفقت والے رسول] پرشاگ گزرتا ہے۔ وہ تمہارے لئے [خبر و فلاح کا] بہت خواہش مند ہے۔ اہل ایمان پر وہ مہربان اور حرم کرنے والا ہے،^۵ گویا سارے جہاں کا درد اسی ایک دل میں ہے۔]

پروفیسر بوسورٹھ سمٹھ [Bosworth Smith] ایک مشہور پادری تھا۔ اس نے اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق رائل انسٹی چیوٹ آف گریٹ برٹن کے زیر اہتمام فروری۔ مارچ ۱۸۷۳ء میں چار خطبات دئے۔ دوسرے خطبے میں وہ ہجرت نبوی کا ذکر کرتا ہے۔ اسی سلسلے میں کہتا ہے کہ اگر حضرت نبی کریم ہجرت سے پہلے ہی مکہ میں وفات پاتے تو تمہی بھر مسلمان آہستہ آہستہ رہ سپار فنا ہو جاتے۔ اسلام اپنے گھوارے میں ہی مر جاتا اور پیغمبر اسلام علیہ السلام ﷺ کے نام کو مکہ سے باہر کوئی جانتا بھی نہیں اور دنیا پر اس کا کیا اثر پڑ سکتا؟

وہ سارے رسوم قبیح، جن کی نیجے کنی پیغمبر اسلام نے کی، آج تک جاری ہوتے۔ انسانی قربانی، نوزائدہ لڑکیوں کو زندہ در گور کرنا، خون ریزیاں بے قید کثرت ازدواج، لاپرواں کیسا تھے غلاموں پر جور و جفا، مے خواری جوابازی وغیرہ قبائح عرب اور اس کے ملحوظہ ممالک میں جاری ہوتے۔ مگر، بتا تار اور ترک وحشی اقوام کو رہا ارضی کے خوبصورت مقامات کو حسب معمول تباہ و بر باد کر دیتے اگر وہ اسلام قبول نہ کرتے۔ اس سے ان کے قومی کردار میں بہت حد تک زمی آگئی۔ اور ان کی فتوحات غیر محدود شربنے سے نج گئیں۔ شمالی اور وسطی افریقہ میں تمہذیب کے آثار نہ ہوتے۔ یہاں صرف بر بیت اور سفا کی ہوتی۔ یورپ کے ازمنہ مظلہ [Dark ages] تین گنا

تاریک ہوتے اگر عرب مسلمان فن، سائنس، علم ترا راعت، فلسفہ اور دیگر صفات حمیدہ کے ساتھ عالمگیر ظلمت جہالت و جرائم میں ضوفشان نہ بن جاتے بیساخیت بہت پہلے بگز کر مجموعہ ادہام بن چکی تھی۔ اسلام نہ ہوتا تو یہ مزید بگز جاتی۔ ائمہ وہی درگت ہوتی جو آج جسٹہ میں نظر آتی ہے۔ سطح زمین کے ساتوں حصے پر کو اکب پرتی جاری ہوتی۔ طسمات پرستی قائم ہوئی (۸)

یہ حضرت نبی کریم ﷺ کے احسانات کا اعتراض ہے۔ اور **وَالْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْأَعْدَادُ**

حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں:-

از کمال حکمت و تکمیل دین پانہد بر او لین و آخرین
وزکمالی صورت و سن اتم جملہ خوبیں را کند زیر قدم
کمال حسن اور کمال احسان کے لئے حضرت نبی کریم ﷺ کو یا شمس اے
آفتاب عالمتاب اکہنا نہایت مناسب ہے۔ چنانچہ امام بوصیری قصیدہ بردہ میں
فرماتے ہیں:-

**فَاقَ النَّبِيَّنَ فِي خَلْقِ وَفِي خُلُقِ
وَلَمْ يَدَانُهُ فِي عِلْمٍ وَلَا كَرَمٍ**

یعنی ہمارے پیارے نبی ﷺ کو باقی سب نبیوں پر فوقيت حاصل ہے۔ ظاہری حسن و مجال میں بھی اور بالطفی حسن و مجال میں بھی اور وہ [یعنی سب پیغمبر] علم اور کرم میں بھی آپ کے بلند مقام کے قریب نہیں آسکے۔

(۸) ”محمد بن محمد بن ازم“ اگریزی ایس۔ ۱۰۵۔ ۱۰۷۔ ۱۹۹۵

ناشر۔ آرکوز بکس۔ محلی ۱۱۰۵۵۔

فَإِنَّهُ شَمْسٌ فَضْلٌ هُمْ كَوَاكِبُهَا

يُظْهِرُنَّ أَنُوارَهَا لِلنَّاسِ فِي ظُلْمٍ

پس ہمارا نبی ﷺ "فضل" کا آفتاب عالمتباہ ہے۔ اور وہ [باتی پیغمبر] اس آفتاب کے ستارے ہیں۔ [یعنی آپ سے مستفیض ہیں] وہ اسی آفتاب عالمتباہ کے انوار اسلام سے پہلے لوگوں پر ظاہر کرتے تھے۔

حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں:-

مصطفیٰ آئینہ رُوے خداست منعکس درقے ہماں کوئے خدا است
مصطفیٰ مہر درخشاں خداست برعدوش لعنت ارض و سما است
از طفیل اوست نور ہر نبی نام ہر مرسل بنام او جلی
آپ سے پہلے جو نبی آئے، وہ بھی اپنی اپنی امت کے لئے آفتاب تھے کیونکہ ان کے پیروں نے بھی ان سے روحانی قوت و طاقت حاصل کی جس طرح مادی زندگی کے لئے روشنی اور گرمی کی صورت میں سورج سے ازرجی حاصل ہوئی ہے۔ لیکن ان سب امتوں کے آفتاب ڈوب گئے۔ اس کے بعد ہمارا آفتاب ڈوب نہیں سکتا۔

حضرت غوث العظیم جناب شیخ سید عبدال قادر جیلانیؒ فرماتے ہیں:-

أَفَلَثُ شُمُوسُ الْأَوَّلِينَ وَشَمُسُنا

أَبَدًا عَلَى أَفْقِ الْعُلا لَا تَغْرِبُ

پرانی امتوں کے آفتاب سب غروب ہو گئے۔ اور ہمارا آفتاب ہمیشہ بلند آفتاب پر صوفشاں ہے۔ یہ بھی غروب نہیں ہو گا۔

مفسر عادالدین ابن کثیر نے آیت بیثاق [۳: ۸۱] میں سیریں۔

وَفِي بَعْضِ الْأَحَادِيثِ: لَوْ كَانَ مُوسَى وَعِيسَى حُسْيِينَ لَمَا

وَسَعَهُمَا إِلَّا إِتْبَاعِيٌ، فَالرَّسُولُ مُحَمَّدٌ خَاتِمُ الْأَنْبِيَاءِ صَلَوَاتُ اللَّهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ دَائِمًا إِلَى يَوْمِ الدِّينِ .

یعنی بعض احادیث میں آیا ہے۔ اگر موسیٰ اور عیسیٰ زندہ ہوتے، ان کو بھی میری بیروی کے بغیر کوئی چارہ نہ تھا۔ پس [ہمارے پیارے] رسول محمد آخری بنی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے طرف سے آپ پر قیامت تک ہمیشہ درود سلام ہو۔“^(۹)

ہمارے اس آفتاب رسالت سے بر عمر ان یعنی ساری دنیا اور ہر زمانے میں لوگ مستفیض ہوئے۔ کیونکہ آپ رحمۃ للعالمین ہیں یعنی سب عالموں کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے (الأنبیاء: ۲۱؛ ۱۰) یہ سب انبیاء کرام پر آپ کی بڑی فضیلت ہے۔ اور آپ فرماتے ہیں **إِنَّمَا النَّارُ حُمَّةً مُهَدَّأً** میں صرف رحمت ہوں جو [لوگوں کو] مفت دی گئی ہے^(۱۰)۔

حضرت جابر سے ایک متفق علیہ حدیث مروی ہے کہ حضور نے فرمایا:
وَكَانَ النَّبِيُّ يُبَعْثَ إِلَى قَوْمٍ خَاصَّةً وَيُعْثِثُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً [میری اہم فضیلوں میں سے ایک اہم فضیلت یہ ہے کہ مجھ سے پہلے] نبی صرف اپنی قوم کے لئے مبوث ہوتا تھا۔ اس کے برعکس میں سب لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔^(۱۱)

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کے آخری الفاظ ہیں:-
أُرْسِلْتُ إِلَى الْحَلْقِ كَافَةً وَخُتِمْ بِي النَّبِيُّونَ۔ میں سب لوگوں کی طرف رسول ہوں اور میرے آنے سے نبیوں کی آمد پر مہر لگ گئی^(۱۲)۔

(۹) تفسیر القرآن العظيم [عربی] ص ۳۸۷ زیر [آل عمران: ۲۳] اردو تفسیر ابن کثیر ص ۸۵

(۱۰) مشکوہہ ک الفتن [۲۶] باب ۹ فصل ۲۵ ح ۲۵. بحول الداری و شعب بنیتی۔

(۱۱) الصناب [۱۸] فصل (۱) ح (۹)

(۱۲) الصناب [۱۸] فصل (۱) ح ۱۰ بحول المسلم

حضرت جابر کی دوسری روایت میں ہے:-

كَانَ كُلُّ نَبِيٍّ يُبَعْثُ إِلَى قَوْمِهِ خَاصَّةً وَبَعْثُتُ إِلَى كُلِّ أَحْمَرَ وَأَسْوَدَ (۱۲)

یعنی نبی صادقؐ نے فرمایا مجھ سے پہلے ہر ایک نبی صرف اپنی ہی قوم کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوتا تھا۔ اس کے برعکس میں ہر گورے اور ہر کالے کی ہدایت کے لئے بھیجا گیا ہوں۔

حضور پر ﷺ اپنا ایک کشف بیان فرمار ہے ہیں:-

إِنَّ اللَّهَ زَوَى لِي الْأَرْضَ فَرَأَيْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا. وَإِنَّ أَمْتَى سَيِّلَغُ مُلْكُهَا مَازِوَى لِي مِنْهَا. وَأُعْطِيْتُ الْكَنْزَيْنِ الْأَحْمَرَ وَالْأَبْيَضَ.

یعنی اللہ تعالیٰ نے میرے لئے کہ ارض کو سمیتا۔ تو میں نے اس کے مشرقی و مغربی ملک دیکھ لئے۔ اور میری امت کی بادشاہت ضرور ان ممالک تک پہنچ گی۔ اور مجھے دو خزانے دے گئے۔ ایک سرخ اور دوسرا سفید۔^(۱۳)

حضرت رسول کریمؐ کی اس بے مثال فضیلت کا ذکر قرآن مجید میں بھی کئی جگہ موجود ہے۔ مثلاً آپ سے اعلان کروایا کہ میں سب لوگوں کی طرف رسول ہوں [الاعراف ۷: ۱۵۸] میں سب لوگوں کے لئے خوش خبری دینے والا اور جگانے والا ہوں [سبا: ۲۸: ۳۳] سب عالمین کے لئے ذا نے والا ہوں [الفرقان ۲۵: ۱] اس کے برعکس دیگر پیغمبروں کو قومی پیغمبر ظاہر کیا گیا۔

مثلاً حضرت عیسیٰ ابن مریم کے متعلق بغیر ابہام واضح الفاظ میں کہا گیا ہے

(۱۲) مسلم جلد ۲ ک المساجد [۵] باب (۱) ح [۳]

(۱۳) مشکوہہ ک الفتن [۲۶] باب (۱۸) فصل (۱) ح ۱۲۔ بحوالہ مسلم ابو داؤد ہے

کہ وہ بنی اسرائیل کے لئے رسول [آل عمران ۳۹] بنی اسرائیل کے لئے نمونہ مثل [الزخرف ۵۹] ہے۔ اور ان کا اعلان موجود ہے اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف رسول ہوں، [الصف ۶۱]

حضرت مرزا صاحب ایک فارسی نقیۃ قصیدے میں فرماتے ہیں:-

آفتاب ہر زمین و ہر زمان رہبر ہر اسود و ہر احرارے
تافت اول بردیار تازیاں تازیاں راشود درماں گرے
بعد ازاں آں نور دین و شرع پاک شد محیط عالمے چوں چنبرے

حضرت صاحب ایک عربی نقیۃ قصیدے میں فرماتے ہیں:-

وَمِنْ وَجْهِهِ جَلَّى بَعِيدًا وَ أَقْرَبَا

وَأَصَابَ وَأَبْلَهَ تَلَأَّعًا وَ جَدُّ جَدًا

”اور حضرت نبی کریمؐ کی مقدس ذات نے ہر دور اور ہر زد دیک کو منور کیا۔ اور آپ کے باران رحمت نے ہر بلند و پست کو مستغیض کیا۔“

”آئینہ کمالات اسلام“ میں حضرت صاحب عربوں سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں:-

إِنَّ اللَّهَ افْتَسَحَ وَحْيَةً مِنْ آدَمَ وَ خَتَمَ عَلَى نَبِيٍّ كَانَ مِنْكُمْ
وَ مِنْ أَرْضِكُمْ وَ طَنَاوَ مَاوَى وَ مَوْلَداً。 وَ مَا ادْرَكُمْ مَنْ ذَاكَ
النَّبِيُّ الْمُصْطَفَى سَيِّدُ الْأُصْفَيَاءِ وَ فَخْرُ الْأُنْبِيَاءِ وَ خَاتَمُ الرُّسُلِ
وَ إِمَامُ الْوَرَى.

اللہ تعالیٰ نے وہی نبوت آدم سے شروع کی اور ایک عظیم الشان نبی پر ختم کی۔ جو تم میں سے تھا۔ اور وطن جائے پناہ اور جائے پیدائش کے لحاظ سے ان کا تعلق تمہاری

بی سرز میں سے تھا۔ اور تم نہیں جانتے ہو کہ یہ نبی مصطفیٰ، سید الاصفیاء، فخر الانبیاء، خاتم رسول اور پیشوائے خلق کون تھا۔

قَدْ ثَبَّتَ إِحْسَانَهُ عَلَىٰ كُلِّ مَنْ دَبَّ عَلَىٰ رِجْلَيْنِ وَمَشَىٰ۔

”ہر وہ شخص جو دوناگوں پر چلتا پھرتا ہے۔ یعنی ہر انسان آپ کا

”ممنون احسان ہے۔“ [شانِ رسول عربی ۱۳۵-۱۳۶]

شعر.....۳

**قُومٌ رَءَ وُكَ وَ أُمَّةٌ قَدْ أَخْبِرَتْ
مِنْ ذَاكَ الْبَدْرِ الَّذِي أَصْبَانِي**

رَءَ وُكَ- رَأَى يَرَى رَأْيَا وَرُؤْيَةً يَا رَاءَةً کے معنی ہیں ”دیکھنا“۔
بصارت [جسمانی آنکھ] سے ہو یا بصیرت [باطنی آنکھ] سے۔ اس سے فعل ماضی جمع
مذکور غائب بتتا ہے رَءَ وَ انہوں نے دیکھا۔ ک۔ تجھے۔ رَءَ وُكَ۔ انہوں نے
تجھے [چشم سر یا پچشم سر] دیکھا۔

قَدْ أَخْبِرَتْ۔ اخْبَارٌ۔ خبر دینا۔ اخْبَرَ۔ اس نے خبر دی۔
أَخْبَرَتْ [فعل ماضی۔ معروف واحد مؤنث غائب] اس [عورت یا امت]
نے خبر دی۔

أَخْبَرَتْ [ماضی مجہول واحد مؤنث غائب] اس [عورت یا امت] کو خبر دی
گئی۔ **قَدْ**۔ فعل ماضی کے ساتھ آئے تو دو فائدے دیتا ہے۔ (۱) تحقیق کا فائدہ اور
(۲) ماضی کو حال کے قریب کرتا ہے۔ **قَدْ أَخْبِرَتْ** ماضی قریب میں ضرور اس کو خبر
دی گئی۔ **الْبَدْرُ**۔ چودھویں رات کا چاند۔ ماهِ کامل۔ ماہِ تمام
الَّذِي [اسم موصول۔ واحد مذكر] وہ جس نے۔

أَصْبَانِي. صَبَائِيْضُبُوْصَبُوَة، صُبُوَة اور صُبُوَا. إِلَيْهِ لَهُ۔ کے معنی
ہیں۔ مشتاق ہوا۔ اسی سے ہے۔ **أَصْبَى** فُلَانًا۔ کسی کو مشتاق بنانا۔ بنی۔ مجھے۔
أَصْبَانِي۔ اس نے مجھے مشتاق بنایا۔ فریفہ کیا۔

ترجمہ:- [اے حبیب اکرم!] ایک قوم نے آپ کو [چشم سر یا سر] دیکھا۔

اور ایک امت کو خبر دی گئی ہے اس ماہ کامل کے بارے میں جس نے مجھے [اپنا] گرویدہ، فریغتہ بنایا ہے۔

تفسیر: - ایک بہت بڑی جماعت نے حالتِ ایمان آپؐ کے جمال جہاں آ را کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ ان سعادت مند مردوں کو صحابہ یا اصحاب [واحد صحابی] کہتے ہیں۔ اور عورت کو صحابیہ [جمع صحابیات] کہتے ہیں۔ ایسے بھی بے شمار سعادت مند لوگ ہیں جن کو آپؐ کی زیارت کشوف و روایا میں نصیب ہوتی ہے۔

چنانچہ حضرت مرزا صاحب ایک نعمتیہ قصیدہ میں فرماتے ہیں:-

بِسْمِ اللّٰهِ وَجْدَاسْتَ دُلْ تَادِيْدَ رُوْيَےِ اوْ بِخَوَابِ

اے برآں رُوْيَےِ وَسْرَشِ، جان وَسَرَوْ رُوْيِمِ شَارِ

یا رَسُولُ اللّٰهِ بِرُوْیِتِ عَهْدِ دَارِمِ اسْتَوارِ

عُشْقٌ تو دَارِمِ ازَالِ رُوْزَےِ کَہ بُودِمِ شِيرِ خوارِ

ہر قدم کا ندر جناب حضرت بے چوں زَوَمِ

دیدِ مت پنہاں میعنِ وحای و نفرت شعارِ

یادِ کن وقت کہ در کشمِ نمودی شکلِ خویشِ

یادِ کن آن وقت دیگر کامدی مشتاق وارِ

یادِ کن وقت جو نہمودی بہ بیداری مرا

آل جمالے آل رُخِ، آل صورتِ رشک بہارِ

اور لوگوں کی بہت بڑی جماعت وہ ہے جن کو پیغمبروں نے اپنے اپنے زمانے میں اس آخری پیغمبرگی خبر دی۔

چنانچہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

”اوْرَجَبَ اللّٰهُ تَعَالٰی نَبِيُوْنَ کَذَرِيْعَهُ سے [امتوں سے] عَهْدِ

لیا کہ جو کچھ میں نے تمہیں کتاب اور حکمت سے دیا ہے۔ پھر تمہارے پاس وہ عظیم الشان رسول ﷺ آئے جو اس کی تصدیق کرنے والا ہو جو تمہارے پاس ہے۔ تو تمہیں اس پر ضرور ایمان لانا ہوگا۔ اور ضرور اس کی مدد کرنی ہوگی ”
[۸۱: (۹) ع(۳) میران علیہ السلام] ا پ

پھر فرماتا ہے:

”اور بنی اسرائیل میں سے ایک عظیم الشان گواہ نے اپنے مثلیں کے آنے کی گواہی دی تھی“ - [ب۔ ۲۶۱ الْحَقَافَ (۳۴) ع۔ (۱۰)]

اس عظیم الشان گواہ سے مراد حضرت موسیٰ ہیں جنہوں نے اپنے مشیل حضرت رسول عربی کی آمد کی بشارت قوم کو سنائی تھی۔ آج بھی باہل میں ہم پڑھتے ہیں:-
 ”خداوند، تیرا خدا، تیرے لئے تیرے ہی درمیان سے، یعنی
 تیرے ہی بھائیوں میں سے، میری مانند ایک نبی برپا کرے گا۔ تم اس کی
 سننا..... میں ان کے لئے انہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند
 ایک نبی برپا کروں گا۔ اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ
 میں اسے حکم دوں گا، وہی وہ ان سے کہے گا۔“

شناپا [۱۸، ۱۵: ۱۸]

حضرت عیسیٰ نے بھی اپنی قوم کو بشارت سنائی تھی:

(۱) ”اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مد گار بخشے گا کہ اب تک تمہارے ساتھ رہے۔“ [یو جناب (۱۳): ۱۶]

(۲) ”لیکن جب وہ مددگار آئے گا، جس کو میں تمہارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا یعنی ”روح حق“ جو باپ سے صادر ہوتا ہے تو وہ میری گواہی دے گا۔“ [بوقتیاب (۱۵): ۲۶]

(۳) ”لیکن میں تم سے بچ کہتا ہوں کہ میرا جاتا تمہارے لئے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ حاول تو وہ مدگار تمہارے ماس نہ آئے گا.....“ [بختاب (۱۶): ۷]

(۲) ”لیکن جب وہ روح حق آیگا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھایے گا۔ اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا۔ لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔“
[بوقتیاب (۱۶): ۱۳]

اردو انجیل یوحنہ کی ان عبارتوں میں موعود رسول کیلئے ”مد دگار“ کا لفظ آیا ہے۔ قدیم اردو ترجموں میں بجا ہے ”مد دگار“، تسلی دینے والا کھاتا ہے پھر حاشیہ پر وکیل یا شفیع، بھی نکھاتا ہے۔

بائل کے موجود عربی ترجمہ میں مُعَزَّتی [یوحننا ۱۶/۱۵، ۱۷/۲۶، ۱۸] اور روح الحق [یوحننا ۱۶/۱۳] لکھا ہے۔

سے دراصل یونانی لفظ پیراکلیٹ [Paraclete] کا ترجمہ ہے۔

حضرت مرحوم احمد صاحب قادری فرماتے ہیں:-

فارقلیط کی پیش گوئی انجلیل میں ہے۔ اور اس کے معنی حق و باطل میں فرق کرنے والا ہے۔ اور یہ آنحضرت ﷺ کا نام ہے،“ (۱۵)

قرآن مجید میں بھی حضرت عیسیٰ کی یہ بشارت موجود ہے اور اس میں حضرت نبی کریم ﷺ کا جمالی اسم علم یعنی احمد آتا ہے۔ [ب ۱۲۸ القف (۶۱): ۶]

متفق عليه حديثٌ يَعْلَمُهُ اللَّهُ تَعَالَى فِيهِ الْحُكْمُ نَفْسُهُ نَفْسُهُ فَرَمَيْتُهُ
إِنَّ لِي أَسْمَاءً أَنَا مُحَمَّدٌ وَأَنَا أَحْمَدُ وَأَنَا الْمَاجِيُّ الَّذِي
يَمْحُوا اللَّهُ بِي الْكُفُرَ وَأَنَا حَاشِرُ الَّذِي يُحَشِّرُ النَّاسَ عَلَى
قَدْمَيِّ وَأَنَا الْعَاقِبُ وَالْعَاقِبُ الَّذِي لَيْسَ بَعْدَهُ نَبِيٌّ (١٢)

(١٥) ملحوظات مندرجہ اخبار "الحکم" مورخے ۱۹۰۲ء ص ۵ شان رسول عربی۔ ۳۲۱۔

(١٢) بخاري پ ٦٣ کتاب المناقب [٦١] باب ۱/ سلم جلد ۲ ک الفضائل (٢٥) باب ۳۳ [جبرین مطعم]
مکمل جلد ۲ ک الفتن [٣٢] باب اسماء النبی (١٩) فضل (١) ح (١)

یعنی میرے کئی نام ہیں۔ میں محمد ہوں۔ اور میں احمد ہوں اور میں ماجی [مٹا۔ نے والا] ہوں یعنی جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کفر مٹاتا ہے، اور میں حاشر ہوں یعنی لوگ میرے قدموں پر اٹھائے جائیں گے۔ اور میں عاقب [پیچھے آنے والا]۔ اور عاقب وہ ہے جس کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا۔“

حضرت مرزا صاحب لکھتے ہیں:-

(۱) **إِنَّ اللَّهَ سَمَّاهُ مُحَمَّدًا وَأَخْمَدَ**

بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام محمد اور احمد رکھا.....(۱۷)

(۲) **فَلَا جَلَلَ ذَالِكَ سَمَّاهُ اللَّهُ مُحَمَّدًا وَأَخْمَدَ**

اور اسی غرض کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام محمد اور احمد رکھا.....(۱۸)

غرض حضرت خاتم الانبیاء احمد مجتبی محمد مصطفیٰ ﷺ کا شہرہ اولین و آخرین میں ہوا۔ آپ کے متعلق قرآن مجید کی ایک ابتدائی وحی میں خالق کائنات نے اعلان کیا:-

وَرَفَعَنَالَكَ ذِكْرَكَ ۝

اور [اے جبیب اکرم] ہم نے تیرے لئے تیرے ذکر مبارک کو رفع بخشنا، یعنی زمین وزمان کے حدود اور سان و اوطن کے قیود سے بلند کیا۔ آپ کا صرف نام نامی و اسم گرامی نہیں بلکہ پورا ذکر مبارک بلند کیا۔ اور ایسا کیوں کیا؟ لک۔ آپ کے لئے۔ یعنی آپ کی تعظیم کے لئے آپ کی تکریم کے لئے۔ آپ کی حمد و شنا کے لئے عزت و احترام کے لے۔

با سورج سمجھ کر اپنے پہلے ہی خطبے میں کہتا ہے کہ پرانے پیغمبروں کے حالات

(۱۷) کتاب "ابیاز الحج" ص ۱۰۵

(۱۸) اینا ص ۱۱۳

معلوم ہی نہیں۔ حضرت عیسیٰ کی زندگی بھی پرده اخفا میں ہے لیکن پیغمبر عربی^{۱۹} کا حال مختلف ہے: کہتا ہے:

"How many questions about him occur to each of us which must always remain questions ! But in Muhammadanism every thing is different; here, instead of the shadowy and the mystereous we have history." (19)

"حضرت عیسیٰ کے متعلق ہمارے دماغ میں کتنے ایسے سوالات پیدا ہوتے ہیں جو ہمیشہ جوابات سے محروم ہی رہیں گے۔ لیکن اسلام میں ہر امر مختلف ہے۔ یہاں مشکوک اور ناقابل فہم باتیں نہیں۔ یہاں تاریخ ہے۔" چند الفاظ کے بعد کہتا ہے۔"

"No body here is the dupe of himself or of others; there is the full light of day upon all that light can ever reach at all."

"اسلام میں کوئی بھی شخص فریب کاشکار نہ ہو سکتا ہے نہ کسی کو بناسکتا ہے۔ ہر امر جس پر روشنی کبھی پہنچ سکتی ہے، یہاں نصف النہار کی روشنی میں روشن ہے۔" پھر لکھتا ہے کہ پیغمبر اسلام^{۲۰} کے متعلق سب امور تفصیل کے ساتھ معلوم ہیں۔ غرض اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کا نام ہی نہیں بلکہ ذکر کارفع فرمایا۔ آپ کے پورے حالات، فضائل و مکالات اور آپ کی پوری تعلیم محفوظ بنائی۔

اور یہی محبوب الہی وہ بذریعی مہ کامل ہے۔ جو حضرت مرزا صاحب کا جان جانا ہے۔ جس نے آپ کو گرویدہ و فریفہ بنایا ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں:-

وَفِي كُلِّ أَقْوَامٍ ظَلَامٌ مُّدَمِّرٌ

وَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ بَدْرٌ مُّنَورٌ

اور سب اقوام میں ہلاکت خیز تاریکی پھیلی ہے۔ اور اس عالمگیر شبِ ظلمت میں

جناب رسول اللہ یقیناً روشن کرنے والے ماہ کامل ہیں۔

وَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ مُهَجَّةُ مُهَاجِّيٍ

وَمَنْ ذِكْرِهِ الْأَحْلَى كَانَى مُشْمِرٌ

اور یقیناً جناب رسول اللہ میری جان کی جان ہیں۔ اور آپ کی یتھی یاد کی

بدولت میں خود گویا خل شمردار ہوں۔

شِعْر.....۵

**يَكُونُ مِنْ ذُكْرِ الْجَمَالِ صَبَابَةً
وَتَالِمًا مِنْ لَوْعَةِ الْهِجْرَانِ**

یَكُونُ بَكِیٰ یَكِیٰ بُکاءً وَبَگیٰ [ضَرَبَ يَضْرِبُ] کے معنی ہیں۔ رونا۔ آنسو بہانا، اس سے مفارع جمع مذکر غائب ہے یَكُونُ۔ وہ روئے ہیں۔ مِنْ۔ یہ حرف جاریہاں تقلیل کے لئے ہیں۔ یعنی رونے کی وجہ ظاہر کرتا ہے۔ ذُکْرٍ. ذَكْرٌ يَذْكُرُ ذَكْرًا وَتَذَكَّرًا [نَصَرَ يَنْصُرُ] کے معنی ہیں ذکر کرنا، یاد کرنا۔ اسی سے ذُکْرٌ نکلا ہے۔ اس کے معنی ہیں۔ یاد۔ شہرت۔ جَمَال۔ حسن ذُكْرُ الْجَمَالِ۔ حسن کی یاد۔ الْمُکَبَّہ سے معنی ہوئے حضرت نبی کریمؐ کے جمال مبارک کی یاد۔ صَبَابَةً۔ صَبَّ يَصْبُ صَبَابَةً[بَابَ سَمْعَ] گَلِفَ بِهِ عاشق زار ہونا۔ صَبَابَةً۔ الْوَلْعُ الشَّدِيدُ بِشَوْئٍ۔ کسی چیز کی شدید محبت۔ [اقرب ۱/۲۹۲]۔ صَبَابَةً۔ شدید محبت کی وجہ سے، سوزش عشق [حَرَارَتُهُ] کی وجہ سے۔ محنت شوق کے باعث۔

تَالِمًا: الْمَيَالُمُ الْمَا [سَمْعَ] کے معنی ہیں وَجْعٌ یعنی درد مند ہونا۔ دھنی ہونا۔ اور تَالِمٌ [بَابَ تَفَعْلُ] اسی معنی میں آتا ہے یعنی سخت دھنی ہونا۔ تَالِمًا۔ سخت درد مند ہونے کی وجہ سے لَوْعَةً۔ حَرْقَةُ الْخُزْنِ وَالْهُوَى وَالْوَنْجِدِمِ يَا عُشْقًا یا سخت محبت کی سوزش۔ اور کہتے ہیں: فِي قَلْبِهِ لَوْعَةً۔ اس کے دل میں سوزش ہے۔“

[اقرب ۶/۲۷۲]

مِنْ ب کے معنی میں ہے۔ پس مِنْ لَوْعَةِ سوزش سے الْهِجْرَانِ۔ هَجَرَ

یہجُر [باب نَصَرَ يَنْصُرُ] کے معنی ہیں قطع تعلق کرنا۔ کاشنا۔ الگ ہونا ترک کرنا۔ کسی سے اعراض کرنا۔ اس سے مصدر بناتے ہے۔ **هَجَرُ** اور **هِجْرَانُ** اور اس کے معنی ہیں جدائی۔

ترجمہ:- [مشتاقان جمال نبوی] آپ کے جمال کی یاد میں بوجہ عشق روتے ہیں۔ آپ کے فراق کی سوزش سے دردمند ہو کر [خون کے آنسو بھاتے ہیں]۔

تشریح:- قاعدہ ہے مَنْ أَحَبَ شَيْئًا أَكْثَرَ ذِكْرَهُ۔ جو شخص کسی چیز سے محبت رکھتا ہے وہ اس کا ذکر بہت کرتا ہے۔ اگر محبوب دور ہو تو اس ذکر سے آنکھوں کو خون جگر سے غسل دیا جاتا ہے۔ چنانچہ آنکھوں کا بہنا عشق و محبت کی علامت ہے۔ عرب شاعر امراء القیس اپنے قصیدے کے پہلے ہی شعر میں آنسو بھانے کا شوق ظاہر کرتا ہے بلکہ اپنے ساتھیوں سے بھی رونے میں مدد مانگتا ہے چنانچہ کہتا ہے:-

فِيَابِكِ مِنْ ذِكْرِي حَبِيبٍ وَمَنِزِلٍ

[میرے دوسرا تھیو! ہشم جاو۔ تاکہ مل کر ہم روئیں اپنے حبیب کو یاد کر کے۔ اور اس منزل [گھر] کو یاد کر کے۔

بِسُقْطِ اللَّوِي بَيْنَ الدَّخُولِ فَحُوْمَلِ

جو [منزل] دخول اور حومل [دو مشہور مقامات] کے درمیان ریت کے ایک طرف جھکے ہوئے تو دے پرواق تھی۔

امام ابوصیری بھی قصیدہ بردہ کے آغاز میں ہی کہتے ہیں:

أَمِنْ تَذَكْرِ جِيرَانِ بِدِينِ سَلِيمِ
مَرْجُثَ دَمْعَا جَرِيَ مِنْ مُقْلَةِ بَدِيمِ

کیا ذی سلم [مشہور جگہ] کے ہمسایوں کے یاد آنے سے تم نے آنکھ سے بنے والے آنسو خون [جگر] میں ملا دئے۔

غرض عشق کی سوزش اور بھروسہ فراق کی دردمندی سے عاشق کی آنکھیں اشک خونیں بھاتی ہیں۔ جو نبی محبوب کی یاد آئی آنسو جاری ہوتے ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شمع رسالت کے پروانے تھے۔ اس لئے آپ کی یاد میں روتے تھے۔ حضرت عمرؓ کے خادم، زید بن اسلم کا بیان ہے کہ ایک رات حضرت عمرؓ حسب معمول مدینہ میں گشت کرتے تھے۔ ایک مکان سے آواز سنائی دی۔ آپ اس کے قریب گئے تو دیکھا ایک بوڑھی خاتون اُون کات رہی ہے اور یہ اشعار بھی گاتی جا رہی ہے۔

علیٰ مُحَمَّدٌ صَلَوَةُ الْأَبْرَارِ
صَلَّی عَلَیْهِ الطَّیِّبُونَ الْأَخْيَارِ

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی مقدس ذات پر نیک لوگوں کی طرف سے درود ہو۔
پاک اور برگزیدہ نفوس آپ پر درود صحیح ہیں۔

قَدْ كُنْتُ قَوَاماً بَكِيَ بِالْأَسْحَارِ
يَا لَيْتَ شِعْرِيْ وَلِلْمَنَا يَا أَطْوَارِ

میں راتوں کو جاگتی اور صبح تک روٹی رہتی ہوں۔
کاش میں جانتی اور موت کے مختلف اطوار ہیں
هَلْ تَجْمَعِنِي وَحَبِيبِي دار

کہ کیا دار آخرت مجھے اپنے حبیب کے ساتھ ملائے گا۔

یہ اشعار سن کر حضرت عمرؓ کو بھی حبیب اکرام کی یاد آگئی اور وہ ہیں بیٹھ کر رونے لگے۔ پھر جب طبیعت ذرا سنبھلی تو اس بوڑھی خاتون کے پاس گئے اور کہا:
محترمہ! جو اشعار آپ گاتی تھیں وہ میرے لئے پھر گائے۔ اس خاتون نے درد

بھری آواز میں یہ اشعار پھر نے حضرت عمرؓ پر پھر گریہ طاری و اور زار زار روئے۔
جب طبیعت سنبھلی تو اس خاتون سے کہنے لگے۔ مجھے اپنی دعا میں یاد رکھئے۔
محترمہ نے فوراً کہا:

وَعُمَرَ فَاغْفِرْ لَهُ يَا غَفَارُ

اور اے مغفرت کرنے والے خدا! عمر کو بخش دے (۲۰) ایک روایت میں ہے کہ
حضرت عمرؓ کو رسول کریم ﷺ کے جمال جہاں آرا کی یاد بہت ستانے لگی۔ آپ بینھے
گئے اور اشک خوب بہانے لگے اور یہ الفاظ بھی کہنے لگے:-

السَّلَامُ عَلَيْكَ يَارَسُولَ اللَّهِ يَا بْنَ أَنَّ وَأَمِّي لَقَدْ كُنْتَ
تَخْطُبُنَا عَلَى جِدْعٍ نَحْلَةٍ فَلَمَّا كَثُرَ النَّاسُ اتَّخَذْتَ مِنْبَرًا لِتَسْمَعُهُمْ
فَحَنَّ الْجِدْعَ لِفِرَاقِكَ حَتَّى جَعَلْتَ يَدَكَ عَلَيْهِ فَسَكَنَ.

یار رسول اللہ آپ پر سلام ہو۔ میرے ماں بابا آپ پر قربان ہوں۔ [ایک وقت
تھا جب] آپ درخت خرمائی کئے پر تشریف رکھ کر ہمیں خطبہ سناتے تھے۔ پھر جب
[مسجد بنوی میں] لوگوں فی کثرت ہوئی تو ان سب کو اپنے ارشادات سنانے کے لئے
آپ نے منبر کو استعمال کیا۔ درخت خرمائی کا تینہ آپ کی جدائی برداشت نہ کر سکا اور
اشتیاق سے روئے لگا۔ یہاں تک کہ آپ نے اس پر اپنا دست مبارک رکھا اور اسے
سکون آیا۔“

فَأَمْتَكَ أَوْلَى بِالْحَنِينِ إِلَيْكَ لَمَّا فَارَقْتَهَا.

جب سے آپ سفر آخرت اختیار کر کے اپنی امت سے جدا ہوئے۔ اس دن
سے آپ کی امت کو نالہ ہائے شوق بلند کرنے کا زیادہ حق ہے۔ (۲۱)

(۲۰) کتاب ”الٹخاء“ ہر یف حقوق المصطفی۔ جلد ۲۔ ص ۲۶

(۲۱) کتاب صورۃ من عظمة الاسلام میں تالیف الشیخ عبدالحید کفک طبع ہرودت

شِعْر.....۶

**وَأَرَى الْقُلُوبَ لَدَى الْحَنَاجِرِ كُرْبَةً
وَأَرَى الْفُرُوبَ تُسِيلُهَا الْعَيْنَانِ**

أَرَى: رَأَى يَرَى رَأِيَا وَرُؤْيَا وَرَاءَةً [دیکھو ش ۲] سے مضارع واحد
متکلم کا صیغہ۔ معنی ہیں میں دیکھتا ہوں۔“
الْقُلُوبَ: قلب [اسم۔ واحد]۔ دل۔ عقل۔ اس کی جمع قُلُوبُ الْقُلُوبَ
[عاشقوں کے دلوں کو]۔

لَدَى: اسم ظرف [ظرف مکان] یعنی ہے یعنی ہر حال میں اس طرح آتا ہے۔
یہ لَدُنَ کی طرح عِنْدَ کے معنی میں آتا ہے۔ اس لئے ترجمہ ہے ’پاس‘، قریب۔
الْحَنَاجِرُ، حَنْجَرَةً، عَلْقَومُ۔ گلا۔ اس کی جمع ہے۔ الْحَنَاجِرُ۔ گلے۔ لَدَى
الْحَنَاجِرِ۔ گلوں کے پاس کُرْبَةً۔ کَرْبَتْ [جمع کُرْبَوْبَ] اور کُرْبَةً [جمع
کُرْبَ] کے معنی ہیں رنج و مختت کُرْبَةً۔ رنج و مختت کی وجہ سے الْفُرُوبَ۔
الْفَرْبُ۔ الدَّمْعُ۔ آنسو، اشک، آنسو کا بہنا الْفُرُوبَ۔ بکثرت آنسو۔

تُسِيلُهَا: سَالَ يَسِيلُ سَيْلًا وَسَيْلَانًا [ضرَبَ]۔ بہنا۔ اس سے
بابِ افعال بناتے ہے اسالۃ اور اس کے معنی ہیں بہانا۔ اس سے مضارع واحد مونث
غائب بناتے ہے تُسِيلُ۔ بہاتی ہے۔ ہا اس [مَوَنِث چیز] کو یعنی کثرت آنسو کو
عَيْنَانِ۔ دو آنکھیں۔

تَرْجِمَه:۔ میں دیکھتا ہوں کہ [عاشقان جمال نبوی کے] دل [عشق نبوی اور
ہجران سے پیدا شدہ] رنج و مختت سے [ان کے] گلوں تک پہنچ گئے ہیں۔ اور میں اس
آنسوؤں کی بارش کو دیکھتا ہوں جو [ہر عاشق زار کی] دو آنکھیں بہاتی ہیں۔

تشریح:۔ مرض عشق اور درِ فراق سے ”رونا“ عاشق کے لئے لازمی ہے متفق علیہ حدیث میں صحابی ابن عباس کا ایک واقعہ مردی ہے۔ ایک دفعہ ابن عباس نے کہا: يَوْمُ الْخَمِيسِ ”جمرات کا دن“۔ اور کیا ہے جمرات کا دن، ثمَّ بَكَى حَتَّى بَلَّ دَمْعَةً الْحَصْنِی پھر آپ اس قدر رونے کے آپ کے آنسوؤں سے فرش کی انگریزیاں تک تر ہو گئیں۔

راوی [سعید بن جبیر] نے پوچھا: مَا يَوْمُ الْخَمِيسِ جمرات [سے] کیا [مراد] ہے؟ قَالَ اشْتَدَّ بِرَسُولِ اللَّهِ وَجْهُهُ۔ ابن عباس نے کہا: آہ! یہ جمرات ہی تھی جب رسول اللہؐ کی تکلیف بڑھ گئی۔ (۲۲)

قاضی عیاض انلی مالکی^۱ [۷۲۶-۵۲۲ھ/۱۱۳۹-۱۰۸۳ء] نے اپنی مشہور تالیف ”کتاب الشفا“ میں لکھا ہے کہ ایک عورت نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا: میرے لئے مجرہ کھول دیا جائے تاکہ میں روپر مطہرہ کی زیارت کر سکوں۔ ام المومنین^۲ نے مجرہ مبارک کو کھولا۔ وہ عورت داخل ہو گئی اور روپر نبیوی کو دیکھ کر اس قدر رونی کہ جان قفس غصری سے نکل ہی گئی۔ (۲۲)

یعنی، یہ درود، یہ ترب پ صرف صحابہ تک محدود نہیں۔ ان کے بعد بھی بے خدا و عذۃ عاشقانِ رسول پیدا ہوئے اور ہوئے۔ انشاء اللہ چنانچہ حضور ﷺ فرماتے ہیں:-
مِنْ أَشَدِ لِيْ حُبًا نَاسٌ يَكُونُونَ بَعْدِيْ. يَوْدُ أَحَدُهُمْ لَوْ رَأَيْنِيْ
بِأَهْلِهِ وَمَالِهِ. یعنی میرے ساتھ سب سے بڑا کرمجت کرنے والے وہ لوگ ہیں جو میرے بعد پیدا ہوں گے اور وہ آرزو کریں گے کہ اپنے اہل و عیال اور اپنے مال کے بد لے مجھے دیکھ لیں۔” (۲۲)

(۲۲) مسلم جلد ۲ کتاب الزہبیہ [۲۶] باب (۵) ح ۲۔ بخاری پ ۱۲ اک الجہاد [۵۶] باب [۱۷۶] فصل

(۱) ۲۹ ح ۱۳۹۰

(۲۳) کتاب الشفا جلد ۲ باب ۲ فصل ۲۲ [۲۲ اردو]

(۲۴) مکملہ جلد ۲ ک الفتن [۲۶] باب (۲۲) فصل (۱) ح (۲) بحوث الحجج مسلم (راوی ابو ہریرہ)

شعر.....

يَامَنْ غَدَا فِي نُورِهِ وَضِيَائِهِ
كَالنَّسِيرِينَ وَنَوْرَ الْمَلَوَانِ

من: اسم موصول ہے اور اکثر ذہنی العقول [Rational] کے لئے آتا ہے۔ اور ترجمہ ”جو“

غَدَا: غَدَا يَعْدُو غُدُوا کے اصلی معنے ہیں۔ صبح کے وقت جاتا لیکن اب صارِيَصِيرُ صَيْرَا کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ یعنی ایک حالت سے دوسرا حالت کی طرف پلٹنا۔ مثلاً صارِيَدْغَنِیاً، زید مغلسی سے دولت مندی کی طرف پلٹ گیا۔ یعنی دولت مند بن گیا۔

پس غَدَا [ماضی]۔ واحدہ کر گائب [وہ بن گیا۔ وہ ہو گیا]
فِي نُورِهِ نُورٌ روشنی۔ کسی روشن چیز کی یا عقل کی، یا ایمان کی، یا علم کی فِي
نُورِهِ۔ اس کے نور میں۔ (وہ) اپنی روشنی میں۔

ضِيَاءُهُ: دراصل ضِيَاءُ لفظ تھا۔ حرف علت (و) وادے سے پہلے حرف کے نیچے کرہ [زیر] ہے۔ یہ وادے کے مناسب نہیں اس لئے اس ”واد“ کو ”ی“ سے بدل دیا گیا ہے اور اس طرح لفظ ضِيَاءُ بنتا ہے۔ ضَاءَ يَضُوءُ کا مصدر ضِيَاءُ ہے اور اس کے معنی ہیں چمکنا۔ یہ ضَوءُ کی بجمع بھی ہے اور معنی ہیں روشنیاں۔ اور مُضِيَّةً [اسم فاعل] کے معنی میں اس کے معنی ہیں ”روشن کرنے والا“۔ نُور اور ضِيَاءُ میں یہ فرق ہے کہ نور وہ روشنی ہے جو بالغرض ہو یعنی دوسرے سے حاصل کی گئی ہو۔ جیسے چاند کی روشنی جو سورج سے حاصل ہوتی ہے۔ اس کا وجود سورج کے وجود پر مخصر ہے۔

اس کے عکس ضیاء وہ روشنی ہے جو بالذات ہو۔ جس کا وجود کسی اور پر مخصر نہ ہو۔ جیسے سورج کی روشنی۔ [تاج۔ لین] چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:- **هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا** [یون (۱۰): ۵] یعنی وہی [اللہ] ہے جس نے سورج کو چمکتا ہوا اور چاند کو روشن بنایا.....“

وَضِيَاءٌ: یعنی و [فی] **ضِيَاءٌ**۔ اور اپنی روشنی میں“

کا **النَّبِيُّونَ**: **نَبِيٌّ** کے معنی ہیں **مُنْبِرٌ**۔ روشن کرنے والا اس کا مشینیہ ہے **نَبِيَّاَن**۔ دور و شن کرنے والی چیزیں۔ **النَّبِيَّاَن**۔ دور و شن دینے والی چیزیں۔ یعنی آفتاب اور مہتاب ک۔ (حرف جار) مانند۔ کی طرح۔ **كَالنَّبِيُّينَ**۔ آفتاب اور مہتاب کی مانند۔ سورج اور چاند کی طرح۔

الْمَلَوَانٌ: **مَلَأَ** [واحد] سے **الْمَلَوَانٌ** ہے اور اس کے معنی ہیں: **اللَّيلُ وَالنَّهَارُ وَطَرُفَاهُما**۔ رات دن اور ان کے دو اطراف [اقرب ۱۲۳۲/۲]

ترجمہ:۔ اے [نبی کامل!] جو اپنے نور اور اپنی ضیاء میں دور و شن احجام [یعنی چاند اور سورج] کی طرح [کامل] ہو گیا اور (جس نے) رات اور دن دونوں منور کئے۔

تشریح:۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:- **وَالشَّمْسِ وَضُحْهَا وَالْقَمَرِ إِذَا تَلَهَا** [اشتمس (۹۱): ۲-۱] یعنی قسم اس نفس کامل کی جو آسمان رسالت پر سورج بن کر چمکتا ہے اور قسم اس کی عالم تاب روشنی کی۔“ اس کی روشنی سے برو بھر فیضاب ہوئے۔ اور قسم اس ذات قدسی صفات کی جو آسمان ہدایت پر چاند کی طرح چکا۔ جس نے [سرچشمہ نور ہدایت یعنی] اللہ تعالیٰ کی ذات سے نور ہدایت حاصل کیا اور دنیا پر چھائی ہوئی ظلموں میں روشنی دی۔

مشہور النصاری صحابی حضرت عبد اللہ رواحہ نقیۃ قصیدے میں فرماتے ہیں۔

رُوحِي الْفَدَاءُ لِمَنْ أَخْلَاقَهُ شَهَدَتْ

بِإِنَّهُ خَيْرٌ مَوْلُودٍ مِنَ الْبَشَرِ

میری روح اس [نبی کامل] پر فدا ہے جس کے اخلاق شہادت دیتے ہیں کہ وہ

انسانوں میں سب سے اچھا مولود ہے۔

عَمِّتْ فَضَائِلَهُ كُلُّ الْعِبَادِ كَمَا

عَمِّ الْبَرِيَّةَ ضَوْءُ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ

آپ کے احسانات سب بندگان خدا کے لئے عام ہیں جس طرح شمس و قمر کی
روشنی سب کے لئے عام ہے۔

حضرت مرزا صاحب اسی خیال کو اس طرح بیان فرماتے ہیں :-

برہمہ ہست جود و احسانش

صد ہزاراں درود بر جانش

در سخا و خلوص لا ثانی

محو اندر رضاۓ سجانی

بود دریائے رحمت دادار

کس نہ دیدش بجود و فیض کنار (۲۵)

آل رسولے مجتبی بود آفتاب

شرق و مغرب شد زنورش فیضیاب (۲۶)

(۲۵) ذِرْكَلْكُون بِحَوَالِ الشَّانِ رسُولُ عَرَبٍ ۳۸۲-۳۸۳

(۲۶) ایشان ۳۸۸

شِعْر.....۸

يَا بَدْرَنَا يَا آيَةَ الرَّحْمَنِ
أَهْدَى الْهُدَاءِ وَأَشْجَعَ الشُّجَاعَانِ

آیَةٌ تَائِبٍ [تَفَعُّل] کے معنی ہیں السَّبُّ وَالْإِقْامَةُ عَلَى الشَّئْیِ یعنی کسی بات پر ثابت قدم رہنا۔ [راغب ص ۳۳]۔ اسی سے اسم آیَةٌ نکلا ہے اس کے کئی معنے ہیں مثلاً (۱) الْعَلَمَةُ وَالْأَمَارَةُ علامت۔ نشان۔ (۲) الْعِبَرَةُ نصیحت۔ (۳) الْمُعْجِزَةُ مججزہ [المُعْجَمُ ص ۳۵]

الرَّحْمَنُ: رَحْمَمَ يَرْحَمُ رَحْمَةً [سَمِعَ يَسْمَعُ] کے معنی ہیں: کسی پر رحم کرنا، مہربان ہونا۔ اس سے فَعْلَانَ [صیغہ مبالغہ] کے وزن پر رحم نکلا ہے۔ اور اس سے مراد وہ ذات ہے جس کا رحم بے انہتا ہے۔ جس نے انسان کی پیدائش سے پہلے اس کے لئے سارے ضروری سامان پیدا کئے۔ جس کی رحمت دوست، دشمن کے لئے وقف ہے۔ یہ نام اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی اور کے لئے جائز ہی نہیں۔ آیَةُ الرَّحْمَنِ رحم کا نشان، رحم کا مججزہ۔ یا آیَةَ الرَّحْمَنِ اے رحم کے نشان۔ رحم کے مججزہ۔

أَهْدَى الْهُدَاءِ: مصدر هَدَى آیَةٌ کے معنی ہیں۔ الرَّشَادُ وَالدَّلَالَةُ بِلُطْفِ إِلَى مَا يُؤْصِلُ إِلَى الْمَطْلُوبِ [تاج العروض] یعنی لطف کے ساتھ کسی کو لے جانا اور اس کی رہنمائی اس چیز کی طرف کرنا جو منزل مقصود تک پہنچا دے۔“ اس سے اسم فاعل الْهَادِی - [ہدایت کرنے والا] بتا ہے اس کی جمع هَادُونَ يَاهْدَاءَ [ہدایت دینے والے] بے الْهَادِی سے اسم تفضیل اَهْدَى [آہدی] یعنی سب سے بڑا بادی ابنتا ہے۔ أَهْدَى الْهُدَاءَ

[اے] سب ہادیوں سے بڑے ہادی۔

اَشْجَعُ الشُّجَاعَانِ: شَجَعٌ يَشْجُعُ شَجَاعَةً [بابَ كَرْمَ يَكْرُمُ]
کے معنی ہیں بہادر اور دلیر ہونا۔

شَجَعٌ يَشْجُعُ شَجَاعَةً [بابَ نَصَرَيْنُصُرُ] کے معنی میں بہادری و دلیری میں غالب ہونا، اس سے شُجاعَةٌ بنا ہے۔ یعنی بہادر دلیر جری۔ اس کی جمع ہے شِجَاعَانِ۔ اشْجَعُ اسِم تفضیل ہے۔ یعنی سب سے بڑا شجاع۔ سب سے زیادہ بہادر۔ (یا) **اَشْجَعُ الشُّجَاعَانِ**۔ اے سب بہادروں سے زیادہ بہادر۔

ترجمہ:- اے ہمارے ماہِ کامل! اے خدائے رحمٰن کے مجھے (یا نشان)!

اے سب ہادیوں سے بڑی ہادی اور اے سب بہادروں سے بہادر

تشریح:- جب رات کی تاریکی پھیلتی ہے تو آسمان پر چاند نکلتا ہے اور روشنی دیتا ہے۔ اسی طرح جب دنیا پر کفر و شرک اور بد اخلاقی کی تاریکیاں مسلط ہو گئیں تو خدا ے رحمٰن کی رحمت بے پایاں جوش میں آگئی اور پھر ہدایت پر حضرت نبی کریم ﷺ مہ کامل بن کر طلوع ہوئے۔

ظلمت کفر و شرک اور اس ظلمت میں بدلاؤں کی نسبت سے اس ہادی کامل کو بدرا یعنی ماہ کامن کہنا بہت مناسب و موزون ہے۔ چنانچہ آپ کا استقبال کرتے وقت مدینہ کی مسلمان عورتوں نے جو شعر گائے وہ ہیں:-

طَلَعَ الْبَذْرُ عَلَيْنَا

مِنْ ثَيَّاتِ الْوَدَاعِ

ہم پر ماہ کامل طلوع ہوا۔ ثیات وداع سے۔

یعنی پہاڑی کے اس طرف سے جہاں اہل مدینہ اپنے قافلوں کو رخصت کرتے تھے۔ اور نبی اسی جانب سے داخل مدینہ ہوئے تھے۔

وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا

مَا دَعَا لِلَّهِ دَاعِ

ہم پر (اس نعمت عظیمه) کا شکر کرنا [اس وقت تک] واجب ہے جب تک دنیا میں کوئی دعا کرنے والا اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے یعنی قیامت تک اس نعمت کا شکر کرنا واجب ہے۔

أَيُّهَا الْمَبْعُوثُ فِينَا

جِئْتَ بِالْأَمْرِ الْمُطَاعِ

اے ہمارے درمیان بھیجے گئے [رسول برحق]۔ آپ وہ حکم لے کر آئے ہیں جس کی اطاعت ضروری ہے۔

محبت کی وجہ سے ہی حضرت مرزا صاحب یابدرا نا [اے ہمارے ماہ کامل] کہتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الرَّحْمَنِ:- اے خداۓ رحمٰن کے نشان! اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت رحمانیت سے ہی بخوبی میں پھیلے ہوئے فساد کو مٹایا ظلمت کفرو شرک میں بھٹکتی ہوئی انسانیت کو راہ دکھائی۔ جب اس نے حضرت نبی کریمؐ کو مبعوث کیا اور آپؐ کو قرآن مجید جیسی روشن کتاب دی۔ چنانچہ ارشاد باری ہے:-

الرَّحْمَنُ ۝ عَلَمُ الْقُرْآنَ [۱: ۵۵]

رحمٰن نے۔ قرآن سکھایا۔ یعنی اس کی صفت رحمانیت کا تقاضا ہوا کہ اس نے سب سے بڑا انعام یعنی قرآن مجید سکھایا۔ امیوں میں سے ایک اُمی کو چن لیا۔ اسی کو قرآن سکھایا اور اسی کو دنیا کا معلم بنایا۔ ایسا معلم جو آپؐ اپنی نظیر ہے۔ اس طرح یہ معلم لاثانی رحمانیت کا نشان اور خداۓ رحمٰن کا مجزہ ہے۔

حضرت مرزا صاحب اسی نبی اُمی فداہ ابی و ای مصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعمت میں

فرماتے ہیں۔

اُمی و در علم و حکمت بے نظر
زیں چہ باشد مجھے روشن ترے
برلبش جاری ز حکمت چشمہ
در دش پر از معارف کوثرے
آیت رحمٰن برائے ہر بصیر

جُجت حق بہر ہر دیدہ ورے (۲۷)

اَهْدَى الْهُدَاءَ:- ہر ایک نبی ہادی تھا۔ لیکن حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبیوں، رسولوں کے خاتم و خاتم اور سب سے افضل ہادی ہیں۔ چنانچہ مرزا صاحب فرماتے ہیں۔

انبیاء روشن گھر ہستند و لیک
ہست احمد زال ہمہ روشن ترے
روشنی از وے بہر قوئے رسید
نور او رشید بر ہر کشورے
آل چاغش داد حق کش تا ابد

نے خطر نے غم زباد صرے (۲۸)

ایک اور نعمت میں فرماتے ہیں:-

محمد مہین نقش نور خدا است
کہ ہر گز پخوئے بکتنی نخاست

(۲۷) برائین احمدیہ۔ حصہ اول۔

(۲۸) دالیضا

أشَجَعُ الشُّجَاعَانِ: اللہ تعالیٰ کا مامور بندہ پہلوان نہیں ہوتا ہے۔ لیکن بہادر ضرور ہوتا ہے۔ وہ ڈر پوک اور بزدل نہیں ہوتا ہے۔ انس بن مالک انصاری ایک متفق علیہ روایت میں کہتا ہے کہ :**كَانَ رَسُولُ اللَّهِ أَحْسَنَ النَّاسِ وَأَجْوَادَ النَّاسِ وَأَشَجَعَ النَّاسِ**۔ یعنی جناب رسول اللہ سب سے زیادہ حسین سب سے زیادہ سختاً و شعار اور سب سے زیادہ بہادر تھے۔ ”پھر ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہیں۔ کہ ایک دفعہ رات کے وقت اہل مدینہ ایک خوفناک آوازن کر بہت ڈر گئے۔ حضرت رسول کریم ابو طلحہ کے گھوڑے پر سوار ہو کر سب سے پہلے اس آواز کی جانب تحقیقات کیلئے دوڑے۔ آپ ﷺ نے لوگوں سے فرمایا：“ڈر و مت” اور گھوڑے کے متعلق فرمایا۔ وَجَدْتُهُ بَحْرًا۔ ”میں نے اسکو دریا [کی ماں ند] پایا۔“^(۲۹) غزوہ حنین کا واقعہ:- جنگ حنین [شوال ۸ھ / جنوری ۶۳۰ء] میں جب دشمن کی زبردست تیر اندازی سے مسلمان فوج میں گڑ بڑی مجگھی اور بے ترتیبی سے پیچھے ہٹنا شروع ہوئی..... اور نبی کریمؐ کیلئے اس خطرناک بڑھتے ہوئے دشمن کے سامنے رہ گئے۔ صرف حضرت عباس اور چندر رفتائے خاص آپؐ کے ساتھ تھے۔ آپؐ نے دیکھا کہ فوج ساری بھاگی جا رہی ہے مگر آپؐ کے عزم واستقلال میں ایک ذرا بھر بھی فرق نہ آیا۔ اگر آپؐ کیلئے ہیں تو کیا۔ اور دشمن فاتح ہو کر تیزی سے آگے بڑھ رہا ہے تو کیا۔ سب طاقتوں سے بڑی طاقت آپؐ کے ساتھ ہے اس تہائی میں خدائی نصرت کے یقین کا چشمہ پھر متلاطم ہوا اور دشمن کے مقابلہ میں تہبا کھڑے ہو کر آپؐ نے بارہا آواز سے پکارا

أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ أَنَا الَّبِيُّ لَا كَذَبُ

(۲۹) بخاری پ ۱۱۵۶ [باب ۸۲] باب فضل الباری۔ ح (۱) ۲۵۷ ح ۱۳۲۲ مسلم جلد ۵ الحجہ [۳۳] باب (۱)

میں نبی ہوں۔ جھوٹ نہیں۔ میں عبدالطلب کا بیٹا ہوں (۲۰)

انصاری صحابی حضرت براء بن عازب ح تفقیح علیہ حدیث میں کہتے ہیں: وَاللَّهِ
مَا وَلَى رَسُولُ اللَّهِ - اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ نے پیغمبر نبی موسیٰ (۲۱)

انصاری صحابی حضرت براء بن عازب غ فرماتے ہیں:
كُنَّا وَاللَّهِ إِذَا أَخْمَرَ الْبَاسُ نُتَقِّيُّ بِهِ وَإِنَّ الشُّجَاعَ مِنَ الَّذِي يُحَادِي بِهِ. (۲۲)

یعنی اللہ کی قسم جب لڑائی بہت تیز اور خون خوار بن جاتی ہم رسول کریمؐ کے زیر
سایہ آکر اپنے آپ کو بچالیتے، اور ہم میں سے وہی شخص بہادر سمجھا جاتا تھا جو حضورؐ کے
برابر کھڑا ہوتا تھا،

حضرت مرا صاحب آپؐ کی تعریف میں فرماتے ہیں:-

پہلوان حضرت رب جلیل برمیاں بستہ زشکت نجمرے
تیر او تیزی بہر میدان نمود شق او ہر جانمودہ جو ہرے
نے بعلمکش کس رسید نے بزور
در شکستہ کبر ہر متکبرے

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شجاعت کا دوسرا پہلوز یادہ تابناک
اور بے مثال ہے۔ اور وہ ہے آپ کاغفو۔ جو شخص آپ پر ظلم و ستم کرتا تھا۔ آپ کو طرح
طرح سے ستاتا تھا۔ آپ اس کو معافی دیتے تھے۔ اس کو بخشنے تھے۔ اس کے جرم و خطأ
کو معاف کرتے تھے۔ جنگ احمد [شوال ۳۵ / جنوری ۶۲۵ء] میں

(۲۰) سیرت خیر البشر۔ مولا ناصر علی لاہوری۔ باب [۲۳] جنگ خین [۲۳] ص ۱۳۲

(۲۱) بخاری پ ۱۱ ک الجہاد [۵۶] باب ۹ فضل ۲۶۱ ح ۱۳۵۵ مسلم جلد ۵ ک الجہاد [۳۳] باب

[۲۲] ح ۵۵/۵ رب اغفرالقومی فانهم

(۲۲) مسلم جلد ۵ ک الجہاد [۳۳] باب غزوۃ حین [۲۲] ح ۲۲

دشمن نے آپ کی ذات مقدس کو اپنے تیروں کا ہدف بنایا۔ آپ زخمی ہوئے۔ لیکن اپنے روئے مبارک سے خون پوچھتے ہوئے بھی زبان سے فرماتے تھے:-
رَبِّ اغْفِرْ لِقَوْمٍ فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ:- ”میرے پانہار! میری قوم کو بخش دے کیونکہ یہ جانتے نہیں۔“ (۳۲)

ابولہب کا سالا یعنی ابوسفیان بن حرب اور اس کی بیوی ہند بنت عتبہ کا رول نہایت فتح اور نگ انسانیت رہا۔ ہند اپنے ساتھ عورتوں کی ٹیم میدان جنگ میں لائی تھی۔ اس ٹیم کے ساتھ کافروں کی ہمت برخانے کے لئے شہوانی اشعار گاتی تھی۔ اور بعد میں اس نے مسلمان شہیدوں کی لاشوں کا مثلہ کیا۔ یعنی ناک کان کاٹ کر ان کے ہار اور پازیب بنائے۔ حدیہ ہے کہ ہند نے اپنے ہار۔ بندے اور آویزے اتار کر حضرت حمزہ کے قاتل وحشی کو بطور انعام دیئے اور خود شہیدوں کے ناک کان کے ہار پہن لئے۔ اس سفاک عورت نے رسول کریمؐ کی دل آزاری کے لئے حضرت حمزہ کا جگر چیر پھاڑ کر چبانا اور لگنا چاہا۔ لیکن نگل نہ سکی اس لئے تھوک دیا۔

یہ اپنے سعر میں کہتی ہے کہ ن کا شکر مجھے عمر بھرا جب ہے۔ کیونکہ اس نے میرا کیجیہ ٹھنڈا کیا۔ جب [رسول اکرمؐ کے محترم چچا حضرت] حمزہ کو شہید کیا۔ (۳۲)
 اس جگر خوار سفاک عورت کو بخشنار رسول رحمتؐ کی ہی شان کریمی ہے۔ **اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَسَلِّمْ.**

فتح مکہ [رمضان ۸ھ/جنوری ۶۳۰ء] کے دن حضورؐ نے خانہ کعبہ کے دروازے پر کھڑا ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا۔ یہ خطبہ اہل ایمان کے علاوہ وہ روسائے مکہ بھی سن

(۳۲) مسلم جلد ۵ کanjehad [۳۳] باب غزوہ احمد [۳۱] ح ۵

(۳۳) ابن رشام [عربی] جلد ص ۶۸۳

رہے تھے جنہوں نے آپ کو، آپ کے عزیزوں اور آپ کے جان شاروں کو بہت تکلیف پہنچائی تھی۔ طرح طرح سے ستایا تھا۔ خطبہ ختم کر کے رسول رحمت نے ان سفاک ظالموں اور مجرموں سے فرمایا یا مَعْشَرُ قُرِيْشٍ إِمَّا تَرَوْنَ أَنِّي فَاعِلٌ فِيْكُمْ۔ اے قریش! لوگو! تمہارا کیا گمان ہے؟ کہ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں۔ قَالُواْ خَيْرًا。 أَخْ كَرِيمٌ وَأَبْنُ أَخٍ كَرِيمٌ۔ ان خون آشام مجرموں نے بیک زبان عرض کیا: بہت ہی اچھا گمان ہے۔ آپ صاحب کرم بھائی ہیں اور صاحب کرم بھائی کے فرزند ہیں۔“

حضرت رسول رحمت کی شان کریمی دیکھئے۔ آپ نے فرمایا۔ جاؤ آج تم پر کوئی ملامت نہیں۔ تم آزاد ہو۔^(۲۵)

ابو جہل ابوسفیان اور ابو لہب کی طرح اسلام کا بڑا مخالف، دشمن اور ستم ایجاد رکیس تھا یہ جنگ بدر [رمضان ۲۰ / جنوری ۶۲۲ء] میں قتل ہوا۔ لیکن اپنے پیچھے اپنا بیٹا عُثْرُمَه چھوڑ گیا تھا عکرمہ نے اسلام پیغما بر اسلام پیروان اسلام کیسا تھا بعض وعدالت و راثت پائی تھی۔ شرارت اس کی گھٹی میں پڑی تھی۔ فتح مکہ کے موقعہ پڑھی وہ اسلام دشمنی اور شرارت سے باز نہیں آیا۔ اس نے سامان حرب اور جنگہ تیار کر کے لڑائی چھیڑنے کا ہی ارادہ کیا۔ لیکن جب حالات بدلتے دیکھتے تو جان کے لالے پڑ گئے اور خوف سے یہن کی طرف بھاگ نکلا۔ لیکن اسکی بیوی ام حکیم بنت حارث نے رسول رحمت سے اسکے لئے امن و غنوکی درخواست کی۔ جو قبول ہوئی۔ ام حکیم نے اے تلاش کر کے حضورؐ کی خدمت سراپا رحمت میں پیش کیا۔^(۲۶)
حضورؐ نے اس کو بھی بخش دیا۔

(۲۵) سیرت حلیہ [عربی] جلد ۳ ص ۹۸

(۲۶) ابن حشام [عربی] جلد

عکرمہ کا ساتھی مجرم صفوان بن امیہ تھا۔ یہ سمندر میں ڈوب کر خودکشی کے ارادے سے بھاگ گیا۔ عسیر بن وصب نے اس کے لئے رسول رحمتؐ سے امان حاصل کی اور درخواست کی: یا رسول اللہ! مجھے اپنا کوئی نشان دیجئے تاکہ صفوان کو وہ دیکھ کر اماں کا یقین آجائے۔ فَاغْطِهُ رَسُولُ اللَّهِ عَمَامَةُ الَّتِي دَخَلَ فِيهَا مَكَّةً۔ تو رسول اللہؐ نے اسے اپنا وہی عمامہ مبارک عطا کیا جو پہنے ہوئے آپ داخلِ مکہ ہوئے تھے۔“

صفوان نے یہ نشان دیکھا۔ لیکن کہنے لگا کہ مجھے خوف ہے۔ وہ مجھے میرے جرائم کی پاداش میں قتل کریں گے۔ لیکن عسیر نے کہا:-

”أَفَضْلُ النَّاسِ وَأَبْرُّ النَّاسِ وَخَيْرُ النَّاسِ، یعنی جناب رسول اللہؐ لوگوں میں افضل ہیں۔ سب سے زیادہ نیک ہیں سب سے اچھے ہیں“ صفوان نے کہا:- انیٰ أَخَافَةُ عَلَى نَفْسِي، مجھے ڈر ہے کہ وہ میری جان لیں گے۔“ عسیر نے جواب میں کہا: هُوَ أَحْلَمُ مِنْ ذَاكَ أَكْرَمُ۔ یعنی رسول اللہ کی شان حلیہ و شان کریمی اس سے بلند ہے۔“ (۲۷)

جنگ حنین [شووال ۸ھ / جنوری ۶۳۰ء] میں آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو بڑی تکلیف پہنچی۔ فتح کے بعد اسی دشمن قوم کی ایک عورت آپ کے پاس آئی۔ یہ آپ کی رضاۓ بہن شیماء تھی۔ اس کی ماں حلیمه سعدیہ کا آپؐ نے دودھ پیا تھا۔ حضورؐ نے اس کی ساتھ نہایت عمدہ سلوک کیا۔ اس سلوک کی خبر ان قیدیوں کو ہوئی جو شیماء کی قوم سے تھے اور مسلمانوں کے ہاتھوں قید ہوئے تھے۔ ان کی طرف سے ایک وفد رسول رحمتؐ کے دربار میں آیا۔ اور ایک قصیدے کی صورت میں اپنے مصالب کا ذکر کیا۔ رسول رحمتؐ نے آن کی آن میں چھ ہزار قیدی آزاد کئے اور جو مال ان سے لیا تھا وہ بھی واپس کر دیا۔

غرض حضرت نبی کریمؐ کی رحمت، وشفقت، عفو و کرم کے نظارے تاریخ عالم میں آپ اپنی نظیر ہیں۔

انجیل مقدس میں حکم دیا گیا ہے:-

”تم سن چکے ہو کہ کہا گیا تھا کہ آنکھ کے بد لے آنکھ اور دانت کے بد لے دانت۔ لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ شریر کا مقابلہ نہ کرنا۔ بلکہ جو کوئی تیرے داہنے گال پر طما نچھ مارے دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے۔

اور اگر کوئی تجھ پر ناش کر کے تیرا کرتا لینا چاہے تو چونگ بھی اسے لے لینے دے۔ اور جو کوئی تجھے ایک کوس بیگار میں لے جائے اس کے ساتھ دو کوس چلا جا۔“

[متی (۵): ۳۸-۳۹]

بیشک بہت اچھی تعلیم ہے۔ لیکن جس واعظ نے یہ تعلیم دی کیا اس نے اس پر کبھی خود عمل کر کے دکھایا؟ کیا اس تعلیم کو تعلیم دینے والے کے عملی نمونہ کی تائید حاصل ہے۔

شِعر..... ۹

**إِنِّي أَرَى فِي وَجْهِكَ الْمُتَهَلِّلِ
شَانًا يَفْوُقُ شَمَائِلَ الْإِنْسَانِ**

المُتَهَلِّل : باب تَفعُّل میں مصدر تَهَلَّل ہے۔ تَهَلَّل الوجهة: تَلَّا لَا چہرہ چمک اٹھا تَهَلَّل فُلان: تَلَّا لَا وَجْهُهُ مِنْ سُرُورٍ۔ خوشی سے اس کا چہرہ چمکنے دیکھنے لگا۔ وہ چمکتے دیکھتے چہرے والا ہوا۔ اسی سے اسم فاعل بنتا ہے مُتَهَلِّل۔ دیکھتے چہرے والا۔ روشن چہرہ والا۔ [اقرب] یہاں یہ وجہ کی صفت ہے۔ پس فی **وَجْهِكَ الْمُتَهَلِّلِ** آپ کے درختان چہرے میں۔“

شَانُ: الشَّانُ: الْحَطْبُ۔ یعنی حال۔ ائمَّيْ ما عَظِيمَ مِنَ الْأَحْوَالِ وَالْأَمْوَارِ۔ یعنی بڑے احوال اور امور [اقرب جلد اص ۵۲۵] یہاں مفعول ہے اس لئے صمیحی حالت [شَانًا] میں ہے۔ اور تنوین قُبْیم کیلئے ہے۔ یعنی عظمت ظاہر کرنے کے لئے۔ پس معنے ہوئے: بڑی شان

يَفْوُقُ: فَاقِ يَفْوُقُ فَوْقًا کے معنی ہیں علا یعنی بلند ہونا۔ فوقیت پانا۔ فاقِ اصحابہ: عَلَاهُمْ بِالشَّرْفِ وَفَضَالِهِمْ وَرَجَحَ عَلَيْهِمْ۔ [اقرب (۱) ۹۵۱] وہ اپنے ساتھیوں سے مجد و شرف میں بڑھ گیا، فضائل میں غالب ہوا اور حلیمی و بردباری میں سبقت لے گیا۔

يَفْوُقُ [مفارة واحد مذکر غائب]: افضل اور بلند مرتبہ ہے
شَمَائِلُ: شِمال کے معنی ہیں طبیعت۔ عادت۔ سیرت [اقرب و مصباح منجدہ ۵۳۳] شَمِيلَة: طبیعت [منجد] شِمال اور شِمِيلَة دونوں واحد ہیں

اور ان سے جمع شماں آتی ہے

ترجمہ:- [اے حبیب اکرم!] میں آپ کے درختان روے مبارک میں وہ
(بے مثال) عظمت و شوکت دیکھتا ہوں جو انسان کی سیرت سے افضل و اعلیٰ ہے۔

تشریح:- بزرگان دین، اولیاء کاملین کے چہروں پر وہ انوار ہوتے ہیں جو
ان کی بزرگی کی ایک علامت ہوتی ہے۔ حضرت رسول کریم ﷺ کی بزرگی کے متعلق
اتنا کہنا کافی ہے

ختم رسول بادشہ انبیاء

خاک درش تاج سر اولیا

یا۔ بعد از خدا بزرگ توئی قسم مختصر

اس لئے آپ کی نورانیت سب سے بڑھ کر تھی۔ چنانچہ صحابیہ زیج بنت معوذؓ
سے ایک تابی نے عرض کیا:

صَفِيُّ لَنَارَ سُولَ اللَّهِ[مُحَمَّدٌ] همیں جناب رسول کریمؐ کی کوئی صفت بتا
دیجئے۔ تو مُحَمَّدؐ صحابیہ نے فرمایا:-

يَا بْنَى لَوْرَأَيْتَهُ رَأَيْتَ الشَّمْسَ طَالِعَةً

عزیز ہیئے! اگر تم پیارے نبی [کے روے مبارک] کو دیکھتے، تو دیکھتے گویا
آفتاب طلوع ہو رہا ہے۔ (۲۸)

حضرت ابو ہریرہ مشہور صحابی ہیں۔ آپ نے غزوہ خیبر [محرم ۷ھ / مئی ۶۲۸ء]
کے وقت اسلام قبول کیا۔ اس وقت جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر
شریف ستاون سال تھی۔ (۲۹) گویا جوانی کی عمر نہیں تھی۔ لیکن ابو ہریرہ آپ کے حسن
و جمال اور نورانیت کے متعلق شہادت دیتے ہیں:-

(۲۸) مکملہ جلد ۲ ک الفن (۲۶) باب اماء الہی [۱۹] فصل (۲) ح ۸/ بحوالہ السنن داری

(۲۹) تاریخ ولادت: ۲۰۔ اپریل ۱۴۷۵ھ

مَا رَأَيْتُ شَيْئًا أَخْسَنَ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ كَانَ الشَّمْسَ تَجْرِي
فِي وَجْهِهِ.

میں نے رسول اللہ سے زیادہ خوبصورت کسی کو نہیں دیکھا گویا آپ کے روئے
مبارک میں آفتاب جاری ہے۔ یعنی آپ کی نورانیت بدرجہ کمال ہے۔^(۲۰)
حضرت نبی کریمؐ کی آخری علاالت کے دوران صحابہ کرام ایک بار حضرت ابو بکرؓ
کے پیچھے نماز ادا کر رہے تھے۔ اسی اثناء میں حضرت نبی کریمؐ نے مجرہ شریف کا پرودہ
اٹھایا اور نمازیوں پر نظر رحمت ڈالی۔ نمازیوں میں انس بن مالک بھی شامل تھا۔ اس کا
بیان ہے:

وَهُوَ قَائِمٌ كَانَ وَجْهَهُ وَرَقَةٌ مُضْحِفٌ اور آپ کھڑے تھے۔ گویا آپ
کاروئے مبارک قرآن پاک کا ایک ورق تھا۔

آگے کہتا ہے کہ ہم نے خوشی کی وجہ سے نماز کو توڑنا چاہا۔ اور ابو بکر بھی امامت
سے پیچھے ہے۔ لیکن حضورؐ نے نماز جاری رکھنے کا اشارہ کیا۔ اور یہ آپ کی حیات
دنیوی کا آخری دن تھا۔^(۲۱)

قرآن مجید کے ورق کے ساتھ جو تشبیہ دی گئی ہے اسکے متعلق شارح بخاری
علامہ قسطلانی لکھتے ہیں:-

وَوَجْهُ الشَّشِيهِ رِقَةُ الْجِلْدِ وَصَفَاءُ الْبَشَرَةِ وَالْجَمَالُ الْبَارِغُ^(۲۲)
اور تشبیہ کی وجہ جلد کی باریکی، روئے مبارک کی رونق اور کمال درجہ کا حسن و جمال
ہے۔

یہ نورانیت روحا نیت کا شمرہ ہے اور اہل نظر کو ہی نظر آتی ہے۔

(۲۰) مکملہ ک [۲۶] باب [۱۹] فصل [۲] ح [۲۰]

(۲۱) بخاری۔ پ ۲ ک المصلوۃ [۱۰] باب ۳۶ ح ۳۶ فصل الباری / ۱۷۴۱ ح ۲۳۶

(۲۲) ارشاد اساری [عربی شرح بخاری] جلد ۲ ص ۲۲۲

حضرت فرید الدین عطار [۵۱۳-۲۲۷ھ] نے صحیح فرمایا ہے:

شد چشم خدا بیان از نور رخش روشن

آئینہ وحدت بین زال روے محمد را

عبداللہ بن سلام مدینہ منورہ کا ایک بڑا یہودی عالم تھا جب حضور پر نور مگہ سے
ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تو یہ یہودی عالم بھی لوگوں کے ساتھ زیارت کے لئے
آیا کہتا ہے:-

فَلَمَّا اسْتَبَنَتْ وَجْهَةُ رَسُولِ اللَّهِ عَرَفَتْ أَنَّ وَجْهَهُ لَيْسَ بِوَجْهِ
كَذَابٍ۔ ”پھر جب میں رسول اللہ کے روئے مبارک کے دیدار سے فیضیاب ہوا،
میں نے پہچان لیا کہ آپ کاروئے مبارک جھوٹا دعویٰ کرنیوالے کا چہرہ نہیں۔“ (۲۲)

ایک اور صحابی کا بیان ہے کہ حج کے موقعہ پر میں نے دیکھا کہ لوگ شمع رسالت
کے گرد (پروانوں کی طرح) طواف کر رہے ہیں۔

[وَقَدْ أَطَافَ بِهِ النَّاسُ] اس کے بعد عرب لوگ آتے تھے۔ فَإِذَا رَأَوْا
وَجْهَهُ قَالُوا هَذَا وَجْهَةُ مُبَارَكٌ۔ پھر جب انہوں نے آپ کاروئے مقدس دیکھا
تو کہنے لگے ہذا وَجْهَةُ مُبَارَكٌ یہ برکت والا چہرہ ہے۔ (۲۳)

رسول کریمؐ کے روئے مبارک کو کسی نے ”رشک بتان آذری“ اور کسی نے
”شعاع نہیں“ اور آئینہ دلہا“ کہا۔ لیکن حضرت مرزا صاحب نے اپنے مشاہدہ
و مکاشفہ کی بنا پر فرمایا:

وَجْهُ الْمُهَمَّينِ ظَاهِرٌ فِي وَجْهِهِ
وَشُفُونُهُ لَمَعَتْ بِهِذَا الشَّانِ

(۲۳) ترمذی جلد ۲ ابواب صفة القيامة [۱۹] ح (۱۳)

(۲۴) سنن البیانی داود جلد ۱ المذاکر [۱۱] باب فی الموقت (۸) ح (۲) ۶۲۷

یعنی خدائے محبیں کا چہرہ آپ کے روئے اقدس میں ظاہر ہے اور آپ کے حالات اسی شان و شوکت سے چمکتے ہیں اور فرماتے ہیں:

مصطفیٰ آئینہ روئے خدا است
 منعکس دروئے ہماں خوئے خدا است
 ہست آئینہ دارِ آن زیبا
 منعکس اندر او صفات خدا

شعر..... ۱۰

وَقِدِ اقْتَفَاكَ أُولُو النُّهَىٰ وَبِصِدْقِهِمْ
وَ دَعُوا تَذَكْرَ مَعْهَدِ الْأُوْطَانِ

قدِ اقتَفَاكَ: قَفَّا يَقْفُوا فَقُفُوا [نَصَرَ يَنْصُرُ]: کسی چیز کے پیچے لگنا۔
اس سے باب افتیاع میں مصدر اقتیفی بتا ہے اس کے معنی ہیں: کسی کی پیروی کرنا۔
کسی کو جن لینا۔ [اقرب۔ محض۔ مجد۔]
اقْفَى: اس نے چن لیا۔ متبع بنایا۔ قدِ اقتَفَاكَ تجھے پیروی کے لئے چن
لیا ہے۔ تجھے اپنا متبع بنایا ہے۔

أُولُو النُّهَىٰ: نَهَىٰ [نَصَرَ يَنْصُرُ] ڈالنا رونا۔ منع کرنا، اس
سے نہیہ [اسم] نکلا ہے۔ یعنی روکنے والی چیز] اور عقل کو کہتے ہیں۔ **الْعُقْلُ سُمَيَّ**
بِهِ لَا نَهَىٰ يَنْهَىٰ عَنِ الْقَبِيحِ وَعَنْ كُلِّ مَا يَنَافِيهِ۔ عقل کا نام نہیہ اس لئے
رکھا گیا ہے کہ وہ ہر بری اور خلاف عقل چیز سے روکتی ہے۔

نُهْيَةٌ سے جمع نہی ہے
أُولُو: والے اس سے واحد نہیں آتا ہے گو بعض اس کا واحد ذمہ بتاتے ہیں
أُولُو النُّهَىٰ. عقول والے عقل مندوگ۔

وَقِدِ اقتَفَاكَ أُولُو النُّهَىٰ: اور جن لیا ہے تجھے پیروی کے لئے عقل مندوں نے،“
بِصِدْقِهِمْ: الصِّدْقُ مُطَابَقَةُ الْقَوْلِ الضَّمِيرُ وَالْمُخْبَرُ عَنْهُ۔
صدق یہ ہے کہ قول ضمیر کے مطابق ہو اور جس بات کی خبر دی ہے وہ بھی حق ہو۔
[راغب ۷۲] اور یہ افعال حوارج پر کبھی استعمال ہوتا ہے۔ [بيان القرآن مولا ناصر علی]

بِصِدْقِهِمْ۔ اُنکے صدق سے۔ یعنی انہوں نے اپنے صدق کے سبب یا جو
—

وَدَعُوا : وَدَعَ يَدْعَ وَدَعَا [فَعَلَ يَفْعُلُ] : چھوڑنا، ترک کرنا۔ [اس
 فعل کا مصدر اور ماضی بہت کم استعمال ہوتا ہے] اسی سے فعل ماضی جمع مذکر غائب کا
 سینہ وَدَعُوا [انہوں نے چھوڑ دیا] بنتا ہے۔

تَذَكُّر : [تَفْعُلُ] - یاد کرنا۔ معہدہ: الْمَنْزِلُ الْمَعْهُودُ بِهِ الشَّيْءُ . وہ
 جگہ جہاں کوئی معہود چیز [یعنی مشہور و معروف یادگار] ہو۔ الَّذِي لَا يَزَالُ الْقَوْمُ
 إِذَا اِنْتَوْا عَنْهُ رَجَعُوا إِلَيْهِ [اقرب جلد ۲ ص ۸۳۳] وہ جگہ جہاں لوگ دور جا کر
 پھر لوٹ آتے ہیں۔ مراد ہے مشہور مقامات۔ تفریق گاہیں۔ زیارت گاہیں۔ وغیرہ
ترجمہ: - [اے رسول اکرم] عقل مندوں نے آپ کو ایسا کہ چن لیا۔ اور
 اپنے صدق [خلوص ووفا] سے اپنے پیارے وطنوں کے ان مقامات کی یاد تک چھوڑ
 دی جہاں عموماً لوگ لوٹ کر آتے ہیں۔“

تشریح: ناظم قصیدہ [حضرت مرتضیٰ صاحب] اب صحابہ کرام کے فضائل کا ذکر
 شروع کرتے ہیں۔ یہ ذکر اس قصیدے کے انیسویں شعر تک جاری ہے۔
 س سے پہلے آپ نے عاشقان رسول کے بے خانمان ہونے کا ذکر کیا۔ ان
 سعادت مندوں کے عقل صحیح کا مظاہرہ کیا۔ دین کو دنیا پر ترجیح دی دنیاوی مفاد پر
 لات مار کر حضرت رسول کریمؐ کا ساتھ دیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ان کی
 منقبت کے سلسلے میں فرماتا ہے:-

(۱) جو اپنے گھروں سے نکالے گئے ہیں اور اپنے مال و دولت سے محروم کئے
 گئے ہیں۔ وہ صرف اللہ کا فضل اور اس کی رضا چاہتے ہیں اور اللہ اور اس کے
 رسول کی مدد کرتے ہیں..... [پ (۲۸) الحشر (۵۹)]

(۲) ”..... وہ جو اپنے گھروں سے ناحق نکالے گئے، صرف اس بات پر کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا رب اللہ ہے“ [پ(۷۱) الحج (۲۲): ۳۰]

(۳) ”..... پھر تیرارب ان لوگوں کے لئے جنہوں نے اس کے بعد کہ انہیں دکھ دیا گیا، ہجرت کی، پھر جہاد کیا اور صبر کیا“ [پ(۱۲) انحل (۱۶): ۱۱۰]

غرض، شمع رسالت کے ان پروانوں نے گوناگوں مصائب برداشت کئے، اپنے گھر بیار، مال دولت، عزیز واقارب چھوڑ دیئے لیکن اپنے محبوب سے الگ نہ ہوئے۔ فتحِ مکہ کے بعد اگر یہ لوگ چاہتے، اپنے گھروں میں واپس آتے لیکن نہیں آئے۔ کیوں؟ اس لئے کہ حضرت رسول رحمتؐ سے دور رہنا برداشت نہ تھا۔

زید بن حارثہ، سلمان فارسی، ابو ہریرہ یعنی وغير کئی مشائیں ہیں۔ جو آپ کے پاس آئے پھر کبھی واپس نہیں چلے گئے۔ اس سے ان کا صدق۔ خلوص اور وفا ثابت ہوتا ہے۔ اس سے ان صفا کیش بزرگوں کی عقل مندی کا بھی ثبوت ملتا ہے۔ دنیا اور دنیاوی زندگی بڑی پر کشش ہے۔ اس کی رنگینیاں، رعنائیاں اور رنگ رلیاں انسان کو دھوکہ دیتی ہیں۔ اسی لئے اس کو قرآن مجید ”دھوکے کا سامان“، قرار دیتا ہے:-

”دنیا کی زندگی زرا دھوکے کا سامان ہے۔“ [پ(۲)آل عمران (۳): ۱۸۵] اور اس سے دھوکہ کھا کر آدمی دنیا پرست، اور آخرت فراموش بنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

”اور ان لوگوں کو چھوڑ دے جنہوں نے اپنے دین کو کھیل اور بے حقیقت تماشا بنا رکھا ہے اور دنیا کی زندگی نے ان کو دھوکے میں ڈالا ہوا ہے.....“

[پ(۷)-الانعام (۶) ع (۸): ۷]

دنیاوی کا میابی۔ یاد دنیا پرستی کے لحاظ سے دنیا دار لوگ اپنے آپ کو بڑے ”عقل

مند، سمجھتے ہیں۔ لیکن درحقیقت یہ عقلمند نہیں ہیں۔ عقل مندی آخرت کی زندگی تباہ کرنے کا نام نہیں۔ حقیقی عقل مندوہی ہے جو اپنی اخروی زندگی کو سوارتا ہے۔ حضرت رسول کریمؐ فرماتے ہیں:-

الْكَيْسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ.

دانادہ آدمی ہے جو اپنے نفس کو رام کرے اور اس زندگی کے لئے کام کرے جو موت کے بعد شروع ہوتی ہے۔ وَالْعَاجِزُ مَنْ أَتَّبَعَ نَفْسَهُ هُوَ أَهٰءًا وَرَعْلُ عقل کا کچا وہ آدمی ہے جو اپنے نفس کی بری خواہشات کی پیروی کرتا ہے وَتَمَنَى عَلَى اللَّهِ أَوْ اللَّهُ تعالیٰ سے [غلط] آرزو میں رکھتا ہے۔ (۲۵)

یہ ”دانادی“ یہ ”کیاست“ دوستان خدا کو رسول کریمؐ کی تعلیم و ہدایت سے ہی نصیب ہوتی ہے۔

(۲۵) ترمذی جلد ۲ ابواب صفة الْيَمَامَة (۳۶) باب (۱۲) ح (۱۳) عن شداد بن اوس (۹۶/۲)

شعر..... ॥

**قَدْ اثْرُوكَ وَفَارَقُوا أَحْبَابَهُمْ
وَتَبَاعَدُوا مِنْ حَلْقَةِ الْأَخْوَانِ**

اثْرُوكَ: اثر [ماضی واحد نمذکر غائب] [مصدر رایثار] کے معنی ہیں: اختار اس نے چن لیا۔ (۲) اگرم۔ اس نے اکرام کیا۔ (۳) فضل۔ اس نے فضیلت دی (۴) اتبع۔ اس نے پیروی کی۔ اسی سے ماضی جمع نمذکر غائب کا صیغہ نہ تھا ہے اثر وا۔ انہوں نے جن لیا۔ [دوسروں کو چھوڑ کر]۔ کَ ضمیر (واحد نمذکر مخاطب)۔ تجھے تم کو اثر وک۔ ان لوگوں نے تم کو دوسروں پر فضیلت دی اور تم کو ہی ترجیح دے کر چن لیا۔

فَارَقُوا: فارق یفارق مفارقہ [باب مفاعلہ]: انفعل۔ الگ ہونا، کٹ جانا۔ و بائئں جدا ہونا۔

فَارَقُوا [ماضی - جمع نمذکر غائب] وہ کٹ گئے۔ جدا ہو گئے۔ الگ ہو گئے۔ **أَحْبَابَهُمْ**. حبیب: [فعیل وزن پر] کے معنی ہیں۔ (۱) معشوق، محبوب۔ (۲) عاشق، محبت، اس کی جمع ہے۔ (۱) أحَبَّةُ (۲) أَحْبَاءُ اور (۳) أَحْبَابُ۔ **أَحْبَابَهُمْ**. ان کے عزیز، ان کے پیارے۔ یہاں فعل فارق و کامفعول ہے اس لئے آخِبَابَهُمْ ہے۔ یعنی ان کے عزیزوں کو فارق و کامفعول ہے اس لئے آخِبَابَهُمْ ہے۔ الگ ہوئے۔ کٹ گئے۔

تَبَاعَدُوا. تباعد [تفاصل] وہ دور ہوا۔ اسی سے تباعدو [ماضی صیغہ جمع نمذکر غائب] ہے۔ وہ دور ہوئے۔

حَلْقَةٌ هُرْگُولْ چِيزْ - دَائِرَه - حَلْقَةُ الْقَوْمِ. دَائِرَه قَوْمُ الْأَخْوَانِ: الْأَخْ يَا الْأَخُ (۱) بِجَاهِي (۲) دَوْسَت (۳) سَاتِي [دِين، مَسْلَك، وَغَيْرِهِ] مِنْ الْأَخْوَانِ. دَوْ بِجَاهِي - دَوْ دَوْسَت - دَوْ سَاتِي - اَسْ سَاتِي الْأَخْوَانِ يَا الْأَخْوَانِ يَا اِخْوَةً يَا اِخْوَةً جَمْعٌ ہے۔ مِنْ حَلْقَةِ الْأَخْوَانِ بِجَاهِيْوُں، دَوْسَتوْں کَے دَائِرَے سَے“

تَرْجِمَه:- [اے جیسیب اکرم] ان لوگوں نے [جنہوں نے آپ کو ہی اپنا متبع بنایا] آپ کو سب پر ترجیح دے کر چن لیا۔ اور [ایسا کر کے] اپنے عزیزوں سے کٹ گئے۔ اور اپنے بھائی بندوں کے دائرے سے دور نکل گئے۔

تَشْرِیف:- کافر، مشرک، منافق اور اہل کتاب حضرت رسول کریمؐ کے نہ صرف مخالف بلکہ حاسد اور معاند تھے۔ ان کے سینوں میں بغض وعداوت کی آگ بھڑکتی تھی۔ اس لئے سچے مسلمان یعنی رسول اکرمؐ کے شیدائی ان کے ساتھ برادر نہ تعلقات یادوستانہ مراسم نہیں رکھ سکتے تھے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

(۱) ”نَبِيٌّ مُؤْمِنُوںْ پرَانِ کی جانوں سے زیادہ حق رکھتا ہے۔“ [پ ۲۱ الاحزاب (۳۳): ۶] جب مومن کی اپنی جان سے بھی زیادہ حضور کا حق ہے تو لازمی طور وہ سب بھائیوں اور عزیزوں سے بھی زیادہ حق رکھتے ہیں۔
دوسرے مقام پر فرماتا ہے:-

(۲) [اے پیارے نبی!] آپ کہہ دیجئے۔ [اے مومنو!] اگر تمہارے پاپ۔ اور تمہارے بیٹیے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے کنبے اور مال جو تم کماتے ہو، اور بھارت جس کے مئند اپڑ جانے سے تم ڈرتے ہو، اور مکان جن کو تم پسند کرتے ہو۔ تمہارے نزدیک اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ محظوظ ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم بھیجئے اور اللہ

نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ [پ ۱۰ التوبۃ (۹) ع (۳) ۲۳]

اس آیت بلند پایہ سے ثابت ہوتا ہے کہ سب عزیزوں اور سب مال و دولت سے زیادہ محظوظ سرکار دو عالم کی مقدس ذات ہی ہے اگر بد قسمتی سے کسی کے ایمان کی یہ کیفیت نہیں وہ آیت کے آخری الفاظ کے مطابق فاسق [نافرمان] ہے تفسیر قرطبی کے مطابق یہ آیت حضورؐ کی محبت کی فرضیت پر دلالت کرتی ہے۔

اسی حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر دوسرے پیرائے میں بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

(۳) ”تو ان لوگوں کو جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لاتے ہیں۔ [ایسا] نہ پائے گا کہ وہ اس شخص سے دوستی رکھیں جو اللہ اور اس رسولؐ کی مخالفت کرتا ہے اور گوہ ان کے باپ ہوں یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے کنبے کے لوگ۔ انہی کے دلوں کے اندر [اللہ تعالیٰ نے] ایمان لکھ دیا ہے اور اپنی روح سے ان کی تائید کی ہے۔ اور وہ انہیں باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہ ہیں بہتی ہیں۔ [یہ سعادت مند لوگ] انہی باغوں میں رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے اور وہ اس سے راضی ہیں۔ یہی لوگ اللہ کا گروہ ہے۔ سنو! اللہ کا ہی گروہ کامیاب ہوگا۔“ [پ ۱۲۸ المجادۃ ع (۵۸) ۲۲: (۳)]

احادیث صحیح میں بھی اس امر پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ حضرت رسول کریمؐ کی محبت ایمان کی جان ہے۔ مثلاً حضرت انس بن مالکؓ کی روایت سے ایک متفق علیہ حدیث ہے۔ جس میں حضرت پیغمبر صادق فرماتے ہیں: لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالدِّهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ۔ (۲۶)

(۲۶) بخاری۔ پاک الایمان (۲) باب حُبُّ الرَّسُولِ مِنَ الْإِيمَانِ (۸) ح / ۲ / مسلم جلد اک الایمان [اباب (۱۶) ح

”تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اسے اسکے والدین، اس کی اولاد اور دنیا بھر کے سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوں“،
بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا:
وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلِدِهِ۔ (۲۷)۔ [یعنی قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اسے اس کے والدین اور اُنکی اولاد سے محبوب نہ ہوں۔]

بخاری شریف میں عبد اللہ بن ہشام کی روایت سے حضرت عمرؓ کا ایک واقعہ مردی ہے۔ ایک دفعہ حضرت عمر کا ہاتھ حضور پر نورؐ کے دست مبارک میں تھا۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا: **يَارَسُولَ اللَّهِ! لَأَنْتَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ إِلَّا مِنْ نَفْسِي**۔ یا رسول اللہ! آپ مجھے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں سوائے میری جان کے، اس پر پیغمبر کریمؐ نے حضرت عمر سے فرمایا: **لَا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْكَ مِنْ نَفْسِكَ**۔ [اے عمر! اس سے بات نہیں بنے گی۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے جب تک میں تمہیں تیری جان سے بھی عزیز تر نہ ہو جاؤں۔]

حضرت عمر نے عرض کیا: **فَإِنَّهُ الآنَ وَاللَّهِ لَأَنْتَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ نَفْسِي**۔ ”اللہ کی قسم! اب آپ مجھے اپنی جان سے بھی عزیز تر ہیں۔“

یہ سن کر حضور پر نورؐ نے فرمایا: **الآنِ يَا عَمَرُ اَعْرَبْتَ اَبْنِي هے یعنی اب تم نے صحیح کہا ہے (۲۸)**

(۲۷) بخاری پ ۲۷۲ کتاب ۲۷۲ باب ۸۱
(۲۸) بخاری پ ۲۷۲ کتاب الْإِيمَانُ وَالنَّفَرُ [۸۳] باب ۳ بح (۵) فصل الباری جلد ۲۱۳۵۸۲ بح (۲۲۵۲)
[عبد اللہ بن ہشام]

پس قرآن مجید اور احادیث صحیح سے ثابت ہوتا ہے کہ مومن کی نظر میں حضرت رسول اکرمؐ کی ذات قدسی صفات اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے بڑھ کر محبوب ہے۔ اپنی جان سے عزیز تر ہے ماں باپ سے عزیز تر ہے۔ چیزیں بیوی سے زیادہ محبوب ہے اولاد سے زیادہ پیاری ہے۔ مال و دولت سے زیادہ عزیز ہے اس لئے ان کیلئے، ان کی محبت و مودت کے لئے بڑی سے بڑی قربانی سے دریغ نہیں۔

تاریخ گواہ ہے کہ عاشقان نبی نے کبھی اس قربانی سے دریغ نہیں کیا۔ مثلاً مصعب بن عمير رضی اللہ عنہ ایک دولت مندر میں مکہ کے حسین و جیل فرزند تھے۔ بڑی محبت اور ناز و نعمت سے پلے۔ لیکن قبول اسلام کی پاداش میں گھر سے نکالے گئے۔ عیش و عشرت اور ناز و نعمت سے محروم ہو گئے۔ اور ناث کے موٹے کپڑے پہننے پر مجبور ہو گئے۔ ایک دفعہ بھیڑ کی کچی کھال پہن کر دربار رسالت میں آئے۔ حضور نے اس کو دیکھ کر حاضرین سے فرمایا: اُنْظَرُوا إِلَى هَذَا. لَقَدْ رَأَيْتُهُ بَيْنَ أَبْوَيْنِ يَغْدُوَ إِنْهِ بِأَطْيَبِ الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ. وَلَقَدْ رَأَيْتُهُ عَلَيْهِ حُلَّةً شَرَّاهَا بِمَا تِهِ دِرْهَمٌ. فَدَعَاهُ حُبُّ اللَّهِ وَحُبُّ رَسُولِهِ إِلَى مَاتَرُونَ. لوگو! اس کی حالت کو تو دیکھو۔ میں نے اسے اسکے والدین کے پاس دیکھا۔ وہ اسے نہایت عمدہ کھانا پینا کھلاتے تھے۔ میں نے اس کو دیکھا ہے کہ اس کے جسم پر ایک عمدہ جوڑا ہے جسے اس نے سودہم میں خریدا ہے۔ پھر اللہ کی محبت اور اسکے رسول کی محبت نے اسے اس حالت میں لا لایا جو تم آج دیکھ رہے ہو۔^(۲۹)

ایک اور حدیث میں حضور مصعب بن عمير کے حسن و جمال اور ناز و نعمت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

ثُمَّ خَرَجَ مِنْ ذَالِكَ ابْتِغَاءَ مَرَضَةِ اللَّهِ تَعَالَى وَنُصْرَةَ رَسُولِهِ

پھر اس نے اس مال دینا اور عیش و راحت پر لات ماری صرف اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے اور اس کے رسولؐ کی مدد کرنے کے لئے۔ (۵۰)

حضرت مصعب کو اپنی بوڑھی ماں نے پہلے قید تھائی کی سزا دی۔ پھر گھر سے نکال ہی دیا۔ حضور پر نورؐ نے اسے اہل یہرب کی درخواست پر [اپنی بھرت سے پہلے] بھیثیت مبلغ مدینہ بھیجا۔ بیعت عقبہ ثانیہ کے وقت مدینہ سے مکہ آئے۔ سب سے پہلے حضورؐ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ پھر ماں کے پاس گئے۔ لیکن ماں اسلام کے لئے ان سے بہت ناراض تھی۔ اس نے گھر سے نکال دیا۔ آپ روتے روتے چل پڑے۔

حضرت ابو سلمہ اپنی بیوی اُم سلمہ اور کم سن اکلوتے بیٹے سلمہ کو اونٹ پر بھاکر مدینہ کی طرف بھرت کرنے نکلے۔ ام سلمہ کے میکے والوں کو خبر ہوئی تو دوز کر آئے اور اپنی بیٹی اُم سلمہ کو بمع بینا چھین کر لے گئے۔ ان کا خیال تھا کہ بیوی اور بچے کی محبت دامن گیر ہو کر ابو سلمہ کو بھرت سے روک دے گی۔ لیکن محبت رسول غالب آگئی۔ اس لئے ابو سلمہ تھام مدینہ چلے گئے۔

ابو سلمہ کے خاندان والے آگئے تو انہوں نے سلمہ کو چھینا۔ اس طرح ام سلمہ شوہر اور فرزند دونوں سے محروم ہو کر اشک خونیں بہانے لگی۔ ایک سال گذر گیا۔ آخر اس کے چھپرے بھائیوں کو ذرا رحم آیا۔ انہوں نے اس کا بچہ اسے واپس دلا�ا۔ اور یہ خاتون اپنے بچے کو لیکر مدینہ روانہ ہوئی۔ اور اپنے شوہر سے ملیں۔ ۳۷ھ میں ابو سلمہ شہید ہوئے تو حضرت نبی کریم ﷺ نے اس کی قربانی، اس کا ایثار وغیرہ مد نظر رکھ کر اسے اُم المؤمنین ہونے کا شرف بخشنا۔ (۵۱)

شعر.....۱۲

قَدْ وَدَّعُوا أَهْوَاءَ هُمْ وَنُفُوسَهُمْ
وَتَبَرُّءُ وُا مِنْ كُلِّ نَشِبْ فَانِ

وَدَّعُوا. وَدَعَ يَدَعْ وَدَعَا [فعل يفعل]: چھوڑنا۔ و دیعت رکھنا۔ باب تفعیل وَدَعَ يَدَعْ تَوْدِيعًا: رخصت کرنا۔ چھوڑنا اسی سے ماضی صیغہ جمع مذکور غائب ہے۔ وَدَّعُوا. انہوں نے چھوڑ دیا، قَدْ. فعل ماضی کیسا تھا تحقیق کے معنی دیتا ہے۔ پس قَدْ وَدَّعُوا یقیناً انہوں نے چھوڑ دئے۔

أَهْوَاءَ هُمْ: هَوَى يَهْوَى هَوِيَاوْهُوِيَاوْهَوِيَانَا [ضَرَبَ يَضْرِبُ]: ”اوپر سے نیچے گرنا۔“ اکثر خواہشات نفس سے آدمی بلند مرتبہ سے گرا جاتا ہے هَوَى کے معنی ہیں (۱) إِرَادَةُ النَّفْسِ. نفس کا ارادہ (۲)الْعِشْقِ يَكُونُ فِي الْخَيْرِ وَالشَّرِّ. سخت خواہش۔ خیر کی ہو یا شر کی۔ (۳)الْمَهْوِي: جس چیز کی سخت خواہش ہو۔ مَحْمُودًا كَانَ أَوْ مَدْمُومًا چاہے چیز اچھی ہو یا بُری ثُمَّ غَلَبَ عَلَى غَيْرِ الْمَحْمُودِ. اس کا اکثر استعمال غیر محمود خواہش پر زیادہ ہوتا ہے۔ [تاج ۱۰ واقرب ۲۱۲/۲] دراغب [هَوَى کی جمع أَهْوَاءَ نَفْسَانِي [بُری] خواہشیں وَدَّعُوا أَهْوَاءَ هُمَا انہوں نے چھوڑ دیں اپنی نفسانی [بُری] یعنی ایسی خواہش جو گناہ ہیں جو گناہ کرواتی ہیں۔

نُفُوسَهُمْ: نَفْسٌ: (۱)الْدَّم. خون (۲)الْجَسَد. جسم۔ بدن (۳)الْعَيْن بِنَظَرِ أَصَابَتُهُ نَفْسٌ اس کو نظر بدگی [Evil eye] (۴)نَفْسُ الشَّيْءِ. عین شیء۔ یہ تاکید کے لئے آتا ہے مثلاً جائے نبی بِنَفْسِهِ یا جائے نبی نَفْسَهُ. وہ خود

میرے پاس آیا۔ **النَّفْسُ** ایضاً **الْعَظِيمَةُ وَالْعِزَّةُ وَالْهِمَّةُ وَالْأَنْفَةُ وَالْغَيْبُ وَالْأَرَادَةُ وَالرَّأْيُ وَالْمَاءُ وَالْعَقُوبَةُ**۔ اور نفس کے اور معنی ہیں (۱) عظمت (۲) عزت (۳) ہمت (۴) خود داری (۵) عیب (۶) ارادہ (۷) رائے (۸) پانی اور سزا [اقرب: ۲: ۱۳۲۸] اور نفس کے معنی روح بھی ہے۔ اس متنے میں یہ مونث ہے۔

نَفْسٌ کی جمع (۱) **نُفُوسٌ** اور (۲) **أَنْفُسٌ**. **نُفُوسَهُمْ** [انہوں نے چھوڑ دیا ہے] اپنے نفوسوں کو تبرئہ و ابیری یہ تبرئی برائے [سَمْعَ يسمع] مِنْ: تخلص و سلم۔ [قرضہ یا عیب سے] خلاصی پانا۔ نجات پانا۔ بَرِئَ. [سَمْعَ / فعل / كَرْمٌ] بُرءَ أَيَا بُرُوءَ أَ. مرض سے شفا پانا۔

تَبَرَّأَ [تَفَعُّلٌ] مِنْ: تَخَلُّصَ. الگ ہو جانا۔ بیزار ہونا۔ نجات پانا۔ اسی سے ماضی جمع ذکر غائب بتتا ہے۔ تَبَرَّءُ وَا:۔ وہ جدا ہو گئے۔ وہ بیزار ہو گئے۔ **نَشَبَ**: **الْعَقَارُ**. گھر کا سامان۔ **الْمَالُ**. مال و دولت۔ زمین۔ مویشی۔ منقولہ وغیر منقولہ جائیداد [اقرب و مجدد]

فَانِ: فَيَنِي يَفْنِي [سَمْعٌ] یا فَنِي يَفْنِي [صَرَبٌ] فناء: عدم۔ معدوم ہونا۔ مفقود ہونا۔ هر مم، بہت بوڑھا ہونا اس سے اسم فاعل بتتا ہے۔ فَانِ [الفانی]۔ فنا پذیر۔ فنا ہونے والا۔ مِنْ نَشَبٍ فَانِ: فنا پذیر مال و جائیداد سے۔

تَرْجِمَه: انہوں نے اپنی نفسانی خواہشات اور اپنے نفوس کو یقیناً چھوڑ دیا۔ اور ہر قسم کے فنا پذیر مال و جائیداد سے بیزار ہو گئے۔

تشريعیح: قرآن مجید میں حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کی بعثت کے جو مقاصد بتائے گئے ہیں ان میں ایک اہم مقصد لوگوں کا تزکیہ کرنا ہے۔ (۵۲) چنانچہ

آپ کا ارشاد گرامی ہے: إِنَّ اللَّهَ بَعْثَنِي لِتَمَامِ مَكَارِمِ الْأَخْلَاقِ وَكَمَالِ مَحَاسِنِ الْأَفْعَالِ (۵۳) یعنی "اللہ تعالیٰ نے مجھے عمدہ اخلاق کی تعلیم بدرجہ اتمام اور اچھے افعال کی تعلیم بدرجہ کمال پہنچانے کے لئے بھیجا ہے۔"

آپ نے باقی فرائض کی طرح یہ فرض منصی بھی بطريق احسن انجام دیدیا۔

عرب نفسانی خواہشات کی پیروی کر کے بہت ذلیل ہو گئے تھے۔ شراب، عورت، جوا اور خون ریزی کے وہ رسیا تھے۔ قصائد "ادبی شہہ پارے"، قرار دے کر خانہ کعبہ میں لٹکائے گئے تھے۔ سب سے پہلے امراء القیس کا قصیدہ لٹکایا گیا تھا۔ اس قصیدے میں شاعر اپنی فاشی اور سیاہ کاریوں کا ذکر بر ملا کرتا ہے اور قوم سے دادخھین پاتا ہے۔

دوسرਾ قصیدہ ایک اور جاہلی شاعر طرف بن العبد الگبری کا ہے اس میں شاعران تین لذتوں کا ذکر کرتا ہے جو عرب جوانوں کا سرمایہ حیات ہیں جن کے لئے وہ زندہ رہنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ کہتا ہے:-

فَلَوْلَا ثَلَاثٌ هُنَّ مِنْ لَذَّةِ الْفَتَنِ
وَجَدَكَ لَمْ أَخْفِلْ مَتْنِي فَأَمَّا عُوَدَّيِ

پس [اے میرے ملامت کرنے والے!] اگر [دنیا میں] تین چیزیں نہ ہوتیں۔ وہ تین چیزیں جو جوان کی لذت ہیں۔ یعنی جن سے عرب جوانوں کی زندگی پر لذت ہے۔ تیرے نصیبے کی قسم! میں پرواہ نہیں کرتا کہ میری عیادت کرنے والے [میری زندگی سے ماپس ہو کر اور میری موت کو قریب دیکھ کر میرے سرہانے سے] کب اٹھ کر چلے جاتے یعنی مجھے مرنے کی کوئی پرواہ نہیں۔ میں مرنا نہیں چاہتا صرف اس لئے کہ مجھے ان تین لذتوں سے محروم ہونا پڑے گا۔

پھر ان تین لذتوں کا ذکر کرتا ہے اور وہ ہیں (۱) ارغوانی شراب (۲) بھیڑ کے کی طرح دشمن پر جھپٹ پڑنا اور (۳) گھنگور گھنٹاواں لے دن مست شباب حسینہ کے ساتھ داد عیش دینا۔ [شعر ۵۹-۶۲]

حضرت نبی کریمؐ نے انہی نفس پرستوں کی زندگیوں کو بدل کر انہیں خدا پرست بنایا۔

مکہ معظمه کی ایک عناق نامی تجہب [نبی] - مرشد غنوی۔ اس کا ایک "خریدار" تھا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد ایک رات مرشد مکہ آیا تو عناق نے اسے دیکھا تو کہنے لگی: يَأَمْرُ ثَدُونَطَلِقِ اللَّيْلَةِ فَبِثُّ عِنْدَنَا فِي الرَّحْلِ۔ "اے مرشد چلے آو۔ آج رات ہمارے پاس ڈیرے میں گزار،" لیکن مرشد نے اس دعوت سیاہ کاری کو یہ کہ رکھ کر ادیا۔ یا عَنَافِ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ حَرَمَ النِّنَاءَ۔ اے عناق! رسول اللہ نے زنا کو حرام قرار دیا ہے۔ (۵۴)

اسلام قبول کرنے سے پہلے مرشد عناق پر مرتا تھا۔ اس لئے اس نے چاہا کہ نکاح شرعی کر کے اس شمعِ انجمن کو چراغِ خانہ بنائے۔ لیکن حضورؐ نے اجازت نہیں دی۔ اور مرشد نے مرضی رسول کے آگے سرتلیم خم ہی کیا۔ (۵۵)

بعض صحابہ نے اسلام قبول کر کے عورتوں سے اور گوشت کھانے سے بلکہ بسترہ پر سونے سے بھی پرہیز کرنا چاہا۔ لیکن حضورؐ نے اس رہبانیت کی اجازت نہیں دی۔

(۵۶)

کیونکہ یہ باتیں فطرت کے خلاف ہیں اور اسلام دین فطرت ہے۔

عرب شراب پانی کی طرح پیتے تھے۔ قدم قدم پر میخانے تھے۔ ہر میخانے پر

(۵۷) نسائل جلد ۲۔ ک. المکاہ ۲۶۔ باب تزویج الزانیہ [۱۲] ح [۲/۲۸۹]

(۵۸-۵۹) اینا

جنہڈا نصب ہوتا تھا۔ بیہاں خریداروں کی خدمت کے لئے حسین لوٹدیاں ہوتی تھیں۔ اس کے علاوہ گھروں میں بھی شراب بنتی تھی۔ اور مے خواروں کی مخلفیں بھتی تھیں۔ چنانچہ صحابی انس بن مالک کا بیان ہے کہ [اس کے سوتیلے باپ] ابو طلحہ کے گھر میں ایسی محفل لگی تھی اور میں اہل محفل کو شراب پلارہتا تھا۔ باہر سے منادی کی بُندا آئی۔ وہ کہتا تھا۔ **الآنَ الْخَمْرَ قَدْ حُرِّمَتْ**. لوگو! غور سے سنو! شراب حرام قرار دی گئی۔ یہ آواز سنتے ہی ابو طلحہ نے مجھے کہا: **أَخْرُجْ فَأَهْرِقْهَا** [اے انس!] باہر نکل اور [گھر میں موجود ساری شراب] بھاڑے۔“ انس نے ساری شراب بھاڑی۔ اسی طرح دوسرے گھروں سے بھی بھاڑی گئی۔ انس کہتا ہے: **فَبَجَرَثَ فِي سِكَكِ الْمَدِينَةِ** اور [اس دن] شراب مدینہ کی گلیوں میں بہنے لگی“ (۵۷)

یہ واقعہ رسول اللہؐ کی قوت قدسی کی زبردست دلیل ہے۔ کہ جب آپ نے شراب کو حرمت کا اعلان کر دیا تو لوگوں نے شراب کو مدینے کی گلیوں میں بھاڑیا اور کسی گھر میں شراب چھوڑ وہ برتن بھی باقی نہ رہے جن میں شراب پی یا بنائی جاتی تھی۔ آج شراب سے روکنے کے لئے کسی حکومت کی قہری طاقت بھی کامیاب نہیں ہوتی“ (۵۸)

پادری شی فنر [Stephens] لکھتا ہے:

"The vices most prevalent in Arabia in the time
of Muhammad which are most sternly denounced
and absolutely forbidden in the Koran were

(۵۷) بخاری پ ۹ ک المظام والمغضب [۳۶۲] باب صَبَطُ الْخَمْرِ فِي الطَّرِيقِ [۲۱] فضل ۱/ ۵۳۹ ح

[۱۱۷۵]

(۵۸) فضل الباری۔ مولانا محمد علی لاہوری۔ جلد اس ۵۳۹ حاشیہ زیر ح ۷۵

drunkenness, unlimited concubinage and polygamy, the destruction of female infants, reckless gambling, extortionate usury superstitions, arts of divination and magic. The abolition of some of these evil customs, and the mitigation of others, was a great advance in the morality of the Arabs, and is a wonderful and honourable testimony to the zeal and influence of the reformer."^[۵۹]

”یعنی [حضرت محمد مصطفیٰ] کے وقت عربوں میں جو قبائل بہت زیادہ راجح تھے۔ جن کو قرآن مجید نے سخت الفاظ میں مذمت کی اور قطعی حرام قرار دیا وہ شراب نوشی، لا تعداد داشتا ہیں رکھنے کا رواج، متعدد بیویاں رکھنا، شیر خوار بچیوں کو قتل کرنا، نتائج سے لا پرواہ جو بازاری، خون چوس سود خواری اور تو ہم پرستی پر مبنی کہانت اور جادوگری کے فنون تھے۔ حضرت محمد مصطفیٰ کے ذریعہ [ان قبائل میں سے بعض کا بالکل مٹ جانا اور بعض کا کم ہونا عربوں کی بہت بڑی اخلاقی ترقی تھی۔ اور یہ امر واقع مصلح کی انتہائی سنجیدگی و مستعدی اور اثر و نفوذ کے حق میں حیرت افزای اور قبل احترام شہادت ہے۔“

^{۵۹} W. R. W. Stephens : Christianity and Islam : The Bible and the koran .p 112 London 1877. Q. by Khawaja Sahib.

۱۳..... شعر

**ظَهَرَتْ عَلَيْهِمْ بَيْنَاثْ رَسُولِهِمْ
فَتَمَزَّقَ الْأَهْوَاءُ كَالاُوَثَانِ**

ظَهَرَتْ: ظَهَرَ يَظْهَرُ ظَهُورًا [فعَلَ يَفْعَلُ] : ظاہر ہونا اس سے ماضی واحد مؤنث غائب ظَهَرَتْ۔ ظاہر ہو گئی۔

بَيْنَاثْ: بَيْنَةً۔ دلیل۔ وجہت۔ اس کی جمع ہے بَيْنَاثْ۔ بَيْنَاثْ رَسُولِهِمْ ان کے رسول کی دلائل اور جہتیں۔

فَتَمَزَّقَ: مَزَّقَ يَمْزِقَ / مَزَّقَ يَمْزُقَ مَزْقًا [ضَرَبَ نَصَرَ] : کپڑا چھڑنا۔ مَزَّقَ [تمزیق] کے بھی یہی معنے ہیں تَمَزَّقَ [تَفْعُلٌ] پھٹنا۔ ٹکڑے ٹکڑے ہو جانا۔ ٹوٹ جانا۔

كَالاُوَثَانِ: پس ٹوٹ گئے، ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ كَالاُوَثَانِ: وَثَنْ۔ صَنَمْ یعنی بُت اس کی جمع ہے۔ اوُثان او وُثُن اور واو کی جگہ الْف لَا کرائِنْ۔

ترجمہ: ان [یعنی صحابہ کرام] پر ان کے رسول [کی حقانیت و صداقت] کے دلائل اور جہتیں ظاہر ہو گئیں۔ تو [ان کی] نفسانی خواہشات بتوں کی طرح پاش پاش ہو گئیں۔

تشریح: - اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

”کیا تو نے اسے دیکھا، جو اپنی خواہش کو اپنا معبود بناتا ہے تو کیا تو اس کا ذمہ دار ہو سکتا ہے۔ یا کیا تو خیال کرتا ہے کہ ان میں سے اکثر سنتے

ہیں یا عقل سے کام لیتے ہیں۔ وہ صرف چار پاپوں کی طرح ہیں۔ بلکہ وہ رستہ سے اور بھی دور بہکے ہوئے ہیں۔“

[پ ۱۹۔ الفرقان (۲۵) ع (۳): ۳۳، ۳۴]

”اس ارشادِ بانی سے معلوم ہوتا ہے کہ نفسانی خواہشات کے اتباع سے انسان انسانیت کے بلند مرتبہ سے گر کر ذلیل ہو جاتا ہے۔ وہ حیوان جیسا بن جاتا ہے۔ چنانچہ اسلام سے پیشتر عربوں کی حالت کی طرف یہاں توجہ دلائی گئی ہے۔

..... وہ لوگ حیوانی زندگی پر گرتے گرتے آخر کار بالکل حیوانوں کی طرح ہی ہو گئے۔ سمع اور عقل سے کام نہ لیتے تھے۔ اور نہ کسی مصلح کی بات کو سنتے یا اس کی کچھ پرواؤ کرتے تھے۔ ان کے اندر انسانی سوسائٹی کو حیوانات سے ممیز کرنے والی صفات رہی تھیں۔ چار پائے کو تو کپڑہ کر بھی رستہ پر لایا جا سکتا ہے مگر وہ اس قابل بھی نہ تھے۔ اس ایک فقرہ کا لامعام میں بتا دیا کہ عرب کے لوگوں میں نہ اخلاق و روحانیت رہ گئی تھی، نہ سیاست نہ تمدن نہ معاشرت کے صحیح اصول باقی رہے تھے۔ اور واقعی ان کی حالت پر غور کیا جاتا ہے تو عامہ حالت ان کی ایسی ہی تھی کہ انسان کا نام بھی صادق نہ آسکتا تھا۔ دن رات باہم جنگ وجہل، عتاید نہایت ذلیل، پر لے درجے کی تو ہم پرستی، حیوانیت کا جوش، شراب خوری، اور زنا کاری اور تمار بازی کی کثرت، علم سے بے بہرا۔ یہ وہ چار پایوں سے بدتر قوم تھی جس کی اصلاح کے لئے رسول اللہ کو کھڑا کیا گیا۔“

[بیان القرآن۔ مولانا محمد علی لاہوری۔ جلد ۲ ص ۹۸۹ حاشیہ ۷۲۲]

اسی حد درجہ بگزی ہوئی قوم پر جب حضرت رسول کریم کی حقانیت و صداقت کی دلائل واضح ہو گئیں تو ان کی سفلی خواہشات کے بت ٹوٹ کر چکنا چور ہو گئے۔

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَسَلِّمْ

حضرت مرزا صاحب لکھتے ہیں۔

”ایمان لانے والے اپنی ابتدائی حالت میں اکثر ایسے تھے کہ جس حالت کو وہ ساتھ لے کر آئے تھے وہ حالت جنگلی وحشیوں سے بدتر تھی۔ اور درندوں کی طرح ان کی زندگی تھی۔ اور اس قدر بد اعمال اور بد اخلاقی میں وہ بنتا تھے کہ انسانیت سے باہر ہو چکے تھے۔ اور ایسے بے شعور ہو چکے تھے۔ کہ نہیں سمجھتے تھے کہ ہم بد اعمال ہیں۔ یعنی نیک اور بدی کی شناخت کی جس بھی جاتی رہی تھی۔

پس قرآنی تعلیم اور آنحضرتؐ کی صحبت نے جو پہلا اثر ان پر کیا تھا تو وہ یہ تھا کہ ان کو محسوس ہو گیا کہ ہم پاکیزگی کے جامد سے بالکل برہنہ اور بد اعمالی کے گند میں گرفتار ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ ان کی پہلی حالت کی نسبت فرماتا ہے: **أُولَئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ** [۲۳: ۲۵] یعنی یہ لوگ چار پا یوں کی طرح ہیں۔ بلکہ ان سے بھی بدتر۔ پھر جب آنحضرتؐ کی پاک صحبت اور فرقان حمید کی دلکش تاثیر سے ان کو محسوس ہو گیا کہ جس حالت میں ہم نے زندگی بسر کی ہے وہ ایک وحشیانہ زندگی ہے اور سراسر بد اعمالیوں سے ملوث ہے تو انہوں نے روح القدس سے قوت پا کر نیک اعمال کے طرف حرکت کی جیسا کہ اللہ تعالیٰ ان کے حق میں فرماتا ہے **وَأَيَّدَهُمْ بِرُوحٍ مِّنْهُ.** [المجادلہ (۵۷): ۲۲] یعنی خدا نے ایک پاک روح کے ساتھ ان کی تائید کی۔ (۲۰)

شعر..... ۱۳.....

**فِي وَقْتِ تَرُوِيقِ اللَّيَالِيْ نُورُوا
وَاللَّهُ نَجَاهُمْ مِنَ الطُّوفَانِ**

ترُويقِ رَوْقِ (۱) سینگ (۲) سائبان (۳) حصہ رَوْقِ مِنَ اللَّيْلِ۔ رات کا حصہ۔ **ترُويقِ [رَوْقِ اللَّيْلُ]**: اَظَلَمْ وَمَدْرَوَاقْ ظُلْمَتِهِ۔ رات بہت تاریک ہو گئی اور اس نے اپنی تاریکی کے حصے یا سائبان پھیلادے۔

اللَّيَالِيْ: الَّيْلُ۔ رات [لقطیل عربی میں مذکرا اور منونٹ ہے]۔

اس کی جمع ہے **اللَّيَالِيْ: راتیں**۔ **ترُويقِ اللَّيَالِيْ**: راتوں کا بہت تاریک ہونا۔ **فِي وَقْتِ تَرُويقِ اللَّيَالِيْ**: اس وقت میں جب راتیں بہت تاریک ہو گئیں۔ یہاں **اللَّيَالِيْ** سے مراد وہ عہد ہے جب ہر طرف کفر و شرک اور بد اخلاقی کی تاریکیاں پھیلی ہوئی تھیں۔

نُورُوا: یہ تنویر [تفعیل] سے ماضی مجہول صیغہ جمع مذکر غائب ہے۔ اور معنے ہیں۔ وہ منور کئے گئے۔ ان کو نورانی بنا یا گیا۔

نَجَاهُمْ: نَجَائِنُجُونَجَاهَ وَنَجَاءَ کے معنی ہیں نجات پانارہائی پانا۔ اور **نَجْحِيَةً**: کسی کو نجات دینا۔ رہائی دینا۔ بچانا۔ **وَاللَّهُ نَجَاهُمْ**: اور اللہ تعالیٰ نے نجات دی ان کو **الطُّوفَانِ (۱) الْمُطْرُ الغَالِبُ**. سخت بارش (۲) الْمَاءُ **الْغَالِبُ يَعْشِيْ كُلَّ شَيْءٍ**. پائی جو غالب ہوا اور ہر چیز کو چھپا دے۔

(۳) **شِدَّةُ ظَلَامِ اللَّيْلِ**. رات کی شدید تاریکی (۳) **الْمُوْتُ الدَّرِيْبُعُ** **الْجَارِفِ**: ہمہ کیر ہلاکت پیدا کرنے والی موت۔

(۲) السَّيْلُ الْمُغْرِقٌ . سیالب جو ہر چیز کو ڈبو دے [اقرب ۱/۲۲ و مسجد] مِنَ الطُّوفَانِ : (۱) رات کو شدید تاریکی سے (۲) سخت سیالب سے (۳) سخت ہلاکت خیز موت سے۔

ترجمہ: اس وقت میں جب راتوں کی تاریکیاں بہت پھیل گئیں۔ یہ [سعادت مند حضرات] منور کئے گئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کو شدید تاریکی سے نجات بخشی۔

تشریح: حضرت رسول اکرم جس دور میں پیدا ہوئے اس میں ساری دنیا سخت اور شدید ظلمتوں میں بنتا تھی۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئی۔ اس نے نوع انسانی کو اس ہلاکت خیز تاریکی سے نجات بخشی اور کتاب میں لے کر عظیم الشان نور ﷺ بھیجا۔ ارشاد باری ہے:-

”تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور واضح کرنے والی کتاب آچکی ہے۔ اس کے ساتھ اللہ اس کو جو اس کی رضا کی پیروی کرتا ہے سلامتی کی راہوں پر چلاتا ہے اور اپنے حکم سے ان کو اندر ہیرے سے روشنی کی طرف نکال لاتا ہے اور ان کو سیدھی راہ کی طرف ہدایت کرتا ہے۔“ [پ ۱۶ المائدہ (۵) ع (۳): ۱۵-۱۶]

سورۃ النور (۲۴) کی آیت ۳۵ کی تفسیر میں حضرت مولیانا محمد علی صاحب لاہوری لکھتے ہیں:-

”اللَّهُ تَعَالَى جَوَمَنْوَرٌ [منور کرنے والا۔ نقل] اور ہادی ہے اس کے نور کی یہاں مثال بیان کی ہے اور اس کے نور سے مراد اس کی ہدایت یا اس کا رسول ہے۔ کیونکہ آنحضرتؐ کو بھی نور کہا۔ قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَ كِتَابٌ مُبِينٌ۔ [المائدہ ۵: ۱۵]..... اس مثال میں بتایا کہ آنحضرتؐ کا نور ہر قسم کے شایرہ ظلمت

سے خالی، اعلیٰ درجہ کا مصنفی، دائیٰ اور تمام عالم کیلئے ہے اور یہ بھی ختم بتوت پر دلیل ہے۔ اور مضباحت کا لفظ لانے میں یہ اشارہ ہے کہ پہلے نبی بھی چراگ تھے مگر یہ چراگ ایسا ہے جو سب عالم کو روشن کرے گا اور کبھی نہ بچھے گا۔ [بيان القرآن جلد ۲ ص ۹۷۰]

حضرت مرتضیٰ صاحب ایک نقیۃ نظم میں فرماتے ہیں:-

بِرَا كَرِيمًا مُحْسِنًا

بَحْرَ الْعَطَايَا وَالْجَدَا

جو بہت نیک، کریم اور محسن ہے۔ جو خوش وجود کا سمندر ہے۔

بَذْرٌ مُّبِيرٌ رَاهِرٌ

فِي كُلِّ وَصْفٍ حُمَدًا

وہ ماہ کامل اور دوسروں کو روشن کرنے والا اور خوب روشن ہے اور ہر دصف وفضیلت کے لئے اس کی حمد و شکر کی جاتی ہے۔

نُورٌ مِنَ اللَّهِ الَّذِي

أَحْيَا الْعُلُومَ تَجَدُّدا

وہ اللہ تعالیٰ کا عظیم الشان نور ہے جس نے علوم کو نئے طریقے سے زندہ کیا غرض صحابہ کرام اس جہالت و ظلمت میں اللہ تعالیٰ کے اسی نور سے متور ہوئے اور اسی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ان کو طوفان سے نجات دی۔

شعر.....۱۵

قَدْ هَاضَهُمْ ظُلْمُ الْأَنَاسِ وَضَيْمُهُمْ
فَتَبَثَّتُوا بِعِنَايَةِ الْمَنَانِ

هَاضَهُمْ: هاضَ يَهِيُضُ هَيْضًا [ضرَبَ يَضْرِبُ]

(۱) سَلَح: - پرندے کا بیٹ کرنا (۲) هاضَ العَظَمَ: کسرَهُ بَعْدَ الْجَبُورِ. ہڈی جڑ جانے کے بعد پھر توڑنا (۳) کسرَهُ وَفَتَرَهُ: چیز کو توڑنا۔ چورہ چورہ کرنا۔ **هَاضَهُمْ:** ان کو توڑا اور چورہ کیا۔

الْأَنَاسِ: الْأَنْسُ: الْبَشَرُ: آدمی۔ اس کی جمع ہے۔ الْأَنَاسُ یا الْأَنَاسِیُّ یعنی لوگ۔ **ظُلْمُ الْأَنَاسِ:** لوگوں کا ظلم۔ لوگوں کے ظلم نے۔ یعنی مخالفوں کے ظلم نے۔ **ضَيْمُهُمْ:** ضامَ يَضِيمُ ضَيْمًا [ضرَبَ يَضْرِبُ] ظَلْمَهُ وَقَهْرَهُ کسی پر ظلم کرنا۔ قهر کرنا۔ دباو ڈالنا۔ **ضَيْمُهُمْ:** ان کا ظلم، قهر، خخت دباو، ان کے ظلم، قهر اور خخت دباو نے۔

فَتَبَثَّتُوا: ثَبَتَ يَثْبَثُ ثَبَاتًا [نَصَرَ يَنْصُرُ] کے معنی ہیں۔ ایک حالت پر جم کر رہنا۔ دیر تک قائم رہنا۔ ثابت قدم رہنا وَتَبَثَّتَ [تَفَعُّلٌ] فِي الْأَمْرِ وَالرَّأْيِ: (۱) کسی کام یا رائے میں آہستگی سے کام لینا [المجنجد۔ مصباح] ویم لین [William Lane] He acted or [Tَبَثَّتَ او رِاسْتَبَثَّتَ] کے معنی لکھتا ہے : **proceeded [firmly, steadily]** deliberately or leisurely. یعنی اس نے مضبوطی اور ثابت قدمی، دیدہ دانستہ یاطمینان کے ساتھ کام کیا [مد القاموس۔ جلد (۱)] ص ۳۲۹ زیر ثبت (۵)

تَبَثَّتْ سے (فعل ماضی صیغہ جمع نہ کر غائب) تَبَثَّتُوا بنا ہے اسکے معنی ہوئے: وہ مضبوطی، ثابت قدی اور اطمینان کیسا تھا دیدہ و دانستہ اپنے موقف پر جنم رہے۔ ف: حرف عطف ہے یہ واد کی طرح معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان مغائرت نہیں بلکہ تعلق ظاہر کرتا ہے۔

فَتَبَثَّتُوا: طالموں نے صحابہ پر ظلم کیا اور صحابہ نے اس کے مقابل ثابت قدی دکھائی۔ ظلم عمل تھا (طالموں کا) اور ثابت قدی رد عمل تھا صحابہ کا۔

بِعِنَاءَيَة: عَنِیٌّ یَعْنِی عَنِیَاوَعِنَاءَیَةٌ [باب ضَرَبَ يَضْرِب] :أَوْ أَدَّ. ارادہ کرنا وَ قَصَدَ۔ قصد کرنا۔ اور محاورہ ہے: عَنِیَ اللَّهُ بِهِ عِنَاءَیَةٌ اور اس کے معنی ہیں حفظہ اس کی حفاظت کی، پس اللہ تعالیٰ کی عنایت سے مراد اس کی حفاظت ہے۔ [اقرب ۱/۸۳۱ والمنجد]

ترجمہ: لوگوں [یعنی مخالفوں اور دشمنوں] کے ظلم و ستم اور ان کے قہر نے ان کو نکلوئے نکلوئے کر دیا۔ لیکن منت و احسان والے خدا تعالیٰ کی حفاظت سے یہ اطمینان کے ساتھ اپنے موقف پر چڑان بن کر رہے۔

تشریح: اس شعر کی صداقت پر تاریخ اسلام کے دور اول کے واقعات سے ناقابل تردید شہادت ملتی ہے۔ یہاں صرف چند واقعات درج ہیں۔

[۱] حضرت بلال بن رباح ایک جبشی غلام تھے۔ ان کا مالک ایک مشرک رہیں اُمَیَّةُ بْنُ خَلَفَ تھا۔ ابتدائی کی دور میں بلال جبشی نے دعوتِ اسلام قبول کی۔

غالباً آپ سے پہلے صرف پانچ چھوٹے نقوص ہی دائرہ اسلام میں آئے تھے۔

قبول اسلام کے جرم کی پاداش میں ان کا ظالم مالک نہایت ظالمانہ تکلیف رسانی سے پریشان کرتا رہتا تھا۔ ”حضرت بلال کو جب عرب کی چلچلاتی ہوئی دھوپ میں میں دوپھر کے وقت پھر لیے پتے ہوئے میدان میں لٹا کر سینہ پر گرم پھر کھے جاتے

اور پھر ان سے کہا جاتا کہ اسلام کو چھوڑ دو تو ان کی زبان سے بے ہوشی کی حالت میں بھی احد احد کا لفظ ہی نکلتا۔ یعنی خدا ایک ہے۔ (۶۱)

(۲) عَمَّار: حضرت عمار، ان کے والد یاسر اور ان کی والدہ سُمَیَّةُ بنتِ خُبَاطِ بْنِ مُخْزُومَ کے غلام تھے۔ اور قبول اسلام کے جرم کیلئے بہت ستائے گئے۔

”حضرت عمار کے والد یاسر اور ان کے والدہ سُمَیَّةُ۔ دونوں خطرناک اذیت پہنچا کر شہید کئے گئے۔ ان کی تکلیفوں کا حال سن کر روگئے کھڑے ہو جاتے ہیں عموماً عذاب کا طریق یہ تھا کہ دوپہر کے وقت جلتے ہوئے سُکریزوس پر لٹا دیتے اور مارتے۔ عمار کے ساتھ بھی یہی سلوک ہوتا رہا۔ مگر ان کی والدہ سُمَیَّةُ کو ابو جہل نے شرم گاہ میں برچھی مار کر ہلاک کر دیا۔“ (۶۲)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:-

عَذَّبَهَا أَبُو جَهَلٍ وَطَعَنَهَا فِي قُبْلَهَا. فَمَاتَتْ فَكَانَتْ أَوَّلَ شَهِيدَةً فِي الْإِسْلَامِ.

[اسلام قبول کرنے کی پاداش میں] ابو جہل عین اس کو عذاب دیا کرتا تھا۔ اس نے اس مسلمان خاتون کی شرم گاہ میں برچھی ماری اس سے یہ اسلام میں پہلی شہیدہ بن گئی (۶۳)

طبقات ابن سعد میں اسی شہیدہ کے متعلق لکھا ہے:

وَهِيَ أَوَّلُ شَهِيدَةً فِي الْإِسْلَامِ. وَكَانَتْ عَجُوزًا كَبِيرَةً ضَعِيفَةً. یعنی یہ خاتون اسلام میں شہید اول ہے۔ اور شہادت کے وقت بڑی عمر

(۶۱) سیرت خیر البشر۔ ازمولا ناجم علی لاہوری۔ ص ۲۶۔ بحوالہ ابن ہشام جلد ۱: ۳۱۸

(۶۲) سیرت خیر البشر

(۶۳) اصحابی تیز الصحابة۔ جلد ۲ ص ۳۷۲ ترجمہ سُمَیَّة

رسیدہ اور کمزور بڑھیا تھی۔” (۲۴)

خباب بن الارت پر کیا بیتی۔ وہ اسے خود حضرت عمرؓ کے دربار میں اس طرح بیان کرتے ہیں:-

أَخْذُونِي وَأَوْقَدُوا لِي نَارًا ثُمَّ سَلَقُونِي فِيهَا. ثُمَّ وَضَعَ رَجُلٌ
رِجْلَهُ عَلَى صَدَرِي فَمَابَرَدَتِ الْأَرْضُ إِلَّا بَظَهَرَتِي. یعنی ان ظالموں
نے مجھے کپڑا اور آگ جلائی پھر مجھے ان انگاروں پر چت لٹایا۔ پھر ایک ظالم نے
میرے سینے پر اپنا پاؤں رکھا [تاکہ میں حرکت نہ کرسکوں] یہاں تک کہ زمین میری
پیٹھ کے نیچے ٹھنڈی ہو گئی۔

ثُمَّ كَشَفَ عَنْ ظَهَرِهِ فَإِذَا هُوَ قَدْ بَرِصَ . یہ کہہ کر حضرت خباب
نے اپنی پیٹھ سے کپڑا اٹھا کر حاضرین کو دکھایا۔ تو یہ برص کے داغوں کی طرح سفید
تھی، (۲۵)

غرض ظلم و ستم کا سلسلہ بہت طویل ہوا۔ لیکن یہ سب مظلوم مرد اور عورتیں سب
جور و جفا برداشت کرتے رہے۔ اور اپنے موقف پر چٹانوں کی طرح ڈٹے رہے۔
بنا کر دند خوش رسم، بخارک و خون غلطید نہ
خدا رحمت کندایں عاشقان پاک طینت را

زبور میں لکھا ہے:

”صادق کی مصیبیں بہت ہیں۔ لیکن خدا وند اس کو ان سب سے رہائی بخشتا
ہے۔ وہ اس کی سب ہڈیوں کو محفوظ رکھتا ہے۔ ان میں سے ایک بھی نہیں توڑی جاتی۔
بدی شریر کو بلاک کر دیگی۔ اور صادق سے عداوت رکھنے والے مجرم مٹھریں گے۔“

[زبور: ۳۵: ۱۹-۲۲]

شعر.....۱۶

**نَهَبَ اللِّئَامُ نُشُوبَهُمْ وَعَقَارَهُمْ
فَتَهَلَّلُوا بِجَوَاهِيرِ الْفُرْقَانِ**

نهب: نَهَبَ [فعل / نَصَرَ] نَهَبَا . مال غَيْمَتْ لَوْثَا - غَيْمَتْ جَانْ كَرْ لَوْثَا -
نهب . اس نے [یا انہوں نے غَيْمَتْ جَانْ کر] لَوْثَا -

اللِّئَامُ: لَوْمَ يَلُومُ [كَرْمَ يَكْرُمُ] لَوْمًا مَلَامَةً اور لَآمَةً . بذاتِ یادِ
اصل ہوتا بخیل ہوتا - ذلیل ہوتا - اس سے صفتِ لَثَیْمٌ ہے اس کی جمع لِئَامٌ يا لَوْمَاء
ہے - یعنی ذلیل اور کمینہ لوگ نَهَبَ اللِّئَامُ . کمینہ ذلیل لوگوں نے [مال غَيْمَتْ جَانْ
کر] لَوْث لیا -

نُشُوبَهُمْ: نَشَبَ [شعر ۱۲] کی جمع نُشُوبٌ منقول وغیر منقولہ جائیداد - مال
متاع -

عَقَارَهُمْ: العَقَارُ : متاعِ البيت : گھر کا سامان [اقرب (۱)] عَقَارَهُمْ
ان کے گھر یا سامان کو بِجَوَاهِيرِ : جَوْهَرٌ کے معنی ہیں کُلُّ حَجَرٍ يُسْتَخْرُجَ
مِنْهُ شَيْءٌ يُنْتَفَعُ بِهِ . ہر دہ پھر جس سے کوئی ایسی چیز نکالی جائے جس سے انسان کو
فائدہ ہو۔ [اقرب (۱۳۶)] اس کی جمع ہے - جَوَاهِيرُ .

جَوَاهِيرِ الْفُرْقَانِ . فرقان کے جواہر
بِجَوَاهِيرِ الْفُرْقَانِ . فرقان کے جواہر سے

الْفُرْقَانِ:- یہ مصدر ہے بطور اسم استعمال ہوتا ہے اور اس کے معنی ہیں : کُلُّ
مَا فُرِقَ بِهِ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ ہر دہ چیز جس سے حق اور باطل کے درمیان فرق

کیا جا سکے۔ اس کے اور معنی ہیں: (۱) الْضُّرُّ مَدْ (۲) الْبَرْهان۔ دلیل (۳) وَالصُّبُحُ أَوَ السَّحُورُ۔ صحیح یا سخر (۴) والقرآن۔ قرآن مجید (۵) التورات۔ توریت۔ [اقرب جلد (۱) ۹۲۰ منجد]

بِجَوَاهِرِ الْفُرْقَانِ۔ قرآن مجید کے جواہر سے

ترجمہ: دلیل لوگوں نے ان [صحابہ کرام] کے اموال لوٹ لئے۔ ان کا گھر یا سامان تک چھین لیا گیا۔ لیکن صحابہ کرام نے اس دنیاوی اور فانی مال و متاع پر قرآن مجید کے روحانی لعل و جواہر کو ترجیح دی اور ان کو حاصل کر کے بہت خوش تھے۔

تشريع: حضرت رسول اکرمؐ نے اپنے مبارک قول اور اسوہ حسنہ سے صحابہ کرام کی تربیت کی اور ان کو آخرت رخ (Akhirat Oriented) اتنا یا۔ ان کے دل اس یقین سے معمور تھے کہ

**وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَعْبٌ وَلَهُوَ الْأَكْبَرُ وَلَلَّهُ دَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ
لِلّذِينَ يَتَّقُونَ**

”اور دنیا کی زندگی صرف کھیل اور بے حقیقت مشغله ہے، اور آخرت کا گھر یقیناً ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو تقویٰ کرتے ہیں۔“ [الانعام (۶) ع (۲) ۳۲:]

فَمَا مَنَعَ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ ۝

سودنیا کی زندگی کا سامان آخرت کے مقابلے میں تھوڑا ہی ہے [الاتعام (۹) ع (۲) ۳۸:] اس فلسفہ زندگی کو قبول کر کے دنیاوی زندگی اور اس زندگی کے سامان کی وقت و اہمیت بمقابلہ آخرت زیادہ نہیں رہی۔ اس کے برعکس کافر کی نظر میں اس فانی دنیا کو ہی اہمیت حاصل ہے۔ کافروں نے ان سے فانی چیزیں چھین لیں۔ اور صحابہ نے اسکی پرواہ نہیں کی۔ قرآنی لعل و گہران کی نظر میں بیش بہادر دلت تھی۔

شِعْر.....۱۷

**كَسَحُوا بُيُوتَ نُفُوسِهِمْ وَتَبَادَرُوا
لِتَمْتَعُ الْإِيمَانِ وَالْإِيمَانِ**

كَسَحُوا: كَسَحَ يَكْسَحُ كَسْحًا [فعلٌ يَفْعُلُ] (۱) الْبَيْت .
كَنْسَةٌ گھر میں جھاؤ دینا (۲) ثُمَّ اسْتَعِيرُ لِتَقْيِيَةِ الْبَشِّرِ وَالنَّهْرِ وَغَيْرِهِ .
 استعارہ میں کنوں۔ دریا وغیرہ سے گاڈ باہر نکال کر اس (کنوں وغیرہ) کو صاف کرنا
 یعنی (Dredging) **كَسَحُوا** [فعل ماضی صیغہ جمع مذکور غائب] (۱) انہوں نے جھاؤ
 دیا (۲) انہوں نے گاڈ اور تلچھت کھڑج کرنکا۔ [اقرب ۲/۱۰۸۳]

بُيُوتَ: بَيْتٌ [اسم] - واحد - مذکر [مسکن] - گھر۔ وہ جگہ جہاں آدمی رات گزار
 سکے۔ اس کی جمع ہے بُيُوتٌ. **بُيُوتَ نُفُوسِهِمْ**. ان کے نفوں کے گھروں کو
 لِتَمْتَعُ. مَتَعَ يَمْتَعُ مُتُوْعًا [فعلٌ يَفْعُلُ] : طال یعنی لما ہونا اس سے باب تفععل
 میں مصدر تَمَتَّع بنتا ہے تَمَتَّع بِكذا یا مِنْ كَذَا کے معنی ہیں اِنْفَعَ بِهِ
 زَمَانًا طَوِيلًا۔ کسی چیز سے طویل زمانے تک فائدہ اٹھانا۔ [اقرب ۲/۱۱۸۱]

لِتَمْتَعُ۔ زمانہ دراز تک فائدہ اٹھانے کے لئے۔

الْإِيمَانِ: يَقْنَنَ يَقِنْ يَقْنَأوْ يَقْنَأ [باب سَمِعٍ] کے معنی ہیں ثابت
 وَوَضَحَ یعنی کسی بات کا ثابت ہونا روشن یا واضح ہونا۔ اس سے باب افعال إِيمَان
 باب تَفَعُّلٌ تَيَقَّنٌ اور باب اسْتِفْعَالٌ إِسْتِيَقَّانٌ بنے ہیں اور اِيْقَنَ، تَيَقَّنَ اور
 اسْتِيَقَّنَ کے معنی ہیں عَلِمَه وَتَحَقَّقَه اس نے بات کو جان لیا اور اس پر یقین کر لیا
 اور یقین کے معنی ہیں إِرَاحَةُ الشَّكِ وَتَحْقِيقُ الْأَمْرِ. شک دور کرنا اور بات

[۱۵۰۰/۲] کو ثابت کرنا۔ [اقرب]

الْإِيمَانُ: أَمِنَ يَأْمَنُ أَمْنًا وَآمَنَا وَآمِنَةً [باب سمعٍ يسمع] : إِطْمَانٌ مطمئن ہونا۔ سَلِيمٌ محفوظ ہونا۔ اسی سے باب افعال میں مصدر ایمان بنتا ہے۔ اور امن یوْمِنْ ایمان کے معنی ہیں:- (۱) کسی کو امن دینا۔ (۲) (بہ) صَدَقَه وَوَثْقَ بِهِ۔ کسی کی تصدیق کرنا اور اس پر یقین کرنا۔ (۳) - (ل) حَضَرَ وَانْقَادَ۔ کسی کا تابع دار اور مطیع ہونا۔ [اقرب جلد (۱) ۱۲۰]

دینی اصطلاح میں **الْإِيمَانُ** کے معنی ہیں اللہ اور اس کے رسول کی تصدیق کرنا۔

ترجمہ: ان لوگوں نے اپنے نفوں کے گھروں کو جہاڑو دے کر صاف کیا۔ [یا کھرج کر ان میں جبی ہوئی میل ہٹا کر انہیں پاک و صاف کیا۔] اور ایقان و ایمان کی متع میں ان کو پر کرنے کے لئے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے رہے۔

تشریح:- متفق علیہ حدیث میں ارشاد ہے:- **الْأَوَانَ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةٌ إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ** سنو! جسم میں ایک ٹکڑا گوشت کا ہے، جب وہ درست ہو گا تو سارا جسم درست رہتا ہے اور جب وہ بگڑ جائے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے **الْأَوَاهِيَ الْقَلْبُ** سنو وہ دل ہے۔ (۲۲)

جسمانی قلب کے مقابل روحاںی دل ہے جس کا یہاں ذکر ہے یہی روحاںی دل سوچ سمجھ غور و فکر ایمان و ایقان اور علم و معرفت کا اصل مقام ہے۔ اسی سے عقل بھی مراد ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

(۲۲) بخاری پاک الایمان [۲] باب [۳۹] فصل (۱) ۲۵ ح ۲۷ [نمان بن بشیر] مسلم جلد (۱) ک (۲۲) باب (۱۵)

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذِكْرًا لِمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ [٣٢: ٥٠] (ق)

اس میں اس کے لئے صحبت ہے جس کا دل ہے، اور یہی دل تقویٰ کا اصل مقام ہے۔ حضرت نبی کریمؐ نے اپنے دل مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تین بار فرمایا: - التَّقْوَىٰ هُنَّا [لوگو!] تقویٰ کا مقام یہ [یعنی دل] ہے۔ (۶۷) اور تقویٰ دراصل شرہ ہے ایمان اور ایقان کا۔

پس ایمان اور ایقان سے مستحق ہونے کے لئے ضروری ہے کہ دل کو پاک و صاف رکھا جائے۔ اس کو بُرے خیالات - برے جذبات اور بُری خواہشات سے بچایا جائے۔ اس میں جوش و کفر حرص ہوا، کبر و نخوت، لالج وغیرہ کی میل ہو وہ ہٹائی جائے جس طرح نہر یا کنویں کی تہہ سے گاڈا اور تپخت ڈر تچ Dredge سے کھرچ کر باہر نکالی جاتی ہے۔ اسی طرح دل کی تہہ سے بھی یہ روحانی پلیدی باہر نکال دینا ضروری ہے۔ اس کے بعد ہی اس میں ایمان و ایقان کا نور قرار پکڑ سکتا ہے۔

صحابہ کرام نے حضور پر نورؐ کے فیض صحبت سے اپنے نفوس کو روحانی پلیدی سے پاک و صاف کر لیا۔ مثلاً مال و دولت کی محبت بہت شدید ہوتی ہے دنیا میں اکثر فساد اور فتنے اسی محبت زر و مال سے پیدا ہوتے ہیں۔ لوث مار، قتل و غارت، ڈاکر زنی وغیرہ جرام بھی اسی غبیث درخت کی شاخیں ہیں۔ صحابہ کرام نے اس شدید محبت زر کو اپنے نفوس سے مٹا دالا۔

ایک دفعہ ایک غریب آدمی انڈے کے برادر سونا لے کر خدمت نبوی میں آیا۔ اور عرض کرنے لگا: یا رسول اللہ! میں نے اسے ایک کان میں پایا۔ آپ اس کو [تقویٰ کام کے لئے] لیجھے یہ صدقہ ہے میرے پاس [اس کے بغیر] اور کوئی مال

نہیں۔“حضور نے کئی بار اس سے منہ پھیر لیا۔[کیونکہ اس غریب عیال دار آدمی کے پاس کچھ تھا ہی نہیں۔ اس لئے وہ خود اس کا محتاج تھا] مگر وہ بار بار عرض کرتا رہا۔(۲۸) حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ حضور نے ایک [قومی ضرورت کیلئے] صدقہ دینے کا حکم دیا۔ اس وقت میرے پاس کافی مال تھا۔ میں نے جی میں کہا: آج میں ابو بکر پر ضرور سبقت لے جاؤں گا۔ میں اپنا نصف مال لے کر خدمتِ نبوی میں آیا۔ حضور نے فرمایا: ماَبَقِيْتُ لِأَهْلِكَ [اے عمر! اپنے گھر والوں کے لئے کیا رکھا، حضرت عمرؓ نے عرض کیا: مثلاً۔ اس کے مثل یعنی اس کے برابر۔“ وَاتَّى أَبُوبَكْرٍ بِكُلِّ مَا عِنْدَهُ اتنے میں ابو بکر بھی آئے۔ یہ اپنا سارا مال و جائیداد [جو کچھ بھی ان کے پاس تھا] لے کر آئے۔ حضور پر نورؓ نے اس سے بھی فرمایا: ماَبَقِيْتُ لِأَهْلِكَ [اے ابو بکر!] اپنے اہل و عیال کے لئے کیا چھوڑا۔ حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا:۔۔۔ ابَقِيْتُ لَهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ۔ میں نے ان کے لئے اللہ اور اس کا رسول چھوڑا۔“ یعنی میرے اور میرے اہل و عیال کے لئے اللہ اور اس کا رسول کافی ہیں۔

پروانے کو جاغ ہے، بلبل کو پھول پس
صدیق کے لئے ہے خدا کا رسول بس (اتبان)
یہ واقعہ پچشم خود دیکھ کر حضرت عمرؓ نے کہا:۔۔۔ لاَسَابِقُكَ إِلَى شَيْءٍ أَبَدًا
(اے ابو بکر!) میں کسی بھی نیکی میں آپ پر سبقت نہیں لے سکوں گا۔(۲۹)
یہی حال دوسری خواہشات یا دوسری روحانی ناپاکیوں کا بھی تھا۔

(۲۸) ابو داؤد جلد (۱) ک الزکوۃ (۹) باب ۵۶۳ ح ۱۶۰۹

(۲۹) ابو داؤد جلد (۱) ک الزکوۃ (۹) ب ۵۶۳ ح ۱۶۶۳

شِعْر.....۱۸.....

**قَامُوا بِاِقْدَامِ الرَّسُولِ بَغْزُوْهُمْ
كَالْعَاشِقِ الْمَشْغُوفِ فِي الْمَيْدَانِ**

قَامُوا: قَامَ يَقُومُ قَوْمًا وَقِيَامًا [نَصَرَ يَنْصُرُ] (۱) کھڑا ہونا (۲) قیام کرنا (۳) چلنے سے رکنا (۴) قام بِالْأَمْرِ. تَوَلَّهُ کسی کام کی ذمہ داری قبول کرنا۔ [اقرب ۱۰۵۳]۔ اسی سے [ماضی صینہ جمع مذکر غائب] قَامُوا: بنائے۔ اس کے معنی ہیں: (۱) وہ کھڑے ہوئے۔ (۲) انہوں نے قیام کیا (۳) انہوں نے ذمہ داری قبول کی اور ذمہ داری کا حق ادا کیا۔

بِاِقْدَام: قَدَمَ [نَصَرَ] سبقت لینا قَدِيمَ [سَمِعَ] مِنْ لُوْثَنَا۔ إِلَى۔ ارادہ کرنا اور قَدَمَ وَقَدِيمَ [نَصَرَ وَسَمِعَ] قَدْمًا وَقُدُوشًا مَاعْلَى قِرْنَهِ۔ اپنے مقابل پر جرات کرنا۔ اور اسی باب افعال میں مصدر اِقدَام بنائے۔ اِقدَمَ عَلَى الْأَمْرِ۔ شَجَعَ۔ کسی کام میں دلیری کرنا۔ اِقدَمَ عَلَى قِرْنَهِ۔ اجْتَرَأَ عَلَيْهِ۔ اپنے م مقابل حریف، دشمن کے خلاف جری اور دلیری ہونا۔

إِقْدَامُ الرَّسُولِ: رسول کا [حملہ آوروں کے خلاف] پیش قدمی کرنا۔ [دشمنوں کے خلاف] جری اور دلیری ہونا۔

قَامُوا بِاِقْدَامِ الرَّسُولِ: رسول کے اقدام سے ان پر جو ذمہ داری عاید ہوئی۔ اس کو ان لوگوں نے اچھی طرح ادا کیا۔

بَغْزُوْهُمْ: غَزَا يَغْزُوْغَزُوا وَغَزَوَانَا وَغَزَاؤَهُ [بَابُ نَصَرَ يَنْصُرُ] کے اصلی معنی ہیں۔ ارادۂ وَطَلَبَةٍ وَقَصَدَهُ کسی چیز کا ارادہ کرنا۔ اس کو طلب کرنا،

اس کا قصد کرنا۔ **غَزَ الْعَدُوَّ** کے معنی ہیں۔ سَارَ إلَى فَتَاهِهِمْ وَأَنْتَهَا بِهِمْ فِي
دِيَارِهِمْ۔ یعنی دشمن کے ہاں لڑنے کیلئے جانا اور اُنکے گھروں کو لوٹانا۔ [اقرب]
غَزُوهُمْ: ان کا دشمن کے مقابل [مردانہ وار] نکلا۔ **بِغَزِوْهُمْ**: [دشمن کے مقابل
مردانہ وار] نکلنے سے۔

الْمَشْغُوفِ: شَغَفَ يَشْغَفُ شَغْفًا [فعل يَفْعُلُ]. أَصَابَ شَغَافَهُ
دل کی جھلی کو صدمہ پہنچانا۔ شَغَفَ فُؤَادَهُ عَلَاهُ دل پر چھا جانا شَمَلَهُ۔ دل پر
غالب آنا شَغَفَ [سَمِعَ] اور شَغَفَ بِهِ کسی کی محبت میں فریفہ ہونا مَشْغُوفُ۔
الْمَجْنُونُ حُبًّا. محبت میں دیوانہ۔ [اقرب ۵۹۸/۱]

ترجمہ: حضرت رسول کریمؐ کی پیش تدبی سے ان پر جو ذمہ داری عاید
ہوئی۔ اس کو انہوں نے میدان کارزار میں دیوانہ وار لڑتے ہوئے ادا کیا۔

تشریح: اسلام اور مسلمانوں کی مدافعت کے لئے حضرت نبی رحمت صلی
اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تواریخا کرمیدان جنگ میں بھی اپنا فرض انجام دینا پڑا۔ جان ثار
صحابہ نے بھی عشق نبی کا حق ادا کیا۔

جنگ بدر کے واقعات: قریش نے مکہ معظملہ سے آکر مدینہ منورہ میں
سکونت پذیر مسلمانوں پر رمضان ۲۷ / مارچ ۶۲۲ء میں دھوا ابول دیا۔ اور ان کے
مقابل میدان بدر میں مسلمان تیرہ سو (۱۳۰۰) مسلح حملہ آوروں کے مقابل
کھڑے ہو گئے۔ یہ پہلی معرکہ آرائی تھی اور حضور نے مشرق سورا ماؤں کو دیکھ کر فرمایا:
هَذِهِ مَكَةُ قَدَّالَقْتُ إِلَيْكُمْ أَفْلَأَذَكَبِدُهَا.

”(مسلمانو!) آج کہ نہ تھا رے آگے اپنے لخت ہائے جگڑاں دیئے ہیں۔“ (۷۰)

سامان جنگ اور جنگ لڑنے والوں کی تعداد صرف ۳۱۳ تھی۔ یعنی مادی لحاظ

سے حالت بہت کمزور اُنْتُمْ أَذْلَةٌ تھی۔ اور بظاہر کافروں کے لشکر جرار کے مقابل تکنا موت کے منہ میں چھلانگ لگانے کے متراوٹ تھا۔ لیکن عاشقان نبی انجمام سے لاپرواہ تھے۔ چنانچہ انصار کی طرف سے حضرت سعد بن معاذ نے تقریر کی اور کہا: فَقَدْ أَمْتَابَكَ وَصَدَقْنَاكَ وَشَهِدْنَا أَنْ مَاجِنْتَ بِهِ هُوَ الْحَقُّ وَأَعْطَيْنَاكَ عَلَى ذَالِكَ عُهُودَنَا وَمَوَاثِيقَنَا عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فَأَمْضِ يَا رَسُولَ اللَّهِ لَمَا أَرْدَثَ فَنَحْنُ مَعَكَ فَوَاللَّهِ بَعْدَكَ بِالْحَقِّ لَوِا سْتَعْرَضْتَ بِنَا هَذَا الْبَحْرَ فَخُضْتَهُ لَخُضْنَا مَعَكَ مَا تَحَلَّفَ مِنَّا رَجُلٌ وَاحِدٌ وَمَانِكَرَهُ أَنْ تَلْقَى بِنَاعِدُونَاغَدًا إِنَّا صَبَرْنَا فِي الْحَرْبِ صَدُقٌ فِي الْلِقَاءِ لَعَلَّ اللَّهُ يُرِيكَ مِنَّا مَا تَقْرُبُهُ عَيْنُكَ فَسِرْبِنَاعَلِيٌّ بَرَكَةُ اللَّهِ (۱۷) یعنی [یا رسول اللہ!] ہم یقیناً آپ پر ایمان لا چکے ہیں۔ آپ کی نبوت و رسالت کی تصدیق کر چکے ہیں۔ اور یہ شہادت دے چکے ہیں کہ آپ نے جو چیز لائی ہے وہ حق ہے۔ اور اس پر ہم آپ کے ساتھ وعدے کر چکے ہیں۔ اور آپ کی [بلاشرط] فرمانبرداری و حکم برداری کے متعلق عہد بھی کر چکے ہیں۔ پس اے اللہ کے رسول! آپ جہاں چاہیں تشریف لے چلیں۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ قسم اس خدا تعالیٰ کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا۔ اگر آپ ہمارے سامنے بخوبی کران بھی لے آئیں۔ اور اس میں خود داخل ہوں۔ تو ہم پچھے نہیں رہیں گے۔ ہم بھی آپ کی ساتھ اس میں داخل ہوں گے۔ ہمارا ایک آدمی بھی پچھے نہیں رہیگا۔ ہم اس بات سے ناخوش نہیں کہ کل آپ ہمیں ساتھ لے کر دشمن کے سامنے معمر کہ آ را ہوں گے۔ ہم جنگ میں ڈٹ کر لڑنے والے اور دشمن کے سامنے حق شجاعت ادا کرنے والے ہیں۔ امید ہے اللہ تعالیٰ ہمارے کارنا موں سے آپ کو خوش کرے گا۔ پس اللہ تعالیٰ کا بارکت نام لے کر ہمیں ساتھ لے کر میدان جنگ میں چلئے۔“

مسلمان غازیوں میں عاشق رسول سواد بن غزیہ صف سے ذرا آگے بڑھے تھے۔ حضور نے صف سیدھے کرتے وقت اپنا تیر اس کے پیٹ سے لگایا اور فرمایا: **إِسْتُوْ يَاسَوَادُ**۔ اے سواد، صف میں برابر کھڑا رہو، اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کے تیر سے مجھے تکلیف پہنچی۔ حالانکہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے حق والنصاف کے ساتھ مبوعث کیا ہے۔ ”حضور نے اپنے بطن اطہر سے کپڑا اٹھا کر فرمایا: ”اچھا مجھ سے تکلیف کا بدلہ لے لو۔“ سواد فوراً آپ کے جسم اقدس کیسا تھا لپٹ گیا اور آپ کے بطن اطہر کے بو سے لینے لگا۔ حضور نے فرمایا: **مَا حَمَلَكَ عَلَى هَذَا يَاسَوَادُ**۔ اے سواد! ایسا کرنے پر تمہیں کس چیز نے ابھارا؟ سودا نے عرض کیا: یا رسول اللہ! حَضَرَ مَاتَرَى فَارَدَثُ أَن يَكُونَ الْخَرُّ الْعَهْدِ بِكَ أَنْ يَمْسَ جَلْدِي جَلْدَكَ۔ ”یا رسول اللہ! جو واقعات ہمارے سامنے ہیں۔ انہیں آپ دیکھ رہے ہیں۔ [موت میرے سر پر منڈل ارہی ہے] اس لئے میں نے چاہا آپ سے آخری ملاقات اس حالت میں ہو کر آپ کے مبارک جلد سے میری جلد چھو کر فیضیاب ہو جائے۔“

حضرت رسول رحمت نے جان شار عاشق کا یہ جذبہ عقیدت اور جوش محبت دیکھ کر اس کے حق میں دعا فرمائی۔ (۷۲)

جنگ بدر میں قریشی سور ماعاص بن ہشام بن مغیرہ غیظ و غضب کے ساتھ میدان جنگ میں آیا۔ یہ حضرت عمر کا حقیقی مامول تھا۔ حضرت عمر نے خود اس سے مقابلہ کیا اور ایک ہی وار میں اسے قتل کیا۔

کافروں کے سپہ سالار عتبہ بن ربیعہ کے مقابلہ اس کا بینا حضرت ابوخذلہ ہاشم بن عتبہ نکلے۔ لیکن رحمت علم نے پسند نہیں کیا کہ بیٹے کی تلوار سے باپ

قتل ہو جائے۔ اس لئے حضرت ابو حذیفہ مقابله سے ہٹائے گئے اور حضرت حمزہ نے آگے بڑھ کر عقبہ قتل کر دا۔ (۷۲)

جنگ سے پہلے قریش نے عمر بن وہب کو مسلمان فوج کے حالت معلوم کرنے کے لئے بھیجا۔ یہ تجربہ کار جاسوس گھوڑے پر سوار ہو کر سب حالات بغور دیکھ کر قریش کے پاس لوٹا۔ اور کہنے لگا:- مَا وَجَدْتُ شَيْئًا . وَلَكِنِي قَدْ رَأَيْتُ مَعْشَرَ قَرِيْش ! الْبَلَى يَاتَّهُمْ الْمَنَآيَا . وَنَوَاضِحُ يَتْرَبَ تَحْمِلُ الْمَوْتَ النَّاقِع . قَوْمٌ لَيْسَ مَعَهُمْ مَنْعَةٌ وَلَامْلَجَأَ إِلَيْهِمْ

”میں نے [چھپی ہوئی جماعت یاد کا ذریعہ] تو کوئی دیکھا نہیں۔ لیکن اے قریشیو! میں نے موتوں کو اونٹیوں پر سوار دیکھا۔ شرب سے آئی ہوئی اونٹیوں پر موتیں سوار ہیں۔ ان بہادروں کے ساتھ نہ حفاظت کا کوئی سامان ہے۔ نہ ان کے لئے پناہ گاہ ہے ان کے ساتھ صرف ان کی تلواریں ہیں“ (۷۳)

گویا میدان بدر میں ہر مسلمان پیکر موت بنا ہوا تھا کوئی صحابی موت سے خائف نہیں تھا۔ ان کا حال بتا رہا تھا۔

۔ شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن

نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

(۷۲) ابن بشام جلد (۱) جز (۲) ص ۲۲۶

(۷۳) ابن بشام جلد (۱) جز (۲) ص ۲۲۲

شعر ۱۹

**فَدَمُ الرِّجَالِ لِصِدْقِهِمْ فِي حُبِّهِمْ
تَحْتَ السُّيُوفِ أُرِيقَ كَالْقُرْبَانِ**

فَدَمُ: دراصل لفظ دمَىٰ یا دَمَوْ تھا۔ آخری حرف حذف ہو کر دَمَ رہ گیا۔ اور اس کے معنی ہیں: سائلِ أحمرِ سریٰ فی عروقِ الحیوان۔ وہ لال مائع جو حیوان کی رگوں میں بہتا ہے یعنی خون [اقرب ۳۰۲/۱] دَمُ الرِّجَالِ: مردوں کا خون۔ یعنی خدا تعالیٰ کی راہ میں لڑنے والے صحابہ کرام کا خون۔
 لِصِدْقِهِمْ: لام عاقبت ہے۔ مطلب ہے ان کا صدق ظاہر یا ثابت کرنے کیلئے۔
 فِي حُبِّهِمْ: ان کے محبت ہیں۔ لِصِدْقِهِمْ فِي حُبِّهِمْ ان کی محبت کا صدق ثابت کرنے کے لئے۔

السُّيُوفِ: السَّيْف. تلوار۔ جمع السُّيُوفِ وَأَسْيَافِ تَحْتَ السُّيُوفِ۔ تلواروں کے نیچے۔ یعنی دشمنوں کی تلواروں کے نیچے۔
أُرِيقَ: رَاقِ بَرِيقُ رَيْقاً [ضَرَبَ يَضْرِبُ] پانی کا سطح زمین پر بہنا۔ اس سے باب افعال میں آرَاقِ يُرِيقُ ارَاقةٌ تا ہے آرَاقُ الْمَاء۔ صَبَّةٌ۔ پانی بہایا۔ [اقرب ۲۵۱/۱] اسی سے فعلِ مضارِ مجهول (واحد نہ کر غائب) بنتا ہے اُرِيقَ۔ بہایا گیا **كَالْقُرْبَانِ: الْقُرْبَانُ:** کُلُّ مَا يَتَقَرَّبُ بِهِ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى مِنْ ذَبِيْحَةٍ وَغَيْرِهَا۔ [اقرب ۹۷۸/۱] بروہ چیز جس سے اللہ کا قرب حاصل کیا جاسکے، چاہے ذبح کیا ہو جانور ہو یا اس کے بغیر کوئی اور چیز۔
كَالْقُرْبَانِ: قربان کی طرح۔ یعنی ان جانوروں کی طرح جو قربان کئے گئے ہیں

ترجمہ:- پس ان مردوں کے خون [دشمنوں کی] تلواروں کے نیچے اسی طرح بہائے گئے جس طرح قربانی کے جانوروں کا خون بہایا جاتا ہے اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ [خدا اور رسول] کے ساتھ [محبت رکھنے] میں سچے تھے۔

تشریح:- شعر کے دوسرے مرصد میں السیوف کا اال مضاف الیہ کے عوض ہے۔ گویا اصل عبارت ہے: تَحْتَ سُيُوفِ الْأَعْذَادِ۔ یعنی دشمنوں کی تلواروں کے نیچے اسی طرف القربان مضاف الیہ ہے اور اس کا مضاف منزووف ہے۔ اصل عبارت ہے أَرِيقَ كَدِيمَ الْقُرْبَانَ بَهَا يَا گیا [ان مردوں کا خون] قربانی کے جانور کے خون کی طرح۔ اس شعر میں صحابہ کرام کی جانی قربانیوں کا ذکر ہے۔ محدث قسطلانی نے مَوَاهِبُ الْدُّنْيَا میں لکھا ہے کہ جنگ احد [شوال ۳ھ / جنوری ۶۲۵ء] کے موقع پر مدینہ منورہ میں حضرت نبی کریم کی طرف سے منادی کی گئی کہ مکہ کے جملہ اور مدینہ کے دروازوں پر دستک دے رہے ہیں اس لئے مسلمان فوراً مقابلہ کیلئے نکلیں۔ جوان صحابی حضرت حنظله بن ابی عامر نے شادی کی تھی اور یہ رات شادی کی پہلی ہی رات تھی۔ آپ نے اعلان سنتے ہی اپنی خوبصورت دہن کو خیر باد کہا۔ اور میدان جہاد میں جانے کیلئے نکلے۔ وہاں دوسرے دن شہادت سے سرخ رو ہوئے۔ (۷۵) خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت۔

اسی جنگ میں عاشق نبی صحابی ابن اسکن حضرت رسول کریمؐ کی حفاظت کرتے ہوئے دشمنوں کی تلواروں سے زخم پر زخم کھاتے رہے۔ یہاں تک کہ چور چور ہو کر گر پڑے۔ بعد میں جناب رسول اللہؐ نے حکم دیا: أَذْنُوهُ مِنْيٍ۔ ”اس کو میرے قریب لاو“ صحابہ کرام نے اس کے زخی جسم کو حضورؐ کے قریب لا یا۔ ابھی کچھ زندگی باقی تھی۔ اس عاشق نبی صحابی نے جب نبی کریمؐ کو قریب دیکھا: فَوَسَدَهُ قَدْمَهُ فَمَاتَ

وَحَدَّهُ عَلَى قَدْمِ رَسُولِ اللَّهِ۔ (۲۷) تو اس نے زمین پر گھست کر اپنا سر جناب رسول کریمؐ کے پائے مبارک پر رکھا اور اسی حالت میں کہ اس کا چہرہ پائے محبوب پر تھا اس کی جان لکلی۔

ترے قدموں پر سر ہو اور تار زندگی ٹوٹے
بیسی انجام الفت ہے بیسی مرنے کا حاصل ہے
سمی مشرکوں کا رئیس امیہ بن خلف جنگ بدرا [۲۷] میں مسلمانوں کے ہاتھوں
مارا گیا تھا۔ اس کے عوض امیہ کے بیٹے صفوان بن امیہ نے عاشق رسول صحابی
حضرت زید بن دشنہ رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کے لئے ایک غدار جماعت سے خرید لیا۔
قتل کے دن جب آپ کو قتل گاہ میں لے گئے تو وہاں قریش کی جماعت "تماشا" دیکھنے
کے لئے موجود تھی۔ وُشن رسول ابوسفیان ابن حرب بھی ان تماشا بینوں میں موجود تھا۔
یہاں بھی اس نے رسول دشمنی کا مظاہرہ کیا۔ اس نے حضرت زید سے کہا:-

أَنْشَدَكَ اللَّهُ يَازِيْدُ. أَتُحِبُّ أَنَّ مُحَمَّداً عِنْدَنَا الْآنَ فِيْ
مَكَانِكَ نَضِرِبُ عَنْقَهُ وَأَنَّكَ فِيْ أَهْلِكَ اَزِيدَ! میں تجھے اللہ کی قسم
دلکر پوچھتا ہوں۔ بتاؤ کیا تم یہ پسند کرو گے کہ اس وقت تمہاری جگہ ہمارے پاس محمد
ہوتا اور ہم ان کی گروں اڑاتے، اور تو اپنے اہل و عیال کے پاس گھر میں ہوتے؟۔

عاشق رسول زید بن دشنہ نے دشمن رسول ابوسفیان کی اس ہرزہ سرائی کا یہ
جواب دیا:- وَاللَّهِ مَا أَحِبُّ أَنَّ مُحَمَّداً الْآنَ فِيْ مَكَانِهِ الَّذِي هُوَ فِيهِ
تُصِيبُهُ شَوْكَةٌ تُؤْذِيْهُ وَأَنَّى جَالِسٌ فِيْ أَهْلِيْ. "اللہ کی قسم! مجھے اتنا بھی
گوارنہبیں کہ (حضرت) محمد (مصطفیٰ) اس جگہ ہوں جہاں وہ اس وقت تشریف رکھے
ہوئے ہیں۔ اور انہیں ایک کانٹا چھبے جس سے ان کو تکلیف ہو اور میں اپنے اہل خانہ
کے پاس [آرام سے] بیٹھوں۔"

یہ جواب باصواب پا کر ہرزہ سرا ابوسفیان دھنگ رہ گیا اور کہنے لگا۔ مَارَأَيْتَ
مِنَ النَّاسِ أَحَدًا يُحِبُّ أَحَدًا كَحْبَ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ مُحَمَّدًا.
میں نے لوگوں میں ایسا کوئی نہیں دیکھا جس سے کسی کو اس قدر محبت ہو جس قدر محمد کے
ساتھیوں کو محمد کے ساتھ ہے۔ (۷۷)

اس کے بعد صفوان بن امیہ کے غلام نطاس نے حضرت زید کو مجع کے سامنے
شہید کیا۔

خدار حمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

حضرت خبیب بن عدیؓ کو مشرکین مکہ پھانسی دینے کے لئے لے گئے۔ تو اس
نے قاتلوں سے کہا: آنَ رَأَيْتُمْ آنَ تَذْعُونِي حَتَّى أَرْكَعَ رَكْعَتَيْنِ فَأَفْعَلُوا
”اگر تم مناسب سمجھو مجھے [قتل ہونے سے پہلے] دور کعت نماز پڑھنے دو۔“ کافر
قاتلوں نے اجازت دی اور آپ نے اچھی طرح دور کعت نماز ادا کی۔ پھر قاتلوں سے
مخاطب ہو کر کہنے لگے: اَمَا وَاللَّهِ لَوْلَا أَنْ تَظَلُّوا إِنِّي إِنَّمَا طَوَّلْتَ جَزَّعًا
مِنَ الْقَتْلِ لَا سْتَكْثِرُ ثِنَةً مِنَ الصَّلَاةِ۔ ”اللہ کی قسم! اگر یہ خوف نہ ہوتا کہ تم
گمان کرو گے کہ میں نے موت کے خوف اور ڈر کی وجہ سے لمبی نماز پڑھی تو میں اور نماز
پڑھتا۔“ اس کے بعد ظالموں نے حضرت خبیب کو تختہ دار پر کھڑا کیا اور خوب کس لیا۔
اور شہید کر دالا۔ (۷۸)

ان واقعات سے شہادت ملتی ہے کہ صحابہ کرام کا خون دشمنوں کی تکواروں سے
اسی طرح بہا جس طرح قربانی کے جانوروں کا خون ذبح کرتے وقت بہتا ہے۔

(۷۷) ابن ہشام جلد (۲) جز (۳) ص ۲۷ [ذکر یوم الرُّجُع]

(۷۸) العینا ص ۲۷

٢٠..... شعر.....

جَاءُ وَكَ مَنْهُوْ بِيْنَ كَالْعُرْيَانِ
فَسَتَرُتْهُمْ بِمَلَأَ حِفِ الْإِيمَانِ

جَاءُ وَكَ جَاءَ يَجِيْنِيْ [ضرِبَ يَضْرِبَ] يَاجَاءَ يَجُوْءُ
جَيْنِيَا [نَصَرَ يَنْصُرُ] آنا سے اپنی جمع مذکور غائب بنتا ہے جَاءُ وَادَآئَ،
جَاءُ وَكَ وہ آئے تمہارے پاس

مَنْهُوْبِيْنَ نَهَبَ يَنْهَبُ نَهَيَا [فَعَلَ / نَصَرَ / سَمَعَ] (غیمت جان
کر) لوٹا۔ اسی سے اسم مفعول مَنْهُوْبَت ہے۔ پھر اس کی جمع مَنْهُوْبُونَ - حال
ہونے کی وجہ سے نصیحی حالت میں ہے۔ مَنْهُوْبِيْنَ لوٹے گئے۔ لٹھ ہوئے۔

كَالْعُرْيَانِ: عَرِيَ يَعْرِي عُرْيَاوْعُرْيَيَةَ [سَمَعَ يَسْمَعُ] نگاہونا۔ اس
سے صفت (مذکور) بنتا ہے عَارِ اور عُرْيَانِ یعنی نگا۔ کَالْعُرْيَان۔ ننگے کی طرح“
فَسَتَرُتْهُمْ: سَتَرَ يَسْتَرُ / يَسْتَرُ سَقْرَا [ضرِبَ نَصَرَ] الشَّىءَ.
غَطَّاهُ: چیز کوڈھانکنا، چھپانا۔ اسی سے اپنی واحد مذکور حاضر بنتا ہے سَتَرُتْ تونے
ڈھانکا، چھپایا ہم۔ ان مردوں کو فَسَتَرُتْهُمْ۔ پھر تو نے ڈھانکا ان کو، بِمَلَأِ حِفِ
لَحَفَ يَلْحَفُ لَحْفَا [فَعَلَ يَفْعَلُ] غَطَّاهُ بِاللِّحَافِ وَ نَحْوِه لَحَافِ
وغیرہ سے ڈھانکا۔ لَحَافُ الثَّوَبَ. أَبْسَهَ إِيَّاهُ. کپڑا پہنانا۔

اسی سے ہے۔ مِلْحَافُ اور مِلْحَفَة۔ اس کے معنی ہے اللباس فوچ سائیں
اللباس۔ وہ چیز جو لباس کے اوپر اور ٹھی جاتی ہے۔ اس کی جمع ہے مَلَاحِفُ۔ بستر کی
چادریں۔ کمبل۔ لَحَافِ۔

ترجمہ:- [اے آخری نبی! عرب کے لوگ آپ کے پاس لٹے پڑنے کی طرح آئے۔ سو آپ نے ان کو ایمان کے کپڑے پہنانے۔]

تشریح:- اس شعر سے لے کر آیندہ میں اشعار [۲۰-۳۹] میں حضرت ناظم قصیدہ جناب مرزا صاحب اس بے نظیر انقلاب کا ذکر فرمائے ہے ہیں جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے برپا کیا۔

قرآن مجید میں انسان کے متعلق دو لباسوں کا ذکر ہے۔ ایک وہ جو جسم پر پہنا جاتا ہے اور باعث زینت ہے۔ اور دوسرا لباس التقوی ہے جو جسمانی لباس سے بہتر ہے۔ [الاعراف ۲۶/۷]

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ”شیطان نے انسان کے ماں باپ کو نہ صرف جنت سے نکالا بلکہ ان کا لباس اتروا دیا۔“ امام الفسیر مجاهد بن ججیب [۲۱-۳۳/۱۰۳-۲۵۳] رضی اللہ عنہ اس کی تفسیر میں کہتے ہیں۔

ہوَ لِيَاسُ التَّقْوَىٰ وَهُوَ لِيَاسُ الْأَنْجَى
کرتا ہے۔ [الاعراف ۲۷: ۲۴]

اہل عرب بھی اسی لحاظ سے بالکل نگئے تھے۔ ان سے لباس تقویٰ کا تاریخ ایلوٹ لیا گیا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ وہ معصیت میں بری طرح غرق تھے۔ وہ کون سا گناہ ہے جو وہ نہیں کرتے تھے۔ وہ کوئی بدی ہے جو ان میں راجح نہیں تھی۔ وہ کوئی اخلاقی و روحانی کمزوری ہے جو عربوں کو لاحق نہیں تھی۔

لیکن حضرت رسول اکرم نے ان کو ایمان کی چادروں سے ڈھانکا۔ آپ کے فیض سے انہوں نے پھر لباس تقویٰ پہن لیا۔ یہ پہلے نگ انسانیت تھے۔ پھر شرف آدمیت بن گئے۔ یہ مسلمانوں کی خوش عقیدگی نہیں بلکہ تاریخی واقعہ ہے جس کا اعتراف غیر مسلم علماء بھی بر ملا کرتے ہیں۔ جنوبی ہندوستان کے ایک مشہور فلسفہ دان

پروفیسر۔ کے۔ ایس۔ راما کرشناراؤ لکھتا ہے:-

"His achievements are not limited to one aspect of life, but cover the whole field of human conditions.

If for instance, greatness consists purification of a nation steeped in barbarism, immersed in absolute moral darkness, that dynamic personality who has transformed, refined and uplifted an entire nation, sunk low as the Arabs were, and made them the torch - bearers of civilization and learning has every claim to that greatness." [79]

"آپ کے کارہائے نمایاں انسانی زندگی کے کسی ایک پہلو تک محدود نہیں ہیں۔ بلکہ انسان کے سب حالات و کیفیات پر محیط ہیں مثلاً اگر بربریت و جہالت کی عیت غاز میں گری ہوئی اور اخلاقی ظلمتوں میں ڈوبی ہوئی ایک پوری قوم کو نجات دے کر اس کا تذکیرہ کرنا مصلح کی عظمت کا ثبوت ہے۔ تو عرب جیسی گری ہوئی قوم میں انقلاب لانے انہیں تہذیب اور تمدن سکھانے، ترقی کے باام عروج پر پہچانے، پھر تہذیب اور علم و دانش کا مشعل بردار بنانے والی وہ متحرک ہستی عظمت کی سب سے زیادہ حقدار ہے۔"

اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَآلِهٖ .

[79] Booklet: Muhammad the Prophet of Islam, by Prof . K. S. Ramakrishna Rao. [HOD of philosophy, Govt. College for woman, Mysore, Karnataka] P 18. pub. The Board of Islamic Publications, Delhi.

٢١..... شعر

**صَادَفْتَهُمْ قَوْمًا كَرَوْثِ ذِلَّةٍ
فَجَعَلْتَهُمْ كَسَبِيْكَةَ الْعِقِيَانِ**

صَادَفَتَهُمْ: صَادَفَة. قَابَلَهُ أَوْ عَلَى غَيْرِ قَصْدٍ کسی سے ملنا۔ ارادہ سے یا لفایتیہ۔ اسی سے ماضی واحد نہ کر حاضر بنتا ہے۔

صَادَفَتْ: تو نے ملاقات کی۔ تو ملا۔ تم نے پایا۔ ہُم۔ ان سے ان کو۔ یعنی عربوں کو صَادَفَتَهُمْ۔ تم نے ان [عربوں] کو پایا۔ قَوْمًا ایک ایسی قوم۔

كَرَوْثِ: گو برا یا لدکی مانند۔ ذِلَّة۔ ذلت کی وجہ سے۔

فَجَعَلْتَهُمْ: جَعَلَ يَجْعَلُ جَعْلًا [فَعَلَ يَفْعَلُ]: (۱) جَعَلَ الشَّيْءَ صَنْعَةً. بنا (۲) خَلْقَةً. پیدا کرنا (۳۰) وَضْعَةً. رکھنا اور (۲۴) صَبَرَةً. تبدیل کرنا [اقرب ۱۲۶] اسی سے ماضی واحد نہ کر حاضر بنتا ہے جَعَلْتَ. تو نے بنایا۔ تبدیل کیا ہُم ان کو فَجَعَلْتَهُمْ: سو تو نے بنایا / تبدیل کیا ان [یعنی عربوں] کو کَسَبِيْكَةَ: سَبَكَ يَسْبِكُ سَبُكًا [ضَرَبَ نَصَرَ سَبَكَ الْفِضَّةَ]. آذابہا وَأَفْرَغَهَا فِي قَالِبِ. چاندی (یا سونے) کو پکھلا یا اور سانچے میں ڈالا۔“

سَبِيْكَةَ. الْقِطْعَةُ الْمُدَوَّبَةُ الْمَفَرَغَةُ فِي الْقَالِبِ مِنَ الْفِضَّةِ وَنَحْوِهَا. چاندی یا کسی اور دھات کا مٹکا جو پکھلا کر سانچے میں ڈالا گیا ہو۔ [ج السَّبَائِكُ] اور سَبِيْكَ کے معنی ہیں پکھلا ہوا۔ کھوٹ اور میل کچیل سے صاف و پاک۔ کَسَبِيْكَةِ میل کچیل سے پاک و صاف ڈلے کی طرح الْعِقِيَانِ: الْذَّهَبُ الْخَالِصُ. خالص سونا۔ کھوٹ ملاؤٹ سے پاک و صاف سونا۔

گَسِيْكَةُ الْعِقْيَانِ: سونے کے اس ڈلے کی مانند، جو ملاوٹ اور کھوٹ سے پاک و صاف کیا گیا ہو۔

ترجمہ:- [اے مُرَّجَّکی و مُطَهَّر نبی! آپ نے ان [یعنی عرب قوم] کو گو بر کی مانند ایک ذلیل قوم پایا۔ سو آپ نے [ان کا تذکر نفوس کر کے] سونے کے پاک و صاف ڈلے بنادیا۔

تشریف:- اس لطیف شعر میں حضرت ناظم قصیدہ جناب مرزا صاحب نے اس سارے انقلاب کو دریا کبوزہ کر دیا ہے جو آخری تاجدار بنت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ اعجاز اور انفاس قدسیہ سے وجود میں آیا۔

قرآن شریف میں آپ کے مقاصد بعثت کا ذکر جہاں جہاں ہے وہاں ایک مقصود یُرَى كَيْهُمْ یا يُرَى كَيْكُمْ بتایا گیا ہے [البقرہ ۲/۱۵۱، آل عمران، ۳/۱۶۳، و [الجمعہ ۲/۲۶]- یعنی حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک فرض منصبی لوگوں کا تذکرہ نفوس کرنا ہے۔ ان کو گناہ اور ناطک کاری کی پلیدی سے پاک کرنا ہے۔ اور آپ نے دیگر فرائض کی طرح یہ فرض منصبی بھی بطریق احسن انجام دیا۔ چنانچہ حضرت مرزا صاحب اپنی ایک کتاب میں لکھتے ہیں:-

”اس فخر میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی بھی نبی شریک نہیں کہ آپ نے تمام دنیا کو ایک تاریکی میں پایا اور پھر آپ کے ظہور سے وہ تاریکی نور سے بدلتی۔ جس قوم میں آپ ظاہر ہوئے آپ گفت نہ ہوئے جب تک کہ اس تمام قوم نے شرک کا چولہ اتار کر تو حید کا جامہ نہ پہن لیا اور نہ صرف اس قدر بلکہ وہ لوگ اعلیٰ مراتب ایمان کو پہنچ گئے اور وہ کام صدق اور وفا اور یقین کے ان سے ظاہر ہوئے کہ جس کی نظیر دنیا کے کسی حصہ میں پائی نہیں جاتی۔ یہ کامیابی اور اس قدر کامیابی کسی نبی کو بغیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نصیب نہیں ہوئی۔ یہی ایک بڑی دلیل آنحضرت کی

نبوت پر ہے کہ آپ ایک ایسے زمانہ میں مبعوث اور تشریف فرمائے جب کہ زمانہ نہایت درجہ کی ظلمت میں پڑا ہوا تھا۔ اور طبعاً ایک عظیم الشان مصلح کا خواستگار تھا۔ اور پھر آپ نے ایسے وقت میں دنیا سے انتقال فرمایا۔ جب کہ لاکھوں انسان شرک اور بت پرستی کو چھوڑ کر تو حید اور راہ راست اختیار کر چکے تھے اور درحقیقت یہ کامل اصلاح آپ ہی سے مخصوص تھی کہ آپ نے ایک قوم وحشی سیرت اور بہائم خصلت کو انسانی عادات سکھلائے یا دوسرے لفظوں میں یوں کہیں کہ بہائم کو انسان بنایا اور پھر انسانوں سے تعلیم یافتہ انسان بنایا۔ اور پھر تعلیم یافتہ انسانوں سے باخدا انسان بنایا اور روحانیت کی کیفیت ان میں پھونک دی اور سچے خدا کے ساتھ ان کا تعلق پیدا کر دیا وہ خدا کی راہ میں بکریوں کی طرح ذبح کر دئے گئے اور چیونٹیوں کی طرح پیروں سے کچلے گئے مگر ایمان کو ہاتھ سے نہ دیا۔ (۸۰)

پنڈت جواہر لال نہرو [۱۸۸۹ء - ۱۹۶۵ء] لکھتے ہیں:

It is strange that this Arab race, which for long ages had lived a sleepy existance, apparently Cut off from what was happening elsewhere, should suddenly wake up. and show such tremendous energy as to startle and upset the world. The story of the Arabs and how they spread rapidly over Asia, Europe and Africa, and of the high culture and civilization which they developed, is one of the wonders of the world. [81]

یعنی یہ واقعی دنیا کا ایک حیرت انگیز معجزہ ہے کہ صدیوں سے خفتہ پڑی ہوئی اجدہ اور بے علم عرب قوم نہ صرف خود جاگ اٹھی بلکہ دنیا کو بھی متمن بنانے میں کامیاب ہو گئی۔

(۸۰) تکھریسا لکوٹ بحوالہ شان رسول عربی ۱۷۹-۱۷۷

[81] Glimpsis of world History. p 142

Letter no 48 of May 21, 1932

شعر..... ۲۲.....

**حَتَّىٰ اِنْشَنِي بَرُّ كَمْثُلِ حَدِيقَةٍ
عَذْبٌ الْمَوَارِدِ مُشْمِرٌ الْأَغْصَانِ**

حَتَّىٰ: یہ حرف انتہا ہے اور معنے ہیں "یہاں تک کہ"
اِنْشَنِي: دراصل وزن اِفْتَعل سے اِنشَنِی تھا۔ اِنشَنِی کے معنی انعطاف یعنی
 مڑنا۔ دوہرا ہونا۔ اسی سے فعل ماضی واحد مذکر غائب کا صیغہ اِنْشَنِی ہے۔ اور اس کے
 معنی ہیں بن گیا۔ ہو گیا۔ بَرٌّ: خشک زمین۔ صحراء۔ و بیابان حَدِيقَة: حَدَقَ یَحْدِق
 حَدْقًا [ضَرَبَ] کسی کو چاروں طرف سے گھیر لینا، احاطہ کرنا۔ حَدِيقَة [جَع
 حَدَائِقَ] وہ باغ جس کے چاروں طرف دیوار ہو۔ باعچہ۔ عَذْبٌ: میٹھا اور
 خوشگوار۔ ماء عَذْبٌ۔ میٹھا پانی۔ الْمَوَارِدِ: وِرْدٌ۔ (۱) پانی پر آنا (۲) پانی کی
 طرف جانے کا راستہ۔ (۳) گھاث۔ جمع مَوَارِد۔ طرف سے بعض اوقات مظروف
 مراد ہوتا ہے اس لئے موارد (گھاثوں) سے مراد یہاں پانی ہے۔ پس عَذْبٌ
 الْمَوَارِد۔ میٹھا اور خوشگوار پانی والا (باغ)
مُشْمِرٌ: ثَمَرٌ۔ چھل۔ میوه۔ اس سے صفت بنتی ہے مُشْمِرٌ اور ثَامِرٌ۔ چھل
 دار۔ پُرمیوه۔

الْأَغْصَانِ: غُصْنٌ۔ شاخ نہنی۔ جمع أَغْصَان / اغصون اور غصنة۔
 ثَامِرُ الْأَغْصَانِ۔ پرمیوه نہنیاں۔

ترجمہ:- (اے پیارے نبی!) آپ کا فیض برابر جاری رہا] یہاں تک کہ
 عرب کا بیابان اس محفوظ باغ کی مثل بن گیا جس میں میٹھے اور خوشگوار پانی کے گھاث یا

چشے جاری ہیں۔ جس کے درختوں کی شاخیں میوہ سے لدی ہیں۔

تشریح:- اس شعر میں حضرت مرزا صاحب نے اس خوشنگوار تبدیلی کی طرف واضح اشارہ کیا ہے جو حضرت خاتم الانبیاءؐ کی فیوض سے عربوں میں آگئی۔ اسی بے نظیر انقلاب کا ذکر حضرت مرزا صاحب نے اپنی ایک عربی کتاب نجم الهدی میں اس طرح کیا ہے:-

وَكَانُوا فِي زَمِنٍ كُفَّارٍ فِي سِجْنِ الظِّلَامِ فَنُورُوا
بَعْدًا جَابَةً دُغْوَةً إِلْسَلَامَ وَبَدَلَ اللَّهُ سَيَّاتِهِمْ بِالْحَسَنَاتِ
وَشُرُورُهُمْ بِالْخَيْرِاتِ فَبَدَلَ عُبُوقَهُمْ بِصَلَاةٍ أَنَاءَ اللَّيلِ
وَالتَّضَرُّعَاتِ وَصَبُوحَهُمْ بِصَلَاةِ الصُّبْحِ وَالسُّبُّحَاتِ وَ
الإِسْتِغْفارَاتِ . (۸۲)

یعنی ”اسلام سے قبل زمانہ کفر میں وہ ظلمتوں کے زندان میں قیدی تھے۔ لیکن دعوتِ اسلام قبول کر کے وہ ظلمتوں سے آزاد ہو کر منور ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی بدیوں کو نیکیوں سے، اور ان کی شرارتوں کو بھلا سیوں سے بدل دیا۔ اور ان کی رات کی شراب کورات کی نمازوں اور تضرعات سے اور صبح کی شراب کو نماز صبح تسبیحات اور استغفار سے بدل دیا۔“

شِعر ۲۳۔

عَادَتْ بِلَادَ الْعُرْبِ نَحْوَ نَصَارَةٍ
بَعْدَ الْوَجْهِ وَالْمَحْلِ وَالْخُسْرَانِ

عَادَتْ عَادَ يَعُودُ عَوْدًا عِيَادًا [نَصَارَ]. (۱) دوبارہ کرنا (۲) بمعنی
صارَ یعنی ہونا۔ ہو جانا۔ [مجد] اسی سے ماضی صیغہ واحد غائب عادت ہو گئی [یہاں
معنی ہیں ہو گئیں بن گئیں]

بِلَادُ: بِلَدَهُ اور بِلَدَهُ۔ آباد یا غیر آباد جگہ (۲) شہر اس کی جمع بِلَادُ اور
بِلَادَانُ۔ الْعُرْبُ اور الْعَرَبُ۔ عرب کے باشندے [جمع أَعْرُبٌ یا عَرُوبٌ] (۱) الطَّرِيقُ راستہ (۲)
بِلَادُ الْعُرْبِ۔ عربوں کے شہر نَحْوَ: [ظرف و اسم]: (۱) الْطَّرِيقُ راستہ (۲)
الجهة۔ جہت طرف (۳) الْجَانِبُ۔ جانب۔ (۴) المقدار۔ مقدار۔ (۵) الْمِثْلُ
مثل (۶) الْفَصْدُ۔ قصد [اقرب ۲/ ۱۲۸۰]

نَصَارَة: نَصَرَيْنُضُرُّنَصَرَةٌ وَنَصُورًا وَنَصَرًا وَنَصَارَةٌ [فَعَلَ
يَفْعُلُ / نَصَرَيْنُضُرُّ]. درخت یا چہرے یا رنگ اور ہر چیز کا نرم تازہ اور خوبصورت
ہونا۔ اور نَصَارَةٌ کے معنی ہیں: الْعَمَّةُ وَالْغَنِيُّ۔ الْحُسْنُ وَالرَّوْنَقُ
وَاللَّطْفُ۔ [اقرب ۲/ ۱۳۱۱] نعمت و دولت مندی۔ حسن و جمال۔ رونق اور
لطف، الْوَجْهِ، وَجَى يُوْجِى وَجَى [فَعَلَ يَفْعُلُ] وَتَوَجَّى۔ الْمَاشِى۔
نگنے پاؤں چلنا۔ اور پاؤں، یا کھر کا چلتے چلتے گھس جانا۔ یہ بدحالی کی علامت ہے اس
لئے الْوَجْهِ سے مراد بدحالی۔ خنگی ہو سکتی ہے۔ الْمَحْلِ (۱) الْمَكْرُ۔ کمر
(۲) الْكَيْدُ۔ چال (۳) الْخَدِيْعَةُ۔ دھوکہ (۴) الْغَبَارُ۔ غبار (۵) الْشِدَّةُ۔ خنگی

شدت (٦) **الجَدْبُ** خَلَك سالي (٧) **الجُوْعُ الشَّدِيدُ**. سخت بمحوك - قط

[اقریب ۱۱۸۹/۲]

الْخُسْرَان: (١) گھاٹا پانا۔ نقصان اٹھانا (٢) گمراہ ہونا (٣) ہلاک ہونا۔

[اقرباً منك]

ترجمہ:- عربوں کے شہر اور بستیاں بدحالی و خشکی محتاجی، قحط سالی اور گمراہی و بتاہی کے بعد شاداب اور یرونق بن گئیں۔

تشریح:- حضرت رسول کریم ﷺ کی مبارک آمد عرب کے لئے باران رحمت تھی۔ ان میں جور و حانی خشک سالی، قحط اور اخلاقی بدحالی اور خستگی تھی وہ سب کافور ہو گئی۔

حضرت مرزا صاحب نجم الہدیٰ میں فرماتے ہیں۔

وَمَنْ نَظَرَ فِي آنَهُمْ كَيْفَ تَرَكُوا مَرَاتِعَهُمُ الْأُولَىٰ وَكَيْفَ
جَاءُوا بِيَدِ الْأَهْوَاءِ وَوَصَلُوا إِلَيْهِ الْمَوْلَىٰ وَكَيْفَ بَدَلُوا وَغَيْرُوا
وَطَهَرُوا وَمَحْصُوا عِلْمَ بِالْيَقِينِ إِنَّهُ مَا كَانَ إِلَّا اثْرَ الْقُوَّةِ الْقُدُسِيَّةِ
الْمُحَمَّدِيَّةِ وَبِهِ اصْطَفَاهُمُ اللَّهُ . وَأَقْبَلَ عَلَيْهِمْ بِالْتَّفَضُّلَاتِ
الْأَرْلَيَّةِ . وَإِنَّ الصَّحَابَةَ أَخْذُوا بِهَذَا الْأَثْرِ مِنْ تَحْتِ الثَّرَىٰ
وَرُفِعُوا إِلَى سُمُكِ السَّمَاءِ وَنُقْلُوا دَرَجَةً بَعْدَ دَرَجَةٍ إِلَى مَقَامِ
الْأَجْتِيَاءِ وَالْأَصْطَفَاءِ . (٨٣)

ترجمہ: ”جو شخص اس بات پر غور کرے گا کہ اہل عرب نے پہلی چراغاں ہوں کو کیونکر چھوڑ دیا اور نفسانی خواہشات کے بیانوں کو طے کر لیا۔ اور اپنے مولیٰ سے

ملے۔ اور کس طرح وہ بدل دئے گئے۔ ان میں پوری تبدیلی لائی گئی۔ وہ پاک کئے گئے۔ ان سے اندھیرا دور کیا گیا تو یہ غور کرنے والا شخص یقین کیسا تھا جان لے گا کہ یہ صرف حضرت محمد مصطفیٰ کی قوت قدسیہ کا کرشمہ تھا۔ اور آپ کے ہی کر شے کی بدولت اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو برگزیدہ بنایا اور داہی مہربانیوں سے نوازا۔ اسی قوت قدسی کے کر شے سے صحابہ کرام کو تحت الشری سے اٹھا کر آسمان کی بلندی پر اٹھایا گیا اور درجہ بدرجہ اجتماعی و اصطفاء کے مقام تک پہنچائے گئے۔“

سر ولیم میور [Muir] [1819-1905] جیسا معاون تسلیم کرتا ہے کہ:

"The people were sunk in superstition, cruelty and vice. It was a common practice for the eldest son to marry his farther's widows inherited as preproperty with the rest of the estate. Pride and poverty had introduced among them, as it has among the Hindus, the crime of female infanticide. Their religion consisted in gross idolatry, and their faith was rather the dark superstitious dread of unseen beings, whose goodness they sought to propitiate, and to avert their displeasure, than the belief in an overruling Providence. The life to come and retribution of good and evil were, as motives of action, practically unknown."

"Thirteen years before the Hegira Mecca lay lifeless in this debased state. What a change those thirteen years had now produced." [84]

اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجزانہ قدرت قدسی کی بے مثل و مثال کا فرمائی کا صاف اقرار موجود ہے۔

٢٢..... شعر.....

كَانَ الْحِجَازُ مُغَازِلَ الْغِزْلَانَ فَجَعَلْتُهُمْ فَانِيْنَ فِي الرَّحْمَنَ

الْحِجَازُ: عرب دلیش کا وہ پہاڑی علاقہ جو بحیرہ احمر کے ساتھ ملتا ہوا مستطیل کی صورت میں ہے۔ اسی علاقے میں مکہ معظمه اور مدینہ منورہ واقع ہیں۔ اسی علاقے کو حجاز کہتے ہیں۔ توریت میں اس کو فاران کہا گیا ہے اسی میں دو بڑی بندرگاہیں واقع ہیں۔ یعنی جدہ جہاں سے مکہ معظمه کو جاتے ہیں۔ اور یہ نوں جہاں سے مدینہ منورہ کو جاتے ہیں۔ [توریت پیدائش ۲۱/۳۱ استثناء صبوق ۳/۳] [سیرت خیر البشر ۱۷] ظرف کہہ کر مظروف یعنی الحجاز کہہ کر یہاں اہل حجاز مراد ہیں۔

مُغَازِلَ: غَزَلٌ [ضَرَبَ] کا تنا [سَمِعَ] بالِسِسَاءِ. حَادَثَهُنَّ عورتوں کے ساتھ باتمیں کرنا، اسی سے باب مفاعلہ میں مصدر مُغَازِلَة ہے غَازِلَ الْمَرْأَة۔ حَادَثَهَا وَأَوَدَهَا. عورت کے ساتھ [عشق انگیز] باتمیں کرنا اور اسے گناہ کی ترغیب دینا۔ [اقرب ۱/۸۷]۔ اسی سے مفاعل وزن پر اسم فاعل بنتا ہے۔ مُغَازِلٌ یعنی عورتوں کے ساتھ عشق بازی کی باتمیں کرنے والا۔

الْغِزْلَانَ. الْغَزَالُ. الشَّادِينُ. ہرن کا بچہ اور اس کی جمع ہے غِزْلَة اور غِزْلَانَ۔ [ہرن کے بچے] [اقرب ۱/۸۷] ہرن کا بچہ (الغَزَال) یا نیل گائے کا بچہ [فرِیروُر] عرب حسین وجیل عورتوں کو نیل گائے یا ہرن اور مست شباب حسین لڑکیوں کو ”ہرن کے بچے“ کہتے تھے۔ پس یہاں الْغِزْلَانَ [ہرن کے بچوں] سے مراد مست شباب دل رہا حسیناً میں ہیں۔

فَانِينَ فَنِيَ يَفْنِي فَنَاءٌ [صَرَب] : (۱) عَدْمٌ - معدوم ہونا۔ مر جانا و نیست و نابود ہو جانا (۲) فلان۔ هرِم۔ بہت بوڑھا ہونا۔ اس سے اسم فاعل بنتا ہے فان [فانی] اور اس کی جمع ہے فانُون / فانین۔

الرَّحْمَةُ : رَحْمَةً سے فَعْلَانَ [صیغہ مبالغہ] وزن پر اسم صفت ہے یعنی ”بے انہصار حمت والا“ بہت مہربان۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ایک صفاتی نام ہے۔ اور اس کے بغیر کسی اور پر صادق نہیں آتا۔

ترجمہ: ججاز کے لوگ خوبصورت دربار حسیناں کے ساتھ برملا عشق و محبت کی باتیں کرتے رہتے تھے۔ تو [اے سردار انبیاء!] آپ نے ان کو عشق مجازی سے چھڑا کر [خدائے رحمٰن] کے عشق و محبت [میں فانی] بنا دیا۔

تشریح: عرب بڑے حسن پرست تھے۔ حسن نسوانی کے لئے مرتبے مارتے رہتے تھے۔ اسکی شہادت ہمیں دیوان العرب یعنی جاہلی شاعری سے ملتی ہے۔ (۸۵) سبع المعلقات کے پہلے قصیدے میں امرؤ القيس اپنی عشق بازی کا تذکرہ چھٹارے لے کر کرتا ہے۔ ایک دفعہ خوبصورت کنوواری لڑکیاں تالاب میں نہایت تھیں۔ اس نے ان کے کپڑے اٹھا لئے اور انہیں اپنے سامنے نگئے بدن پر یہ کرنے پر مجبور کیا۔ انہوں نے اس کی فرمائش کی تعییل کی۔ پھر اس نے ان کے کپڑے واپس کر دئے۔ اس کے بعد ان کی فرمائش کے مطابق اپنی اونٹی کو ذبح کر کے آگ جلا دی اور ان کو کباب کھلائے۔ کہتا ہے۔

وَيَوْمَ عَقْرُثُ لِلْعَذَارِيِّ مَطِيَّتِيُّ
فِيَا عَجَباً مِنْ كُوْرَهَا الْمُتَحَمِّلِ

(۸۵) ابن عباس کا قول ہے: أَلْشَعْرُ دِيْوَانُ الْعَرَبِ الْأَلْ عَرَبَ كَلِمَاتُهُ عِلْمٌ وَ زِبَانٌ۔ یعنی ادب کا مجموعہ [جاہلی دور کے] اشعار ہیں [الاتقان فی علوم القرآن،] [سیوطی] [جلد (۱)] نوع (۳۶)

اور جس دن میں نے کنواری حسیناًوں [کو کباب کھلانے] کے لئے اپنی اونٹی [سواری] تک ذبح کر دی۔ یہ مقام تعجب ہے کہ انہوں نے میر اساز و سامان سے لدا ہوا پالان تک اٹھایا۔ [انہوں نے یہ بھی نہیں چھوڑا]

ان حسیناًوں میں شاعر کی معشوقہ عنیزہ بنت سراجیل بھی تھی۔ یہ اس کی اپنی چھیری بہن تھی۔ اس کا بھی اس نے بالکل عربیانی کی حالت میں نظارہ کیا۔ پھر جب یہ کنواریاں وہاں سے چل پڑیں تو شاعر اسی معشوقہ کے ہودہ میں داخل ہو کر روانہ ہوا۔ اور اس میں بیٹھ کر اسے چھڑتا رہا۔ فخر سے کہتا ہے۔

وَيَوْمَ دَخَلَتُ الْخِدْرَ خِدْرَ عُنْيَزَةَ
فَقَالَتْ لَكَ الْوَيْلَاتُ إِنَّكَ مُرْجِلٌ

اور جب میں عنیزہ کے ہودہ میں داخل ہوا۔ [اور اس کو خوب چھیڑا] تو وہ (نگ آ کر مجھ سے) کہنے لگی:- تیراستیا ناس ہو! کیا تو مجھے [ہودہ سے اتر کر] پیدل چلنے پر مجبور کرے گا۔“

عنیزہ کہتی ہے کہ تیری ان عاشقانہ حرکتوں سے ہودہ ایک طرف جھک جاتا ہے اور اونٹ کی پیٹھ زخمی ہو جاتی ہے اس لئے تم ہودہ سے اتر جاؤ۔

فَقُلْتُ لَهَا سِيرِيُّ وَأَرْجِحُ زِمامَةَ
وَلَا تُبْعِدِينِي مِنْ جَنَاكِ الْمُعَلَّلِ

تو میں نے عنیزہ سے کہا: چلنے کا کام جاری رکھو۔ البتہ اونٹ کی نکیل ڈھیلی کر دو۔ اور ”مجھے اپنے تروتازہ میوہ سے دور مرت رکھ۔“ یعنی مجھے اپنے محسن بدن سے لطف اٹھانے دے۔ معلقات میں دوسرا معلقة طرفہ بن العبد الکبری کا ہے۔ جس میں اس کی زندگی کا مقصد یوں بیان ہوا ہے۔

وَتَقْصِيرُ يَوْمِ الدَّجْنِ وَالدَّجْنُ مُعْجَبٌ

بِهِكَّةٍ تَحْتَ الْخَبَاءِ الْمُعَمَّدِ

اور جب گھنگور گھٹا میں چھائی ہوں تو سارا دن ایک مست شباب حینہ کے ساتھ خیمہ میں داعش دیتے ہوئے گزارنا۔

غرض عرب حسن و شباب کے پرستار اور اخلاقی قیود سے آزاد تھے۔ حضرت نبی کریمؐ نے ان کو اس ضلالت سے چھڑا کر با اخلاق انسان پھر خدا تعالیٰ کے عاشق بنایا۔

شِعْر.....٢٥.....

**شَيْئَانَ كَانَ الْقَوْمُ عُمِّيًّا فِيهِمَا
حَسُوُّ الْعُقَارِ وَكُثْرَةُ النِّسْوَانِ**

شَيْئَان: شَيْءٌ۔ ایک چیز۔ اس کا تثنیہ ہے شَيْئَان۔ دو چیزیں۔ عُمِّیًّا: عُمِّیٰ یَعْمِیٰ عُمِّيًّا [ضرَب] (۱) آنکھوں کا بے نور ہونا۔ اندھا ہونا (۲) دل کا بے نور ہونا۔ دل کا اندھا، بے بصیرت ہونا (۳) جاہل ہونا۔ الْعُمِّيَّةُ: گمراہی۔ غرور۔ گمراہی پر اصرار۔ اَعْمَى: (صفت) اندھا۔ بے بصیرت۔ جاہل۔ گمراہ۔ جمع ہے عُمِّیٰ وَعُمِّيَّاً۔ اَعْمَاءً اَوْ عُمَّاءً۔ اندھے، جاہل اور گمراہ لوگ کَانَ الْقَوْمُ عُمِّيًّا۔ لوگ اندھے بن گئے تھے۔ جاہل بن گئے تھے۔ فِيهِمَا: ان دو [چیزوں] میں۔ ان کے بارے میں۔ حَسُوُ: حَسَأَيْ حَسُوُ حَسُوَا [نصرَ]

حَسَأَيْدُ الْمَرْقَ. شَرِبَه شَيْئًا بَعْدَ شَيْءٍ۔ آہستہ آہستہ شور با پینا، حَسَأَ الطَّائِرُ الْمَاءَ تَنَاؤَلَه بِمِنْقَارِهِ۔ پرندے نے چوچی سے پانی پیا۔ [اقرب ۱/۱۹۳] پس حَسُوُ۔ آہستہ آہستہ الْعُقَارِ۔ الْخَمْرُ۔ شراب حَسُوَا الْعُقَارِ۔ شراب کو آہستہ آہستہ پینا۔

النِّسْوَانِ۔ مَرَأَةً [ایک عورت] کی جمع نِسْوَانٌ یا نِسْوَةٌ اور نِسَاءٌ۔

ترجمہ:- دو چیزیں تھیں جن میں عرب کے لوگ اندھے [بے بصیرت، جاہل اور گمراہ] ہو گئے تھے۔ (وہ چیزیں تھیں) شراب کو آہستہ آہستہ پینا۔ اور عورتوں کی کثرت۔

تشریح:- دو برا بیاں ایک ہیں جو ایک دوسرے کے ساتھ جڑی ہوئی ہیں۔

اور وہ ہیں فسق و فجور اور شراب نوشی۔ ان دو کے ساتھ دو اور بدیاں لازمی ہیں۔ اور وہ ہیں شعر و نغمہ اور تمار بازی۔ یہ بدیاں جاہلی تہذیب کی امتیازی خصوصیات ہیں۔ اور عرب قوم ان سب بدیوں میں بڑی طرح ملوث تھی۔

حضرت مولینا محمد علی صاحب آفتاب رسالت کے طلوع سے پہلے عرب کے حالات ”کے سلسلے میں لکھتے ہیں:-

”ایک عورت کے ایک سے زیادہ خاوند ہونے کا رواج، جو نہایت ادنیٰ اقوام میں پایا جاتا ہے ان میں موجود تھا ایک مرد جس قدر عورتوں سے چاہتا شادی کر سکتا تھا۔ اور اس کے علاوہ جیسا یورپ میں روانج ہے اپنے لئے محوجہ بھی رکھ سکتا تھا۔ زنا کاری یورپ کے اکثر بلاد کی طرح بطور پیشہ ان میں مروج تھی اور لوٹیوں سے یعنی دوسرا تو موس کی گرفتار کردہ عورتوں سے جہاں اور ذلیل کام لیتے تھے، وہاں ان سے زنا کاری کر کر اس حرام کاری کی کمائی کو اپنا جائز مال سمجھتے تھے۔

نیوگ کی رسم جو ہندوستان میں پائی جاتی ہے..... وہ بھی ان میں مروج تھی مرد اور عورت کے تعلقات میں نہایت درجہ کا فخش بھی تھا۔ عشق و محبت اور ناجائز تعلقات کے نہایت گندے قصے کھلے اشعار میں فخر یہ بیان کئے جاتے ہوئے ہوئے مشہور قصاید میں جو اپنی فصاحت میں لاٹانی سمجھے جاتے ہیں۔ ایسے فخش اور ننگے الفاظ میں ان تعلقات کا ذکر ہے کہ جنکی برداشت زبان اور کان نہیں کر سکتے تمار بازی ان کا فخر تھا..... جو جوانہ کھیل آسے بخیل قرار دیا جاتا۔ شراب خوری کی بلا اس قدر عام اور وسیع تھی کہ کوئی گھر اس سے خالی نہ تھا اور دن میں کئی کئی مرتبہ شراب نوشی کی جاتی تھی۔“ (۸۲)

شراب خانے عام تھے اور ان پر علامت کے لئے جہنڈے گاڑے جاتے تھے۔ میخواروں کی ”خدمت“ کے لئے ان میں خوش گلوحسینا نیں بھی موجود رہتی تھیں۔ حدیث میں ہے کہ شراب حرام ہونے سے پہلے حضرت حمزہ ایک میخانے میں شراب پی رہے تھے اور معماً فَيَنْهَا تُغَيِّبَ آپ کے سامنے ایک لوٹی ان کو نغمہ سناتی تھی۔ اسی نغمہ سرائی کے دوران اس نے کہا:

الَا يَا حَمْزُ لِلشُرُفِ النِّوَاء
وَهُنَّ مُعَقَّلَاتٍ بِالْفِنَاءِ

”اے حمزہ! اٹھ ان موٹی اونٹیوں کو لے، وہ مکان کے سکن میں بندھی ہیں۔“ مقصد ان کے کوہاں کاٹ کر ان کے چربی دار پارچوں کو بھن کر کتاب کی طرح کھانا تھا۔ حضرت حمزہ اٹھے اور بڑی بے دردی کے ساتھ کوہاں کاٹ لئے ان تڑپی ہوئی دو اونٹیوں کی کوکھیں پھاڑ دالیں اور ان کے جگر باہر نکالئے۔ (۸۷)

حضرت نبی کریمؐ نے عربوں کو ان سب دریینہ بدیوں سے نجات دی۔ اللہمَ
صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِهِ.

شعر..... ۲۶

اَمَا النِّسَاءُ فَحُرْمَتْ اِنْكَاحُهَا
زَوْجًا لَهُ التَّحْرِيمُ فِي الْقُرْآنِ

اما: یہ حرف شرط تاکید یا تفصیل کے لئے آتا ہے اسکے بعد جواب پر حرف ف
لانا ضروری ہے۔ یہاں بھی یہ تفصیل کے لئے ہے۔ اس لئے اس حرف کا ترجمہ
”لیکن“ نہیں اس سے پہلے عربوں کی دو بڑی برائیوں اشراب نوشی اور فتن و فنور اکا
ذکر ہوا۔ اب تفصیل سے یہ بتانا مقصود ہے کہ ان برائیوں کو کیسے منایا گیا۔ اس لئے
حرف تفصیل اما سے شروع کیا۔

فَحُرْمَتْ: حَرَمَ يُحرَمَ تَحْرِيمًا: کسی چیز کو حرام ٹھہرانا۔ اسی سے ماضی
مجہول واحد موئث غائب حُرْمَتْ حرام ٹھہرائی گئی۔ ف اما حرف تفصیل اکی وجہ
سے ہے۔

انکاہہا: نَكَحَ [فعل. ضَرَبَ] نَكْحَاوَنِكَاخَا [مرد کا عورت سے]
عورت کا مرد سے نکاح کرنا۔ شادی کرنا اسی باب افعال میں مصدر ہے انکاہ:
شادی کرنا۔ **زَوْجًا:** زَوْجٌ [جمع أَزْوَاجٍ]: جوڑا۔ پس مرد کا زوج عورت اور
عورت کا زوج مرد ہے۔ یہاں مفعول ہونے کی وجہ سے نصیحی حالت میں زَوْجَہا ہے
اور مراد ”شوہر“ یعنی مرد ہے۔ لہ: اس [مرد] کے لئے ہے۔

ترجمہ: اب رہ گئیں عورتیں۔ تو حرام ٹھہرا یا گیا ان کا ایسے مرد کے ساتھ نکاح
کرنا جس کی تحریم قرآن شریف میں بیان ہوئی ہے۔

تفسیریم: مبلغ اسلام حضرت خواجہ کمال الدین [۱۸۷۰ء - ۱۹۳۲ء] عربوں کی

حالت کا نقشہ کھینچتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"Besides general promiscuity in sexual relations, they indulged habitually in incestuous connections. Sons treated the widows of their fathers as their wives. Wives in wedlock were not ashamed to receive attentions from others, nay a married woman could even boast of the number of lovers she had in the life time of her husband."

یعنی "آزاد جنسی میل ملاپ کے علاوہ عرب عادۃ تزوج حُجَّات میں ملوث ہوتے تھے۔ بیٹے باپ کے مرنے کے بعد سوتیلی ماوں کو اپنی بیویاں بناتے تھے۔ شادی شدہ عورتیں شوہروں کے ہوتے ہوئے دوسرا مردوں کے ساتھ عشق و محبت کے تعلقات رکھنے میں کوئی شرم محسوس نہیں کرتی تھیں۔ اتنا ہی نہیں بلکہ شادی شدہ عورت اپنے شوہر کے ہوتے ہوئے عاشقوں کی تعداد کو قابل فخر سمجھتی تھی" (۸۸) اس انتہائی شرمناک صورت حال کو ختم کرنے کے لئے قرآن مجید نے انسانیت پرور معاشرتی ہدایات دیں۔ مثلاً ارشاد ہوا۔

(۱) "اے لوگو جو ایمان لائے ہو تمہارے لئے جائز نہیں کہ عورتوں کو زبردستی و رشد میں لاوارنہ ان کو روک رکھو۔ اس لئے کہ اس کا کچھ حصہ لے لو جو تم نے دیا ہے..... اور انکے ساتھ لپسندیدہ طور سے میل جول رکھو....."۔

[النساء(۲)(ع)(۳):۱۹]

(۲) "اور ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے باپ نکاح کر چکے ہیں۔ مگر جو گزر چکا۔ یہ بے حیائی اور سخت پیزاری کی بات ہے۔ اور بُری راہ ہے۔"

[النساء(۲)(ع)(۳):۲۲]

(۳) ”تم پر یہ عورتیں حرام کی گئی ہیں۔ (۱) تمہاری ماں میں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بھنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالا میں اور بھائی کی بیٹیاں اور بہن کی بیٹیاں اور تمہاری وہ ماں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا، اور تمہاری رضائی بھنیں، اور تمہاری بیویوں کی ماں اور تمہاری پانی ہوئی لڑکیاں جو تمہاری حفاظت میں ہوں۔ ان عورتوں کی طعن سے جن پر تم داخل ہو چکے ہو اور تمہارے صلبی بیٹیوں کی بیویاں اور یہ کہ تم دو بہنوں کو اکٹھا کرو مگر جو گزر چکا۔“ [النساء (۲): ۲۳]

(۴) ”اور تمام بیاہی ہوئی عورتیں سوائے ان کے بن کے مالک تمہارے دامنے ہاتھ ہو چکے ہیں۔ یہ تم پر اللہ کا فرض کیا ہوا ہے۔“ [الیندا۔ آیت ۲۲] ان قوانین کی خلاف ورزی کے لئے سخت سزا میں مقرر کی گئی غرض ان عملی اقدامات سے معاشرہ ان برا بیوں سے نجات پا کر پاک و صاف ہو گیا۔

٢٧..... شعر.....

وَجَعَلَتْ دَسْكَرَةَ الْمُدَامِ مُخْرَبًا
وَأَزْلَتْ حَانَتَهَا مِنَ الْبَلْدَانِ

دَسْكَرَةٌ [جمع دَسَّاكِيرٌ] (١) الْقَرْيَةُ الْعَظِيمَةُ. بِرَاگاؤں (٢)
الصَّوْمَعَه. گرجا (٣) بَيْوُثُ الْأَعَاجِمَ يَكُونُ فِيهَا الشَّرَابُ
وَالْمَلَاهِی. ایسا مکان جس میں شراب اور کھیل کو دکا سامان ہو۔ [اقرب ۱/ ۳۲۳]
گویا کلب۔ Club الْمُدَامِ: الْخَمْرُ: شراب (٤) الْمَطْرَالَدَائِمُ. مسلسل
بارش۔ [الاقرب ۱/ ۳۶۰]

مُخْرَبًا: تَخْرِيْتُ: گھر کو ڈھانا۔ تباہ کرنا۔ اسی سے اسم مفعول بنتا ہے
مُخْرَبٌ: ڈھایا ہوا، تباہ کیا ہوا۔ أَزْلَتْ: أَزَّ الَّهَ [إِزَالَّهَ نَحَّاهُ: ہٹانا۔ اسی سے
ماضی واحد مذکور حاضر أَزْلَتْ تونے ہٹایا (ہٹائے)
حَانَتَهَا: الْحَانَةُ: مَوْضَعُ بَيْعِ الْخَمْرِ: شراب بیچنے کی جگہ۔ حَانَتَهَا
اس کی دکان: شراب بیچنے کی دکان۔

الْبَلْدَانِ: بَلَدِيَا بَلَدَةُ (١) آبادیا غیر آباد جگہ (٢) شہر۔ جمع بِلَادُو بَلَدَانِ
تَرْجِمَة: اور [اے نبی خاتم] (دوسری برائی کے ازالہ کے لئے] آپ نے
شراب خانے تباہ و بر باد کرڈا لے، اور شہروں سے شراب فروٹی کی دوکائیں ہٹائیں۔
تَشْرِيْع: عربوں کی قلزم آشامی کا اندازہ معلقات کے مختلف اشعار سے
جنوبی لگایا جاسکتا ہے۔ مثلاً بَيْلِدُنْ رَبِيعَہ اپنے قصیدے میں کہتا ہے:-

بَلْ أَنْتِ لَا تَدْرِيْنَ كَمْ مِنْ لَيْلَةٍ

طَلْقٌ لَذِيْدٌ لَهُوْهَا وَ نِدَامُهَا

میری معشوقہ! تو نہیں جانتی کہ کتنی معتدل اور خونگوار راتیں گذریں اور میں شراب پینے والی ساتھیوں کے ساتھ مزے اور لطف اٹھاتا تھا۔

فَذْ بِثْ سَامِرَهَا وَغَایَةٌ تَاجِرٍ

وَأَفِیْثُ اِذْ رُفَعَتْ وَعَزَّ مُدَامُهَا

[معشوقہ!] میں نے کئی راتیں قصے اور کہانیاں سنانے میں گذاریں۔ اور کتنی راتیں پینے پلانے میں گذریں یہاں تک کہے فروش کا جھنڈا بلند کیا گیا اور شراب کا ملنا دشوار ہو گیا۔

أَغْلِيُّ السِّبَاءِ بِكُلِّ اَذْكُنْ عَاتِقٍ

اوْ جَوْنَةٍ قُدِحَتْ وَفُصَّ خِتَامُهَا

میں ہر پرانی سیاہ شدہ مشک [ادکن عاتق] یا کالے ملکے جس کی مہرتوڑی گئی اور بڑے بڑے پیالوں سے اس کی شراب نکالی گئی ہو۔ کی سرخ شراب [سباء] اس قدر پیتا ہوں کہ یہ [کم یا بہو کر] مہنگی ہو جاتی ہے۔

وَصَبُوحٌ صَافِيَةٌ وَجَذْبٌ كَرِينَةٌ

بِمُؤْتَرٍ تَأْتَالَهُ إِبْهَامُهَا

اور صبح کی صاف شراب اور گلوکار حسینہ [کرینہ] جو ستار [موتر] کی تاروں سے اپنے انگوٹھے سے تائاء کی آواز نکالتی ہے۔ مجھے کشش کرتی ہے اور میں شراب و نغمہ سے مسرو در ہوتا ہوں۔

بَادْرُثْ حَاجَتَهَا الدَّجَاجَ بِسُحْرَةٍ

لَأَعِلَّ مِنْهَا حِينَ حَبَّ نِيَامُهَا

میں مرغوں کی اذان سے پہلے ہی اس [شراب پینے] کی حاجت و خواہش پوری کر لیتا ہوں۔ تاکہ بعد میں جب سونے والے جا گئیں گے تو ان کے ساتھ دوبارہ شراب پی لوں گا۔ (۸۹)

یہ صرف ایک نمونہ ہے۔ اور عربوں کی میخواری کا اندازہ لگانے کے لئے کافی ہے۔ لیکن حضرت نبی کریمؐ نے ہرنشہ اور چیز کو حرام ٹھہرا کر قوم کو ایک بڑی لعنت سے نجات دی۔

حضرت ابو طلحہ انصاری کے گھر میں مجلس شراب لگی تھی۔ انس بن مالک جام پر جام پلار ہے تھے۔ یک ایک منادی کی آواز سنائی دی۔ ابو طلحہ نے اس سے کہا۔ باہر جا کر دیکھو کس بات کی منادی ہے؟ انس نے باہر جا کر دیکھا کہ منادی کہہ رہا تھا۔ ”لوگو! سن لو شراب حرام کر دی گئی“۔ یہ اعلان سنتے ہی لوگوں نے جام چھوڑ دیئے اور اس دن شراب مدینہ کی گلی کو چوپ میں پانی کی طرح بہنے لگی۔ (۹۰) [متفق علیہ]

(۸۹) معلقة (نمبر ۲) اشعار اصل ۷۵-۶۱۔

(۹۰) صحیح بخاری پ ۲۲۳ کتاب الاشربہ [۲] [۲] باب (۲) فضل الباری جلد ۲ ص ۱۳۱۳ صحیح مسلم جلد ۵ کتاب الاشربہ [۲] [۱] باب (۱) ح ۲۲

٢٨..... شعر.....

**كُمْ شَارِبٌ بِالرَّشْفِ دَنًا طَافِحًا
فَجَعَلْتَهُ فِي الدِّينِ كَالنَّشَوَانِ**

کم: یہ خُبرِ یہ ہے اسی لئے اس کا میز [شَارِبٌ] مجرور ہے۔ اور اس کے معنی ”بہت“ ہیں۔ جب استفہامیہ ہوتا ہے تو میز منصوب ہوتا ہے۔

شَارِبٌ : شُرُبٌ [سَمَعَ يَسْمَعٌ] [پینا۔ سیراب ہونا] سے اسم فاعل بنا ہے شَارِبٌ [پینے والا۔ کمْ شَارِبٌ: بکثرت پینے والے (تھے)]
بِالرَّشْفِ: رَشْفٌ يَرْشُفُ [رَشْفًا رَشْفًا] [سمع]: مَصَّة بِشْفَتِيَّه (پانی وغیرہ) چونا۔ الائاء۔ اِسْتَقْضَى الشُّرْبَ مِنْهُ حَتَّى لَمْ يَدْعُ فِيهِ شَيْئًا۔ پی کر برتن کو خالی کرنا۔ خوب پینا۔ (اقرب جلد (۱) ص ۲۰۶)

بِالرَّشْفِ۔ چونے سے، خوب پینے سے، پی کر برتن خالی کرنے سے دَنَا۔ دَنُ. الرَّاقُودُ الْعَظِيمُ لَا يَقْعُدُ إِلَّا أَنْ يُحَفَّرَ لَهُ بِرَادِمَكَا جو خود کھڑا نہ رکے۔ اس کے لئے زمین کھود کر گھر ابنا پڑتا ہے۔ [جمع دِنَانٌ] مفعول ہونے کی وجہ سے یہاں منسوب [دَنَا] ہے۔

طَافِحًا: طَافِحًا وَ طَافُوحًا [فَعَلَ] [برتن کا بھر جانا اور لبریز ہونا برتن کو پورا بھردیتا کہ [پانی، دودھ، یا شراب] کناروں سے بہہ جائے اس سے صفت طَافِحَ ہے۔ بھرا ہوا۔ لبریز۔ یہاں یہ دَنُا کی صفت ہے اس کے ساتھ مطابقت کے لئے یہ بھی منصوب [طَافِحًا] ہے۔ دَنُ طَافِحٌ۔ بھرا ہوا ملکا۔ لبریز ملکا دَنًا طَافِحًا بھرے ہوئے ملک کو **كَالنَّشَوَانِ: نَشَوَة:** شراب کی بدستی السُّكُرُ۔ النَّشَوَانُ:

السَّكْرَانُ۔ (شراب سے) بدست۔

ترجمہ:۔ (عرب میں) بکثرت ایسے لوگ تھے جو شراب سے لبریزم قطرہ قطرہ پی کر خالی کر دیتے تھے۔ تو [اے نبی رحمت!] آپ نے ان کو [اس گندہ چیز سے چھڑا کر ادین کا متوا الابنادیا۔]

تشريح:۔ عربوں کی سے خواری کا ذکر خود عرب شاعروں نے بہت کیا ہے۔
مثلاً طرف بن العبد اپنے قصیدے میں فخر سے کہتا ہے:-

وَمَا زَالَ تَشْرَابِيُّ الْخَمُورَ وَلَذْتِيُّ
وَبَيْعِيُّ وَانْفَاقِيُّ طَرِيفِيُّ وَمُثْلَدِيُّ

میرا ہمیشہ یہی شغل ہے قسم قسم کی شرایں خوب پینا اور مزے اڑانا اور نئے و پرانے مال کو فروخت کرنا اور خرچ کرنا۔

طرف کا خیال ہے کہ جوان صرف تین لذتوں کے لئے زندہ رہتا ہے اور ان میں پہلی لذت شراب ہے۔ چنانچہ اسی قصیدے میں کہتا ہے۔

فِمِنْهُنَّ سَبِقُّي الْعَادِلَاتِ بِشَرْبَةٍ
كُمِيْتٌ مَتَىٰ مَا تُغْلِي بِالْمَاءِ تُزْبَدٌ

ان [تین لذتوں] میں سے ایک یہ ہے کہ میں ارغوانی شراب ملامت کرنے والوں کے آنے سے پہلے ہی نوش کر جاتا ہوں۔ یہ ایسی شراب ہے کہ پانی ملانے سے اس میں جھاگ پیدا ہوتی ہے۔ (۹۱)

لیکن حضرت نبی کریم ﷺ نے انہی شرایوں میں زبردست تبدیلی لائی۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے صالح بندے بن گئے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ قرآن مجید میں ان کی منقبت

بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

(۹۱) سبعہ معلقات قصیدہ ۲۔ اشعار ۳۵۴ و ۳۵۵

”اور حُمَنْ کے بندے وہ ہیں جو زمین میں انگساری سے چلتے ہیں اور جب جاہل انہیں خطاب کرتے ہیں، تو یہ ان سے کہتے ہیں سلام۔ اور جورات گذار تھے ہیں اپنے رب کے آگے سجدہ کرتے اور کھڑے ہو کر۔“ [الفرقان (۲۵) ع (۶): ۶۳-۶۴]

شراب کی بات ہی نہیں، یہ لوگ شادی بیاہ کو بھی چھوڑنا چاہتے تھے۔ چنانچہ سعد بن ابی وقاصؓ کہتا ہے کہ اگر حضرت عثمان بن مظعونؓ کو تَبَتَّل [مجرد رہنے] کی اجازت ملتی تو لَا خُتَصِّيْنَا ہم ضرور خصی ہو جاتے۔ (۹۲)

حضرت عائشةؓ کے پاس ایک شخص نے آکر عرض کیا: إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أَسْأَلَكَ عَنِ التَّبَتَّلِ فَمَا تَرَيْنَ فِيهِ مِنْ آپ سے تَبَتَّل کے بارے میں پوچھنا چاہتا ہوں۔ آپ کی اس کے متعلق کیا رائے ہے؟ امام المؤمنین نے سورہ الرعد (۱۳) کی وہ آیت پڑھی جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے سب رسول بالبچوں والے تھے۔ [آیت ۳۸۔ رو ع ۲]۔ اور فرمایا فَلَا تَبَتَّلْ پس تو تَبَتَّل اختیار نہ کر، (۹۳) بعض صحابہ نے نکاح نہ کرنے کا ارادہ کیا، بعض نے گوشت نہ کھانے کا ارادہ کیا، بعض نے فرش پر نہ سونے کا ارادہ کیا، بعض نے ہمیشہ روزہ رکھنے کا ارادہ کیا۔ لیکن نبی رحمتؐ نے اس رہبانیت کی اجازت نہیں دی۔ (۹۴)

یہاں اس کا ذکر کرنے کا مقصد یہ دکھانا ہے کہ ناؤنوش کے رسیاعرب، جودا میں پانچ بار شراب پیتے تھے، کس قدر بدلتے گئے کہ اب وہ گوشت اور نکاح سے بھی پر ہیز کرنا چاہتے ہیں۔ شراب کی توبات ہی نہیں۔

(۹۲) سنن نبأی جلد ۲ک الفلاح [باب النهي عن التبتل] (۳) ح ۱

(۹۳) ایضاً ح ۳

(۹۴) ایضاً ح (انس)

٢٩..... شعر.....

كُمْ مُحَدِّثٍ مُسْتَنْطِقِ الْعِيْدَانَ قَدْ صَارَ مِنْكَ مُحَدَّثَ الرَّحْمَنَ

مُحَدِّثٌ: (باب افعال) أَحَدُ ثَيَّحِثُ كے معنی ہیں ابتدأ
وَابْتَدَأَعَ بَدْعَتْ نکالنا۔ اس سے اسم فاعل مُحَدِّث بناتا ہے یعنی ابتدأ
کرنے والا۔ بدعوت نکالنے والا۔ نئی رسم ایجاد کرنے والا۔ اور مُحَدَّث۔ اس چیز کو
کہتے ہیں جو نئی ایجاد کی گئی ہو۔ وہ رسم جو نئی نکالی گئی ہو۔ اس کو حَدَثَ بھی کہتے
ہیں۔ (باب تفعیل) تَحْدِيْثٌ نکلا ہے حَدَثٌ يُحَدِّثُ سے۔ حَدَثٌ عَنْ
فُلَانَ۔ کے معنی ہیں کسی سے کچھ بیان کرنا۔ روایت کرنا۔ اس سے اسم فاعل بناتا
ہے مُحَدَّث روایت کرنے والا، علم حدیث کا ماہر۔ اور اسی سے اسم مفعول بناتا ہے
مُحَدَّث لیعنی۔ وہ شخص جس سے بات کی جائے، مُحَدَّث الرَّحْمَنَ۔ رَحْمَنَ کا
مُحَدَّث۔ یعنی جس سے خدا تعالیٰ بات کرتا ہے یعنی جس شخص کو اللہ تعالیٰ سے الہام
حاصل ہوتا ہے۔

مُسْتَنْطِقٌ: نَطَقَ [باب ضَرَبَ] بولنا۔ بات کرنا۔ بیان کرنا۔ نُطَقَ [اسم]
ظاہری کلام یا گفتگو یا باطنی کلام فہم و ادراک باب استفعال میں ہے اِستَنْطِقَ اس
باب کی خصوصیت طلب [چاہتا۔ مانگتا] ہے پس اس کے معنی ہیں: كَلَمَةً وَ طَلَبَ
مِنْهُ النُّطُقَ۔ کسی کیسا تھہ گفتگو کرنا۔ اس کو بولنے کو کہنا [اترب/۲/۱۳۵]

اس سے اسم فاعل بناتا ہے مُسْتَنْطِقٌ: گفتگو کرنے والا، بولنے اور کہنے والا۔

الْعِيْدَانُ: الْعُوذُ [اسم واحد مذکور] (۱) الْخَشْبُ۔ لکڑی (۲) الْغَصْنُ

بَعْدَ أَنْ يُقْطِعُ. کئی ہوئی شاخ (۳) ضَرَبَ مِنَ الطَّيْبِ. ایک قسم کی خوبیوں۔
يَسْحَرُهُ. جسے بطور بخور استعمال کرتے ہیں۔ (۲) وَاللَّهُ مِنَ الْمَعَازِفِ
يُضَرِّبُ بِهَا. موسیقی کا ایک آلہ جس کو بجانے سے آوازنگتی ہے۔ سارنگی۔ [اقرب
 ۸۲۲/۱] **الْعُودُ** کی جمع ہے **الْعِيدَان / الْأَغْوَاد / الْأَغْوُذُ**.

مُسْتَنْطِقُ الْعِيدَانِ. سارنگیوں سے آوازیں پیدا کرنے والے، یعنی
 سارنگیوں کو بجانا کرنے گانے والے۔

صَارَ: صَارَ يَصِيرُ صَيْرًا [ضَرَبَ يَضْرِبُ]. (۱) رَجَعَ واپس ہونا
 (۲) تَحَوَّلَ۔ ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل ہونا (۳) إِنْتَقَلَ
 وَانْتَهَى إِلَيْهِ۔ منتقل ہونا۔ اور پہنچنا۔ قَدْ صَارَ۔ بے شک بدل گیا۔ ایک حالت
 سے دوسری حالت میں منتقل ہوا۔

مِنْكَ. مِنْ یہ حرفاً جو کئی معانی کے لئے استعمال ہوتا ہے ایک استعمال
 مُرَادِفَةُ الباء بھی ہے۔ یعنی حرفاً کی جگہ آتا ہے جیسے یہاں ہے۔ پس **مِنْكَ**
 بِكَ۔ تم سے تمہاری وجہ سے تمہارے ذریعہ۔

ترجمہ:- [عرب میں] بہت لوگ تھے جو بدکرداری اور بد اخلاقی کی رسمیں
 ایجاد کرتے تھے اور سارنگیاں بجا بجا کرنگہ سرائی کرتے رہتے تھے۔ لیکن [اے پاک
 بازوں کے سردار نبی خاتم! آپ کی تعلیم و تربیت] سے وہ [ان برائیوں سے نجات
 پا کر] خدائے رحمٰن کے ساتھ ہم کلام بن گئے۔

تشریح:- زنا کاری، میخواری اور موسیقی تین چیزیں ہیں جن کا آپس میں
 چولی دامن کا تعلق ہے۔ بلکہ کہا جاتا ہے کہ جس معاشرے میں موسیقی زیادہ مزروع
 ہوتی ہے وہاں میخواری پھر زنا کاری بھی عام ہو جاتی ہے موجودہ دور کے حالات اس
 کی تائید کرتے ہیں۔ عرب سماج میں زنا کاری و میخواری کس قدر رانج تھی۔ اس کا

اندازہ گزشتہ اشعار اور ان کی تشریع سے لگایا جاسکتا ہے۔ اب ان کی تیسری براہی۔ یعنی موسیقی کا ذکر ہوتا ہے۔

جاہلی طرفہ بن العبد اپنے معلقہ میں کتنا ہے:-

نَدَامَى بِيُضْ كَانَجُوم وَقَيْنَةٌ

تَرُوْحُ إِلَيْنَا بَيْنَ بُرْدٍ وَ مُجْسَدٍ

مجلس شراب میں میرے ہم نشین میرے دوست [ندامی] ستاروں کی مانند شریف (خاندانی) لوگ (بیض) ہیں۔ اور نغمہ سر امجدوبہ [قیۃ] ہمارے پاس شام کو آتی ہے [ترُوْحُ] دھاری دار چادر اور سرخ رنگ کالباس پہن کر۔

رَحِيبٌ قِطَابُ الْجَيْبِ مِنْهَا رَقِيقَةٌ

بِحَسْنِ النَّدَامِيِّ بَصَّةُ الْمُتَجَرِّدِ

اس کے گریبان کا چاک [قطابُ الْجَيْبِ] بہت کشادہ [رَحِيب] ہے دوستوں کے [بار بار اس کے گریبان میں ہاتھ ڈالنے کی اور اس کے محاسن بدن کو چھوٹے کی وجہ سے اور وہ بہت نرم و نازک ہے [رقیقة] وہ نازک بدن حینہ [بَصَّة] بدن کا ایک حصہ بالوں سے صاف و پاک) نگار کھتی ہے [متَجَرِّد] (۹۵)

حضرت رسول کریمؐ کے دست اعجاز نے ان لوگوں کو زنا کاری، میخواری اور نغمہ سرائی کے تعمذلت سے اٹھا کر روحانیت کے بام عروج پر اٹھایا اور اللہ تعالیٰ نے انکو مکالہ و مخاطبہ کا شرف بخشنا۔ چنانچہ بخاری اور مسلم شریف میں ارشاد نبوی ہے: لَقَدْ كَانَ فِيمَا قَبْلَكُمْ مِنَ الْأُمَمِ مُحَدَّثُونَ..... یعنی تم سے پہلی امتوں میں مُحَدَّث ہو اکرتے تھے (۹۶)

(۹۵) سبعہ معلقات: معلقہ ۱۲ اشعار ۵۰، ۳۹

(۹۶) بخاری پ ۲۲ اک فضائل اصحاب النبی [۲۲] باب مناسب عمر [۲] ح ۸۵۸۔ ح فضل الباری۔ ح ۲۔

(ابو ہریرہ) (۱۶۳۸)

اسی باب کی دوسری حدیث میں مُحَدَّثُونَ لفظ کی بجائے آتا ہے: زِجَالٌ يُكَلِّمُونَ مِنْ خَيْرِ آنَّ يَكُونُوا أَنْبِيَاءً مردان خدا جن کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرف مکالمہ حاصل تھا۔ بغیر اس کے کہ وہ نبی ہوں۔ پس معلوم ہوا کہ مُحَدَّثُوہ شخص ہے جو نبی تو نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ اس سے کلام کرتا ہے۔ یعنی وہ اولیاء اللہ میں سے ہے۔

یہی حدیث مسلم شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اور اس میں مُحَدَّث کے معنی بتائے گئے ہیں: تَفْسِيرُ مُحَدَّثُونَ مُلْهَمُونَ۔ یعنی مُحَدَّث سے مراد مُلْهَمُ ہے یعنی وہ شخص جس کو نعمت الہام حاصل ہو۔ (۹۷)

شعر..... ۳۰

**كُمْ مُسْتَهَامٍ لِلرُّشُوفِ تَعْشَقًا
فَجَذَبُتُهُمْ جَذْبًا إِلَى الْفُرْقَانِ**

مُسْتَهَامٌ: هَامَ يَهِيمُ هَيْمًا وَهَيْوَمًا [ضرَب]: کسی عورت کے عشق میں گرفتار ہونا۔ اس سے باب استفعال استھیام ہے۔ یعنی کسی کے عشق میں عقل کو بیٹھنا۔ دیوانہ ہو جانا۔

أَسْتَهِيمُ: ذَهَبَ فُوادَهُ وَخَلَبَ عَقْلُهُ اس کا دل چلا گیا اور عقل بھی جاتی رہی۔ یعنی عشق کی وجہ سے سخت فتنہ میں مبتلا ہوا۔ He got fascinated, infatuated, captivated. اس سے صفت کا صیغہ بنتا ہے **مُسْتَهَامٌ**. عشق میں کھویا ہوا عشق کے نشے سے سرشار Lost in love, besotted with love. کُمْ مُسْتَهَامٌ: عشق نسوان میں عقل وہوش کھوئے ہوئے بہت متوا لے تھے۔

الرُّشُوفُ: رَشْفٌ: چَنَا [شعر ۲۸] الرُّشُوفُ الْمَرْأَةُ الطِّبِيَّةُ الْفَمِ: وَهُوَ عَوْرَتٌ جَسْ كَالْعَابٌ وَهُنْ مِيَحْمَاهُوْتَاهُـ [یعنی عاشق اس کا لعاب وہن لزید پاکر چوتا ہے] [تاج العروس ۶/۷] او م الداقموں ۳/۱۰۹۰]

Sweet mouthed as though her saliva were sucked
in by her lover because of its sweetness [Lane]

الرُّشُوفُ الْمَرْأَةُ الطِّبِيَّةُ الْفَمِ [سان العرب جلد (۱) ص ۳۰۶ کالم ۲]۔
وَهُوَ عَوْرَتٌ جَسْ کے مند سے خوبیائی ہے۔

تَعْشَقًا: عشق (۱) بہت محبت کرنا۔ محبت میں حد سے بڑھ جانا (۲) کسی چیز

کے ساتھ چٹ جانا۔ اور اس سے باب تفعل **تَعْشُقٌ** ہے۔ (۱۰) بخلاف عاشق بنا
حد سے زیادہ عشق کرنا۔ یہاں دوسرے معنی مراد ہیں۔

فَجَذَبْتُهُمْ: جَذَبَهُ جَذْبًا [نَصَرَ يَنْصُرُ] کسی چیز کو کھینچنا۔ اس سے ماضی
واحدہ مذکور حاضر جذب تونے کھینچ لیا۔

جَذَبْتُهُمْ. تو نے کھینچ لیا ان کو الی **الْفُرْقَان**. فرقان [قرآن مجید] کی
طرف۔ **جَذْبًا جَذَبْتَ** [فعل] کا مصدر ہے جب کسی فعل کے بعد اسی فعل سے بنا
ہوا مصدر بحیثیت مفعول لا یا جائے۔ تو ایسے مفعول کو **الْمَفْعُولُ الْمُطْلَقُ** کہتے
ہیں۔ مفعول مطلق منصوب ہوتا ہے۔ اس کا مقصد فعل کی تاکید کرنا یا نوعیت یا کیفیت یا
تعداد بتانا ہوتا ہے۔

یہاں تاکید فعل مقصود ہے۔

ترجمہ:- بہت سے لوگ تھے جو شرین دہن یا معطر دہن عورتوں کے عشق میں
ہوش و خرد کھو بیٹھے تھے۔ تو اے پاک باز نبی آپ نے ان کو [قرآن
حکیم کی طرف کھینچ لیا۔

تشریح:- عرب بڑے حسن شناس اور حسن پرست تھے عورت کی شیرین و ننی یا
عطروں کے بڑے دلدادہ تھے۔ چنانچہ جاہلی شاعر عمرتہ بن شداد اپنے معلقہ میں
اپنی معشوقہ [علبة] کے متعلق کہتا ہے:-

إِذْتَسَبَّيْكَ بِذِيْ غُرُوبٍ وَأَضَرِّ

عَذْبٌ مُقْبَلَةً لَذِيْنَدِ الْمَطْعَمِ

وہ وقت یاد کر جب معشوقہ [علبة] اپنے خوبصورت چمکیلے دانت [ذی غروب
واضخ] دکھا کر [زندان محبت میں] تجھے قیدی بنا تی تھی [تسنیک] ان کا چومنا لذیذ
[عذب] تھا اور اس کا لعاب دہن بہت لذت بخش میٹھا تھا۔

وَكَانَ فَارَةَ تَاجِرَ بِقَسْيَمَةٍ
سَبَقَتْ عَوَارِضَهَا إِلَيْكَ مِنَ الْفَمِ

اور گویا عطر فروش [تاجر] کی کستوری [فارة] حسینہ [قیمت] کے پاس ہے۔ اس کے دانت [عوارِ ضھا] کھلنے سے پہلے ہی اس کے منہ سے [منَ الْفَم] تیرے پاس (اسکی خوبیوں) آگئی۔

یعنی اس کے ساتھ بات کرنے سے پہلے ہی چوماچائی شروع کرتے ہو تو اس کی خوبیوں دہن سے لطف اٹھاتے ہو۔ (۹۸)

حسن مجازی کے ان پرستاروں کو جناب نبی کریمؐ نے قرآن کی طرف کھینچ لیا۔ قرآن مجید کی تعلیم سے آراستہ کیا۔ اور قرآن مجید کی تعلیم سے وہ سرکش خواہشات کی پیروی سے مجبوب ہو گئے۔ وہ عشق نسوان کو چھوڑ کر عاشقان قرآن بن گئے۔ حضرت امیر المؤمنین علیؑ کا ارشاد ہے:-

مَا جَالَسَ هَذَا الْقُرْآنَ أَحَدًا إِلَّا قَامَ عَنْهُ بِزِيَادَةٍ أَوْ نُقصَانٍ.
زِيَادَةٌ فِي الْهُدَى وَنُقصَانٌ مِنْ عَمَّى (۹۹)

”جو شخص قرآن مجید کے ساتھ نہ سوت و برخواست رکھے گا۔ اس کے پاس سے جب اٹھے گا کسی چیز میں زیادتی اور کسی میں نقصان کے ساتھ ہی اٹھے گا ہدایت میں زیادتی ہو گی؛ جہالت و اندھے پن میں کمی ہو گی۔“ چنانچہ ان شراب خوار اور زنا کار لوگوں کو ہدایت ملی اور جہالت کا فور ہوئی۔ امیر المؤمنین دوسرے موقعہ پر فرماتے ہیں:-

(۹۸) سبع معلقات۔ معلقة نمرہ ۶۔ اشعار ۱۲ او ۱۸

(۹۹) گفتار دلنشیں ۵۔ حوالہ الحیاہ جلد ۲ ص ۱۰۱

فَمَنِ اشْتَاقَ إِلَى الْجَنَّةِ سَلَّأَ عَنِ الشَّهَوَاتِ

وَمَنِ اشْفَقَ مِنَ النَّارِ اجْتَنَبَ الْمُحَرَّمَاتِ

پس جو شخص جنت کا شوق مند ہے وہ سرکش خواہشات سے کنارہ کش رہتا ہے اور جو آگ سے ڈرتا ہے وہ گناہوں سے اجتناب کرتا ہے۔ (۱۰۰)

عرب کی تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اسلام کی انسانیت پرور اور اخلاق افروز تعلیم سے شہوات و محرمات سے الگ ہو گئے۔

شِعْر.....۳۱

اَحْيَيْتَ اَمْوَاتَ الْقُرُونَ بِجَلْوَةٍ
مَاذَا يُمَاثِلُكَ بِهَذَا الشَّانِ

احیت: حی : زندہ حیی یحیا حیاۃ [سَمِعَ يَسْمَعُ] . زندہ رہنا۔
اسی سے باب ”انعال“ احیاء ہے۔ احیاہ زندہ کرنا۔ اس سے ماضی صیغہ واحد مذکور
 غالب ہے احیت تو نے زندہ کیا۔

اموات: میت۔ الَّذِي فَارَقَ الْحَيَاةَ۔ میت۔ مردہ۔ اس کی جمع
اموات۔ موتی، میتوں میتوں ہے۔

اموات سے مراد اخلاقی اور روحانی لحاظ سے مردے ہیں۔

الْقُرُون: الْقَرْنَ: مائیہ سنتہ: سو سال ایک صدی۔ الْقُرُونَ: [جمع]
صدیاں۔ [اقرب جلد (۱) ۹۹۲]

اموات الْقُرُونَ: وہ لوگ جو صدیوں سے مردے تھے یعنی کئی صدیوں سے
اخلاقی اور روحانی زندگی کھو چکے تھے۔ اور حیوانوں کی طرح ہی تھے۔ ان کو [آپ نے
زندہ کیا]

بِجَلْوَةٍ: جَلَلَ [نَصَرَ] جَلْوَاً وَ جَلَاءً: (۱) صیقل کرنا (۲) سرمہ لگا کر آنکھ
روشن کرنا (۳) کوئی چیز واضح کرنا۔ ظاہر کرنا۔ (۴) جلا وطن کرنا (۵) غم و ہم دور کرنا۔
اور جَلَلَ (نَصَر) جَلَاءَ وَ جَلْوَةَ۔ واضح۔ واضح کرنا۔

اور جَلَلَ الْعَرْوَسَ عَلَى بَعْلِهَا جَلْوَةَ وَ جَلَاءَ عَرَضَهَا عَلَيْهِ
مُجَلَّوَةً۔ وہن کو بناو سنگھار کیسا تھد دوہما کے پاس بھیجا [تاج ۱۰ ص ۵۷ اقرب

ص ۱۳۵] جَلَّا [نَصَرْ] جَلَاءٌ دِلْهَا كَادُهُنَّ كُوشِبْ زَفَافٌ تَحْفَدِي بِنَا اسْ تَخْنَهُ كُوْجُوهُ كَبِيْتَهُ
بِيْنَ - جَلْلُوَةٍ - وَضَاحَتْ - آبَ وَتَابَ كَسَاتِهِ ظَهُورٌ، بَعْدَ دُجْجَ كَرْ سَامِنَهُ
آـنَا - بـَجـَلـُوـةـِ - أـيـكـ جـَلـوـهـ سـےـ - مـَادـاـ كـُونـیـ چـِزـِ يـُـمـَاثـِـلـُـکـ : بـَـاـبـ مـَـفـَاعـَـلـَـةـ مـِـيــںـ مصدرـ
مـُـمـَاثـَـلـَـةـ هـےـ - مـَـاـلـَـلـَـهـ بـِـفـَلـَـاـنـ . كـُـسـ خـَـصـ كـُـسـ دـوـرـ خـَـصـ سـےـ تـَـشـيـهـ دـيـنـاـ اـسـ سـےـ
مـَـسـارـعـ وـَـاـحـدـ مـَـذـكـرـ غـَـاسـبـ هـےـ - يـُـمـَاثـِـلـَـهـ دـَـيــاـتـاـ هـےـ يـُـمـَاثـِـلـُـکـ . تـَـجـَهـ
تـَـشـيـهـ دـيـنـاـ هـےـ - تـَـجـَهـ تـَـشـيـهـ دـَـيــاـتـاـ هـےـ - بـِـهـَـدـاـ الشـَـانـ - اـسـ شـَـانـ وـَـشـوـكـتـ کـےـ
سـاتـھـ -

ترجمہ: - [اے نبی اکرم!] آپ نے اپنے ایک جلوے سے ان لوگوں کو زندہ کیا جو سینکڑوں سالوں سے مردے پڑے تھے۔ آپ کی اس شان کو منظر رکھتے ہوئے کوئی آپ کو [کس مصلح کے ساتھ] تشبیہ دے سکتا ہے؟

تشریح: - عرب قوم سینکڑوں سالوں سے نور رسالت سے محروم تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَا أُنْذِرُ أَبَاءُهُمْ فَهُمْ غَافِلُونَ ۝ تاکہ [اے نبی خاتم!]
آپ اس قوم کو ہوشیار کریں جن کے آباء و اجداد بھی ہوشیار نہیں کئے گئے۔ اس لئے یہ سب خواب غفلت میں پڑے ہیں۔ [ایس (۳۶): ۲۰]

عرب میں یہود آئے۔ ”جب ان کی قوت مغضوب ہو گئی تو یہودیت کی تبلیغ شروع کی۔ یمن کا بادشاہ ذنو اس یہودی بنا۔ اس کے جبر و تشدد سے یہودی مذہب خوب پھیلا۔ لیکن اس کا زور بہت قلیل وقت کے اندر ختم ہوا۔ اور پہلی حالت عود کر آئی۔

عرب کے شمال میں رومان امپائر تھی۔ اس کی امداد اور عیسائی مبلغین کی ان تحکم کو ششون سے نجران کے اکثر باشندے اور کمی دوسرے قبائل حمیر غسان، ربیعہ اور

تغلب وغیرہ عیسائی ہو گئے۔ لیکن عرب کی تدنی معاشرتی، اخلاقی اور روحانی حالت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ ان دو تحریکوں کے بعد، اندرون عرب تیسری اصلاحی تحریک حفیت اٹھی۔ ایک چھوٹا فرقہ پیدا ہوا۔ ان کو حنفی کہتے تھے۔ یہ مشرکین عرب کی بت پرستی سے نفور اور یہودیت و نصرانیت سے بیزار تھے۔ یہ صرف خدا نے واحد کی عبادت پر زور دیتے تھے۔ اس کے بغیر کسی اور شعبہ زندگی کی اصلاح سے ان کو کوئی تعلق تھا، ہی نہیں۔ مرور زمانہ کیسا تھا یہ حدیثی تحریک بھی آپ اپنی موت مرگئی۔

غرض عرب پر اخلاقی اور روحانی موت سینکڑوں سال تک طاری رہی یہاں تک کہ ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نجح ہمیا لے کر جلوہ گر ہوئے۔ آپ کے دستِ اعجاز سے زندگی بخش جام پی کر یہ ہزار سالہ مردے جی اٹھے۔ حضرت مولانا محمد علیؒ لکھتے ہیں:-

”نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے تین متفرق تحریکات مذہبی کے لئے جن سب کی غرض ملک عرب کی اصلاح تھی اسیاب کا پیدا ہونا اور پھر ان تینوں کا بعض حالتوں میں صدیوں تک کام کر کے اور ہر قسم کے سامان حتیٰ کہ سلطنت کے رعب تک موجود ہوتے ہوئے نا کام رہنا اور پھر ان تینوں کے بعد ایک فرد واحد کا تنهائی کی حالت میں اٹھنا اور بیکسی کی حالت میں چھوڑے جانا اور آخر کار چند سال کے عرصہ میں ملک عرب کے نہ صرف مذہب کو بلکہ اس کے عادات و اطوار و اخلاق و حالت سب کو ایسا بدل دینا کہ گویا کہ اس ملک کی کایا ہی پلٹ دی۔ ایک ایسا حیرت انگیز امر ہے۔ جس کی اور کوئی نظیر تاریخ عالم پیش کرنے سے عاجز ہے۔ یہودیوں کا نبی اسماعیل یا عرب کے لوگوں کے ساتھ بھائی بھائی ہونے کا تعلق تھا ان کی زبانیں ان کی عادات بہت کچھ باہم ملتی تھیں۔ ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ

السلام کو دونوں قومیں یکسان عزت کی نگاہ سے دیکھتی تھیں۔ یمن کے بادشاہ تک نے یہودیوں کے دین کو قبول کر لیا۔ ظاہری اسباب کافی سے زیادہ مہیا ہو چکے تھے۔ کہ ملک عرب سارے کا سارا اس اثر کے نیچے یہودیوں کے دین کو قبول کر لیتا۔ مگر یہ تمام اسbab ملک عرب کی حالت عامہ میں کوئی تغیر پیدا نہ کر سکے اس کے بعد عیسائیت آئی اور ایک نیا پیغام لے کر آئی۔ اس کی فرضی تو حید کچھ کچھ عرب کی فرضی تو حید سے ملتی جلتی تھی۔ جس قسم کی بت پرستی ان میں مروج تھی۔ اس قسم کی یونانی بت پرستی کے اثر کے نیچے عیسائیت کے عقیدہ تیلیٹ نے پروش پائی تھی۔ اور موجودہ عیسائیت کے اصل بانی پُلاؤس [Paul] نے انبیاء بنی اسرائیل کی تو حید پرست پرستی کا ایسا رنگ چڑھایا تھا کہ بت پرست قومیں گروہ در گروہ اس دین میں داخل ہونا شروع ہو گئی تھیں پھر عیسائیت میں شریعت کی پابندی کی کوئی قید نہ تھی اور عرب کی طبائع بھی قود شرعی کے پابند نہ ہونے کی وجہ سے اور ہر قسم کی عیاشی میں پڑ جانے سے عیسائیوں کی طرح ہی اباحت پسند ہو چکی تھیں اور یوں عرب کے لوگوں کے لئے عیسائیت کھل ترین مذہب تھا علاوہ ازین اوپر سے ایک عظیم الشان عیسائی سلطنت روما کا اثر اور عرب قوموں کا جو عرب شام میں رہتی تھیں۔ اس دین کو قبول کر لینا۔ یمن کی طرف سے عیسائی شاہان جہش کا اثر یمن کے حصہ کا عیسائی ہو جانا بلکہ حیرہ اور غسان کی سلطنتوں پر بھی عیسائیت کا غالب آجانا یہ وہ نہایت ہی قومی اسbab تھے جو شاید ہی کبھی کسی مذہب کو میسر آئے ہوں۔ اور ان کے ماتحت عرب کا عیسائی ہو جانا چند دن کا کام معلوم ہوتا تھا۔ مگر سوائے عرب کی شراب خوری تمار بازی اور مردوں عورت کے محبوب تعلقات کو بڑھانے کے اور کوئی اثر اس مذہب کا بھیثیت ملک پر نہیں ہوا ان دونوں کے بعد تیسری تحریک جو حفیت کے نام سے موسوم ہے اندر ورنی تحریک تھی۔ اور عرب کے رسوم و رواجات کے اندر کسی قسم

کی تبدیلی پیدا کرنا اس کی غرض نہ تھی بلکہ اہل عرب کو صرف بت پرستی سے نکال کر خالص تو حیدر قائم کرنا اس کا مقصد تھا مگر اس کے لئے عرب کی آب و ہوا اس قدر بھی موافق ثابت نہ ہوئی جس قدر یہودیت اور نصرانیت کے لئے ہوئی تھی۔ اور یہ تحریک سب سے کمزور ثابت ہوئی۔ شاید اس کی یہ وجہ ہو کہ اس کی پشت پر کوئی ایسی دنیوی طاقت نہ تھی جیسی یہودیت اور نصرانیت کی پشت پر تھی۔ عرب کی اس خطرناک گناہ کی غلامی کی حالت کی طرف وہ آیت قرآنی اشارہ کرتی ہے جو عنوان باب میں منقول ہے یعنی اہل کتاب اور مشرک سب کے سب اس قدر گناہ کی غلامی میں پھنسنے ہوئے تھے کہ وہ اس قابل نہ تھے کہ کسی دنیوی کوشش سے اس غلامی سے آزاد ہو سکیں اس لئے ان کو اس غلامی سے نکالنے کے لئے ایک اللہ کے رسول کی ضرورت تھی جو پاک صحیفے ان پر بڑھ کر ان کو ان نجاستوں سے باہر نکالنا۔

ان سب حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے ایک بار یہ بین نگاہ اور غور و فکر کا عادی دل حرمت میں رہ جاتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکیلے یہکس انسان کے پیچھے اس کی تائید کرنے والی وہ کوئی عظیم الشان طاقت تھی کہ آپ نے بیس سال کے عرصہ میں ملک عرب کی زمین و آسمان کو بدلتا دیا اور ایک ایسے انقلاب کا نقشہ پیدا کر کے دکھایا۔ جس کی نظریہ کسی مصلح کی کوششوں میں نظر نہیں آتی۔ دشمن بھی معرفت ہے،“ (۱۰۱)

"The Prospects of Arabia before the rise of
Mohammed were as unfavourable to religious reform
as they were to political union or national regeneration.
The foundation of Arab faith was a deep - rooted
idolatry, which for centuries had stood proof, with no

palpable symptom of decay, against everyattempt at evangelisation from Egypt and Syria.[۱۰۲]

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے عرب کی حالت مذہبی تبدیلی کے قبول کرنے سے ایسی ہی دور پڑی ہوئی تھی جیسے باہمی اتفاق اور اتحاد پیدا کرنے سے دور تھی عربوں کے مذہب کی بنیاد ایسی سخت بت پرستی پر تھی جس کی جزیں نہایت گہری لگ چکی تھیں جس نے صدیوں تک مصر اور شام کی عیسائیوں کی تمام کوششوں کا ایسا مقابلہ کیا تھا کہ گویا ان کا اس پر کچھ اثر ہی تھا،“ (۱۰۲)

(۱۰۲) سرویم میور۔ ”لائف آف محمد“ باب ۲۶ ص xcv

سریت خیر البشر باب ۳ ص ۲۹-۳۰

شِعْر..... ۳۲

**تَرَكُوا الْغَبُوقَ وَبَدَلُوا مِنْ ذُوقِهِ
ذُوقَ الدُّعَاءِ بِلِيلَةِ الْأَحْزَانِ**

الْغَبُوق:۔ شَرْبُ اخِيرِ النَّهَارِ مُقَابِلِ الصَّبُوحِ وَشَرَابِ جُودَنِ مِنْ آخِرِ
شَرَابِ هُوتِي تَقْبِي۔ یعنی صَبُوحٌ (یعنی صبح کی شراب) کے مقابل تَقْبِي۔ [سَانِ ۱۰: ۱۳]

عرب لوگ دن میں پانچ وقت شراب پیتے تھے۔

- (۱) طَلَوْعَ آفَاتَب سے پہلے۔ اس کو حَاشِرِيَّةً کہتے تھے۔
- (۲) طَلَوْعَ آفَاتَب کے بعد یعنی صَبُوحٌ۔
- (۳) قَيْلٌ دوپہر کے وقت۔
- (۴) مَغْرِبٌ کے وقت فَحْمَةٌ اور
- (۵) عَشَاهٌ کے وقت غَبُوقٌ۔ [سَانِ ۱۰: ۱۹۶] از رِنْجَہ

غَبُوق یعنی عشاہ کے وقت کی شراب سے راتِ متی میں گزر جاتی تھی۔
بَدَلُوا: بدلہ میں لینا۔ بدل دینا۔ ماضی جمع مذکر غائب بنتا ہے بَدَلُوا۔
انہوں نے بدل دیا۔

ذُوق۔ **ذُوق** (۱) چکھنے کی طاقت (۲) مزہ (۳) طبیعت۔ مِنْ ذُوقِهِ اس
کے مزہ سے۔ یعنی غَبُوق کے مزے سے بَدَلُوا مِنْ ذُوقِہِ انہوں نے غَبُوق
کے مزے کے بدے لیا ذُوق الدُّعَاءِ دعا کا مزہ۔

الْأَحْزَانِ : الْحُزْنُ اور الْحَزْنُ کے معنی ہیں غم۔ اس کی جمع ہے الْأَحْزَانِ:
غم و ہموم۔

لَيْلَةُ الْأَحْزَانِ: غموم وہموم کی رات۔ وہ رات جس میں آدمی غموم اور پریشانیوں کے اثر دہام میں بیٹلا ہو جاتا ہے۔ اور ان غموم کو غلط کرنے کے لئے تیز نشہ آور چیزوں کا سہارا لیتا ہے۔ بقول مرزا غالب

۔ اک گونہ بے خودی مجھے دن رات چا ہے

بِ = فِی کے معنی میں ہے۔ **بِلَيْلَةِ الْأَحْزَانِ:** غموم وہموم کی رات میں۔

ترجمہ:۔ ان لوگوں نے غبوق (عشا کے وقت کی شراب کا پینا) چھوڑ دیا۔ اس سے جولندت حاصل ہوتی تھی اس کے بد لے انہوں نے غم وہم کی رات میں دعاء کی لذت کو قبول کیا۔

شعر.....سمسم

كَانُوا بِرَنَاتِ الْمَثَانِي قَبْلَهَا
قَدْ أَحْصِرُوا فِي شُحْهَاءِ كَالْعَانِ

بِرَنَاتِ: رَنَةٌ : الصَّوْتُ الْحَزِينُ عِنْدُ الْغِنَاءِ أَوِ الْبُكَاءِ۔ (جمجم) : وہ غمناک آواز جو گانے کے وقت یارونے کے وقت نکالی جائے۔ اس کی جمع رَنَاتٍ ہے۔ اور یہاں مراد مطلق آوازیں ہیں۔

الْمَثَانِي : المَثَنَى مِنَ الْأُوْتَارِ : بربط باجہ کی تار الذی بعد الاول۔ جو پہلی تار کے بعد ہو۔ مراد ہے۔ باجہ کی تار اس کی جمع ہے۔ مَثَانٍ یا الْمَثَانِي ۔ باجہ کی تاریں۔

بِرَنَاتِ الْمَثَانِي ۔ باجہ کی تاروں سے پیدا ہونے والی آوازوں کیسا تھ۔
أَحْصِرُوا :۔ أَحْصَرَ (بابِ افعالِ أحصار) کسی کو روک دینا۔ اس سے ماضی مجہول جمع مذکر غائب بنتا ہے أَحْصِرُوا وہ روک دئے گئے۔

شُحْهَاءِ.. الشُّحُّ : الْبُخْلُ ۔ بخل حرص۔ فِي شُحْهَاءِ "اس کے بخل و حرص میں"۔ یعنی باجوں کی آوازوں کے حرص میں۔ (روکے گئے تھے۔)

كَالْعَانِ: العَانَ کی طرح۔ غَنَى يَعْنُونُ / غَنَى يَعْنَى عَنَّا (فِي الْقَوْمِ) لَهُ۔ خَضَحَ وَذَلَّ ۔ تابعدار ہونا ذلیل ہونا۔ صارَ أَسِيرًا فِيهِمْ ۔ کسی قوم میں قیدی ہونا۔ اس سے صفت بنتا ہے عَانِ۔ فرمان بردار۔ ذلیل قیدی ج گُناہ

ترجمہ: اس سے پہلے وہ باجوں کی تاروں سے پیدا ہونے والی آوازوں کی حرص میں ذلیل اور فرمان بردار قیدی کی طرح بند تھے۔

تشریح: اس شعر میں اسلام سے پہلے عربوں کے ایک محبوب مشغلوں کا ذکر ہے یعنی وہ گانے بجانے کا حد سے زیادہ شوق رکھتے تھے۔

ان کے ہاں مست شباب حسین لڑکیاں ناؤنوش کی مجلسوں میں نغمہ سرا ہوتی تھیں۔

شِعْر.....۳۲

قُدْ كَانَ مَرْتَعُهُمْ أَغَانِيٌّ دَائِمًا
طَوْرًا بِغِيدٍ تَارَةً بِدِنَانِ

مَرْتَعُهُمْ : رَقَعَ يَرْتَعُ رَقْعًا وَرُتُوعًا وَرَتَاعًا: [فعل يَفْعُلُ]: ایسی خوش حال زندگی بسر کرنا کہ ہر مراد پوری ہو۔ [منجد] الْمَرْتَعُ: مَوْضَعُ الرَّتْغَ - وہ جگہ جہاں خوش حال زندگی کا اور ہر مراد پوری کرنے کا سامان مہیا ہو [اقرب ۱/۳۸۸]
أَغَانِيٌّ: الْغِنَاءُ - گیت۔ راگ۔ اُغْنِيَّة / اُغْنِيَّة گیت۔ سر۔ راگ۔ اس کی جمع ہے۔ اَغَانِيٌّ یا أَغَانِي۔

طَوْرًا: اندازہ۔ حد۔ ہیئت۔ حال اور باری۔ مثلاً اَتَيْتُهُ طَوْرًا بَعْدَ طَوْرِ میں اس کے پاس بار بار آیا۔

بِغِيدٍ: غَيْدَ يَغِيدُ غَيْدًا: لڑکے کا جھکی ہوئی گردن والا، نرم کندھوں والا ہونا۔ اس سے صفت مذکر اَغْيَدُ اور صفت موئیث غَيْدَ آءُ ہے۔ غَيْدَ - نزاکت۔ غَيْدَ آء کی جمع ہے غَيْدَ۔ نازک اندام عورتیں۔ بِغِيدٍ: نازک اندام خوبصورت عورتوں کے ساتھ تارَةَ کبھی۔ بِدِنَانِ: - دَنْ - بِرَامِلَكَا - خَمْ۔ اس کی جمع ہے دِنَانِ ملنکے۔ خَمْ۔ بِدِنَانِ ملنکوں کے ساتھ

تَرْجِمَه: اُنکی خوشحالی اور عیش و عشرت کا سامان وہ راگ اور نغمے تھے جن کی ساتھ وہ ہمیشہ مشغول رہتے تھے۔ کبھی نازک اندام عورتوں کے ساتھ، اور کبھی شراب کے ملنکوں کے ساتھ۔

تَشْرِيْخ: اس شعر میں عربوں کی تینوں برائیوں کا ذکر ہے یعنی۔ شراب حسن فروش عورت اور رقص و سرود کی مجلس۔

شِعْر ۳۵

مَا كَانَ فِكْرٌ غَيْرَ فِكْرِ غَوَانِي
أُو شُرُبِ رَاحِ أُو خِيَالِ جِفَانِ

غَوَانِيْ غَبَنِيْ يَغْنِيْ اَغْنَى [باب سمع]: (۱) نکاح کرنا (۲) حسن و جمال کی وجہ سے آرائش سے بے نیاز ہونا۔ اس سے اسم فاعل بنتا ہے غَانِي یعنی بے نیاز مرد غَانِي سے مؤنث غَانِيَة یعنی وہ عورت جو اپنے ذاتی حسن و جمال کی بدولت آرائش سے بے نیاز ہو۔ غَانِيَة کی جمع ہے: غَوانِز اور غَانِیات۔

غَيْرِ فِكْرِ غَوَانِيْ: حسن و جمال سے مالا مال اور آرائش سے بے نیاز عورتوں کی فکر کے بغیر مَا کانَ فِكْرٌ کوئی فکر تھا نہیں رَاح: شراب، خوشی، نشاط۔
 شُرُبٌ، پینا، گھونٹ لینا، سیراب ہونا اُو شُرُبِ رَاح: یا سیراب ہونا شراب سے جِفَان: جَفْنَة۔ بڑا برتن۔ لگن جس میں کھانا کھایا جا سکے راغب لکھتے ہیں:
 خُصَّصَ بِوَعَاءِ الْأَطْعَمَةِ یعنی یہ لفظ خاص کر کھانے کے برتن کو کہتے ہیں وَجَمِعُهَا جِفَانٌ اور جَفْنَةُ کی جمع جِفَانٌ ہے۔ [مفردات ۹۲ قرآن پاک میں ہے وَجِفَانٌ كَالْجَوَابُ اور [بڑے بڑے] لگن جیسے تلاab [سما (۳۲): ۱۳] مالقاوموں میں اس کے معنی لکھتے ہیں:

قصَّعَه

The largest Kind of

یعنی قَصَّعَه کی سب سے بڑی قسم اور قَصَّعَه کے معنی ہیں بڑا پیالہ پس جِفَان کے معنی ہیں بڑا لگن جس میں لگ بھگ دس آدمی کھانا کھا سکیں۔

ترجمہ: - [عربوں کو] حسین و جیل عورتوں کے فکر کے بغیر اور کوئی فکر تھا نہیں۔

نہیں۔ [اس کے ساتھ] یا شراب نوشی کا فکر تھا یا بڑے بڑے لگنوں [میں گوشت کھانے] کا خیال رہتا تھا۔

تشریح: حسین و جیل عورتوں پر مرنے والے عرب ان کے لئے بڑی سے بڑی قربانی دیتے تھے۔ موٹی تازہ اونٹی ان کا بہترین مال سمجھا جاتا تھا اور حسینہ کے لب واپس کے ارشارے پر اپنی جان چھڑ کنے والے عرب بہترین مال کی قربانی سے دربغ نہیں کر سکتے تھے۔ شعر کی تشرع میں پچھے ایک واقعہ کتب حدیث سے نقل ہوا ہے۔ اب مزید واقعات سبعہ معلقات سے پیش ہیں:-

امراء القیس (۵۰۰-۵۲۰ء) کہتا ہے:-

وَيَوْمَ عَقِرُثُ لِلْعَذَارِيِّ مَطِيَّتِيِّ فَيَا عَجَباً مِنْ كُورِهَا الْمُتَحَمِّلِ

اور وہ دن قابل ذکر ہے جب [میری محبوبہ غنیزہ نبیت شرخیبل اپنی سہیلیوں کے ساتھ دارۂ جُلجل کے تالاب میں نہاتی تھیں۔ میں نے ان کے کپڑے اٹھائے۔ اور اس شرط پر واپس دینا مان لیا کہ وہ میرے سامنے ماوراءِ انگلی ہو کر آئیں۔ مجبور ہو کر ان کنواریوں نے میرے سامنے برہنہ ہو کر پریڈ کی۔ میں نے اپنی محبوبہ کو دن دھاڑے بالکل عریانی کی حالت میں خوب دیکھ لیا۔ پھر ان کنواریوں نے مجھ سے کپڑے لئے اور بھوک کی شکایت کی۔ تو] میں نے اپنی اونٹی کو ان کی خواہش پوری کرنے کے لئے ذبح کیا۔ [اور اپنے غلاموں سے کباب بنوا کر ان کو کھلائے] مجھے تعجب ہے ان کنواریوں نے سواریوں پر کجاوے لادر کھے اور ان میں ساز و سامان بھر دیا۔ [معلقہ شعر]]

طرفہ اپنے معلقہ میں کہتا ہے:-

فَظَلَّ الْإِمَاءُ يَمْتَلِنَ حُواْرُهَا

وَتَسْعَى عَلَيْنَا بِالسَّدِيْفِ الْمُسَرُّهِ

پھر ہماری لوئڈیاں انگاروں پر بھونے لگیں اس [اوٹنی] کا بچہ اور ہمارے پاس

چربی دار کوہاں اور چربی دار گوشت لانے لگیں۔ [معلطف شعر ۹۲]

اسی طرح اور بھی مثالیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جاہلیت میں عرب

ناونوش اور حسیناوں کے لئے گوشت خوب کھاتے کھلاتے تھے۔

شعر..... ۳۶

**كَانُوا كَمْشُغُوفِ الْفَسَادِ بِجَهْلِهِمْ
رَاضِيُّنَ بِالْأَوْسَاخِ وَالْأَدْرَانِ**

كَمْشُغُوفِ: شَغْفٌ [باب فَعَلٌ] - دل پر چھا جانا۔ غالب آنا۔
[باب سمع] بِهِ کسی کی محبت میں فریفتہ ہو جانا [مسجد] مَشْغُوفٍ۔ الْمَجْنُونُ
حُبًّا - محبت میں دیوانہ [اقرب جلد (۱) ص ۵۹۸]

مَشْغُوفٌ بِهِ
Madly in Love with

كَمْشُغُوفِ: دیوانہ کی مانند
الْفَسَادِ: - (۱) خراب ہونا۔ بُگڑ جانا۔ (صلح کی ضد) (۲) لہو و عب (۳)
أَخْذُ الْمَالِ ظُلْمًا: ظلم سے کسی کامال یعنی، (لوٹ مار) [اقرب ۹۲۲/۱]
بِجَهْلِهِمْ: جَهْلٌ یا جَهَالَةٌ۔ بے علم، ان پڑھ ہونا، بے مروت ہونا، بے
 وقوف بننا، بے وقوف ہونا، اجدپن کرنا۔ بِجَهْلِهِمْ۔ ان کے اجدپن سے، ان کی
 بے مرتوتی سے۔

بِالْأَوْسَاخِ: وَسَعَ يَوْسَخُ وَسْخَا۔ میلا ہونا۔ الْأَوْسَاخِ۔ میل کچیل
 (ج) الْأَوْسَاخِ۔ بِالْأَوْسَاخِ = پلید یوں۔ گندگیوں سے۔

أَدْرَانِ = دَرِنَ يَدْرَنُ دَرَنَا، میلا ہونا الدَّرَنِ : میل کچیل (ج)
 الْأَدْرَانِ۔ أُمُ الدَّرَنِ : غلاظت کی ماں۔ یعنی دنیا۔

ترجمہ: - (اسلام سے قبل) عرب اپنے جہل کی وجہ سے فساد کی محبت میں
 دیوانے کی مانند تھے۔ وہ طرح طرح کے میل کچیل اور گندگیوں پر راضی تھے۔

تفسیر: - عرب زمانہ جاہلیت میں فساد یعنی دھنگا، ظلم و زیادتی لڑائی

جھگڑے اور خون ریزی کے عاشق تھے۔ طرفہ عرب نوجوان کی تین ”لذتوں“ کا ذکر کرتے ہوئے، دوسری لذت کے متعلق کہتا ہے:-

وَكَرِيٰ إِذَا نَادَى الْمُضَاقُ مُحَنَّبًا كَسِيدٍ الْغَضَا نَبَهَةً الْمُتَوَرِّدُ

اور [دوسرے لذت یہ ہے کہ] میں لوٹاتا ہوں اپنا بہادر اور مضبوط تیز رفتار گھوڑا [محنّب] اس فریادی [مضاق] کی طرف جو (مد کیلے) پکارے (یہ گھوڑا) اس بھیڑے [سید] کی طرح دوڑتا ہے جو درخت غھا کے نیچے رہتا ہے۔ (اور) جسے تو نے للاکارا ہو جب وہ گھاٹ پر پانی پینے کیلئے پیاسا جاتا ہو۔ [محلقہ شعر ۶۱] اسلام کا ایک زبردست عیسائی معاند سرو لیم میور ۱۸۰۹ M u i r ۱۹۰۵ء [۱۹۰۵ء] عربوں کی زندگی کے اس پہلو کے متعلق لکھتا ہے:

"The first peculiarity, then, which attracts our attention is the subdivision of the Arabs into innumerable bodies, governed by the same code of honour and morals, exhibitiong the same manners, speaking for the most part the same language, but each independent of the others; restless and often at war amongst themselves; and even where united by blood or by intrest, ever ready on some insignificant cause to separate and give way to an implacable hostility. Thus at the era of Islam the retrospect of Arabian History exhibits, as in the Kaleidoscope, an ever varying state of combination and repulsion, such as had hitherto rendered abortive any attempt at a general union." [۱۰۳]

”یعنی سب سے پہلی خصوصیت جو ہماری توجہ کو چھینتی ہے وہ عربوں کا بے شمار جھوٹوں میں تقسیم ہونا ہے۔ جو ایک ہی زبان کے بولنے والے اور اپنے حالات اور اطوار میں قریباً یکسان ہیں مگر ہر ایک بجائے خود خود مختار ہے۔ کبھی اپنی حالت پر قانون نہیں اور اکثر ایک دوسرے کے ساتھ جنگ میں مشغول ہیں بلکہ جہاں رشتہ داری کی وجہ سے یا کسی فائدہ کی غرض سے ایک قوم کے دوسری کے ساتھ تعلقات بھی پیدا ہوتے ہیں وہاں بھی چھوٹی چھوٹی باتوں پر تعلقات کے قطع کرنے اور جنگ کرنے کے لئے تیار ریتھے ہیں۔ یہی حالت اسلام کے زمانہ تک چل آتی ہے۔ کبھی ایک سی دو قوموں میں اتفاق ہوا بھی ہے تو چند دنوں میں ہی وہ خطرناک جنگ میں مبتلا ہو گئی ہیں اور تمام کوششیں جو اسلام سے پہلے ان کے ایک کرنے کے لئے کی گئیں وہ بے سود اور ناکام ثابت ہوئیں۔“ (۱۰۲)

صفائی اور پاکیزگی کے معاملے میں بھی عرب بہت گرے ہوئے تھے۔ ان کو استبراء و استباء کے آداب بھی معلوم نہیں تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کی تعلیمات میں طہارت کو ایک اہم مقام حاصل ہے اور اس لحاظ سے بھی اسلام مذاہب عالم میں منفرد اور ممتاز ہے۔

اسلام نے طہارت اور پاکیزگی کو عبادت کے لئے ضروری ہی نہیں بلکہ خود عبادت بنایا۔ قرآن شریف میں ارشاد ہے:- إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَّهَرِّينَ ۝

اللہ (اپنی طرف) رجوع کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے اور وہ پاکیزگی اختیار کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے، [ابقرہ (۲): ۲۲۲]

گویا اللہ تعالیٰ باطنی صفائی و پاکیزگی کی طرح ظاہری صفائی اور پاکیزگی کو بھی

بہت پند کرتا ہے۔

یورپ والے کہتے ہیں صفائی کا درجہ پارسائی کے درجہ کے بعد ہے۔ لیکن ہمارے نبیؐ کا ارشاد ہے۔

الظہورُ شطْرُ الایمان۔ پاکیز گی ایمان کا نصف ہے کجا پارسائی (Godliness) کے بعد اور کجا ایمان کا نصف نکلتے خوب کے لئے یہ غور و فکر کا مقام ہے۔ (۱۰۲۔ الف)

حضرت نبی کریمؐ پا خانہ میں جانے کے آدب تک سکھاتے تھے۔ فرماتے تھے:
اَنَّا لَكُمْ مِثْلُ الْوَالِدَاتِ اَعْلَمُكُمْ (مسلمانو!) میں تمہارے لئے ایسا ہی ہوں جیسا باب اولاد کیلئے ہوتا ہے اور میں تمہیں (یہ آدب) سکھاتا ہوں (۱۰۵)
 غیر مسلم عرب اس پر حیران ہوتے تھے۔ بعض اوقات استهزاء کے لئے کہتے تھے: **إِنَّى أَرَى صَاحِبَكُمْ يَعْلَمُكُمْ حَتَّى الْخَرَاةَ** ”میں دیکھتا ہوں کہ تمہارا صاحب [یعنی نبی] تمہیں ہر چیز سکھاتا ہے یہاں تک کہ پا خانہ میں بیٹھنا بھی“
 حضرت سلمان فارسیؓ نے غیر مسلم مستهزی کو جواب دیا: ”جل“ ہاں۔ آپ ضرور سکھاتے ہیں۔ (۱۰۶)

عرب مکان، صحن اور راستے گنڈہ رکھتے تھے۔ سایہ کی جگہوں اور پانی بھرنے کی جگہوں میں بھی پا خانہ کرتے تھے۔ یہودی بھی اپنے مکانوں کے پاس صحنوں میں غلاظت کے ذہیر رکھتے تھے۔ حضرت رسول کریمؐ نے ان سب برائیوں سے روک دیا۔

(۱۰۳۔ الف) مکمل جلد (۱) کتاب الطهارہ (۲) باب (۱) ح (۱) بحوالہ مسلم

(۱۰۵) اینا باب (۳) فصل (۲) ح ۱۳ بحولہ داری وابن الجم

(۱۰۶) اینا باب (۳) فصل (۲) ح ۲۵ بحولہ مسلم واجم

حضرت مولانا محمد علیؒ لکھتے ہیں:

”تہذیب کا سب سے نمایاں اثر تمدن پر ہوتا ہے لیکن اگر غور کیا جائے تو تمدن کے وہ ابتدائی اصولوں تک سے ناواقف تھے۔ اور تمدن ان میں پیدا کیونکر ہو سکتا جہاں شب و روز ایک دوسرے سے برس پیکار رہتے تھے۔ اور ایک لمحہ کیلئے بھی یہ اطمینان نہ تھا کہ فلاں قوم سے فلاں وقت جنگ نہ چھیڑ جائے۔“ (۱۰۷)

شِعْر.....۳۷

**عَيْبَانَ كَانَ شِعَارَ هُمْ مِنْ جَهْلِهِمْ
حُمُقُ الْحِمَارِ وَ وَثْبَةُ السِّرْحَانِ**

شِعَارُهُمْ: الشِّعَارُ کے معنی ہیں: العلامۃ فی الْحَرْبِ وَالسَّفَرِ وَهُوَ مَا يَنْدَدِی بِہِ بَعْضُ الْقَوْمِ بَعْضًا لِلتَّعَارُفِ - [اقرب ۱/۵۹۲] یعنی ایک علامتی لفظ ہے جو جنگ اور سفر میں استعمال ہوتا ہے۔ قوم کے بعض لوگ اسی سے دوسروں کو پکارتے ہیں اور پیچان لیتے ہیں۔ "اس سے دوست اور دشمن میں فرق ہوتا ہے۔ اس کو سرالیل بھی کہتے ہیں۔"

شِعَارُهُمْ: ان کی خاص علامت، ان کا امتیازی نشان۔ **حُمُقُ:** الحُمُقُ کے معنی ہیں: قِلَّةُ الْعُقْلِ وَنُقْصَانُهُ أَوْ فَسَادُ فِيهِ وَكَسَادٌ [اقرب ص ۲۳۱ / ج ۱] یعنی عقل، کی قلت (کی)۔ اس کا نقصان، اس کا بگڑنا اور منداپٹنا۔ راجح نہ ہونا۔

الْحِمَارُ: گدھا۔ یہ حیوان اپنی بے وقوفی کے لئے مشہور ہے۔ قرآن مجید میں ہے کَمَثْلِ الْحِمَارِ [الْجُمُعَة (۲۲): ۵] گدھے کی مانند، مراد وہ علماء ہیں جن کے پاس کتاب الہی ہے لیکن اس سے صحیح فائدہ نہیں اٹھاتے ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے: كَانُهُمْ حُمُرٌ مُسْتَنْفِرَةٌ [الْمُدَّثَّر (۷۲): ۵۰] گویا کہ وہ بد کے ہوئے گدھے ہیں۔ یہاں نصیحت سے منہ پھیرنے والوں کو جنگلی گدھوں سے تشبیہ دی ہے۔ کیونکہ یہ حد درجہ کی حماقت ہے کہ سیدھی سیدھی با توں سے اس طرح بھاگتے تھے، [حمل ۹۱ / نوٹ ۱] پس **حُمُقُ الْحِمَارُ:** گدھے کی حماقت۔

وَثْبَةُ: وَثَبَ يَثْبُ وَثِبًا: (۱) اٹھنا۔ کھڑا ہونا (۲) کو دنا، پھاندنا (۳) جلدی سے ٹوٹ پڑنا، جھپٹنا۔ (۴) حملہ کرنا۔ **وَثَبَ عَلَيْهِ:** To jump or pounce upon, to make a sudden attack or a pounce, a sudden attack: وَثِبَةً downward swoop upon.

السِّرْحَان:۔ بھیریا۔ شیر۔ ج سرایح / سرایح / سراحین -

ترجمہ:۔ دعیب ہیں جو زمانہ جاہلیت میں عربوں کی جہالت کی وجہ سے ان کا شعار [قوی امتیازی نشان] بن گئے تھے۔ وہ ہیں (۱) گدھے کی حماقت اور (۲) بھیریے کی مانند جھپٹ کر [شکار پر] حملہ کرنا۔

تشریف:۔ ایام جاہلیت میں عربوں کی جو حالت تھی اسکا ذکر اس قصیدے کئی اشعار میں آچکا۔ یہ ان اشعار میں آخری شعر ہے۔ اور اس میں ایسے دعیبوں کا ذکر ہے جو دوسرے کئی تندنی عیوب کی جڑ ہیں اور یہ ہیں انکی جہالت سے پیدا شدہ حماقت اور وحشیانہ جرات۔

مشہور نو مسلم انگریز جناب الحاج عمر فاروق لارڈ ہیڈل لے صاحب "اپنے محسن و اسلامی مبشر جناب الحاج خواجہ کمال الدین" [۱۹۳۲/۱۸۷۰ھ/۱۳۵۱-۱۲۸۰ء] صاحب کا ایک اقتباس نقل کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

But Arabia was the darkest spot in that darkest age of the world history. Drink, adultery and gambling were Common. Murder, infanticide and robbery were the pride of the Arabs."

تاریخ عالم کے اس تاریک ترین دور ہیں ملک عرب سیاہ ترین جگہ تھی۔ بیہاں شراب نوشی، زنا کاری اور جوابازی عام تھی۔ قتل، بچہ کشی اور ڈاکہ زدنی پران کونا ز تھا،" (۱۰۸)

شعر..... ۳۸

**فَطَلَعَتْ يَا شَمْسَ الْهُدَى نُصْحًا لَّهُمْ
لِتُضِيئُهُمْ مِنْ وَجْهِكَ النُّورَانِي**

فَطَلَعَتْ طَلَعَ [نَصَر] طَلُوْعًا : ستارہ وغیرہ کا طلوع ہونا اسی سے ماضی
صیغہ واحد مذکو حاضر بنا ہے۔ طلعت تو [ایک مذکر] طلوع ہوا۔ فَطَلَعَتْ - پس
تو طلوع ہوا۔

لفظ شمس عربی میں مؤنث ہے۔ اس کی تانیت کے لئے فعل مؤنث
فَطَلَعَتْ آتا چاہئے۔ لیکن جب مراد مذکر ہو تو اس کا خیال رکھ کر فعل مذکراتے
ہیں۔ اسی لئے یہاں فَطَلَعَتْ آیا ہے۔
نُصْحًا:- نَصَحَ [فعل نصحاًونصحاً : (۱) نصحت کرنا۔ (۲)
خالص اور سچی دوستی کرنا۔ (۳) خیر خواہ ہونا۔

نُصْحًا لَّهُمْ: ان کی خیر خواہی، سچی اور بے لوث دوستی سے لِتُضِيئُهُمْ:-
اصناء اضاءة (۱) روشن ہونا (۲) روشن کرنا۔ **تُضِيئُ**: تو روشن کرے گا ہم
ان لوگوں کو لِتُضِيئُهُمْ : تاکہ تو روشن کرے، ان لوگوں کو۔ مِنْ وَجْهِكَ
النُّورَانِی اپنے نورانی چہرے سے۔

ترجمہ:- [عرب میں حالات نہایت ابر تھے] تو اے آفتاب ہدایت، ان
کی بے لوث اور سچی ہمدردی کے لئے آپ طلوع ہوئے تاکہ آپ اپنے نورانی
چہرے سے ان کو روشن کر دا لیں۔

تشریح:- اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے:-

(۱) لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنْتُمْ
مَرِيضٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَوْفٌ رَحِيمٌ ۝

(اے لوگو!) یقیناً تمہارے پاس تمہیں میں سے ایک عظیم الشان رسول آیا ہے۔ تمہارا تکلیف پانا اس پرشاقد گزرتا ہے۔ وہ تمہارے لئے بھائی کا خواہش مند ہے۔ مومنوں پر مہربان حرم کرنے والا ہے۔ [التوبہ (۹): ۱۲۸]

(۲) وَمَا تَسْتَلِهمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ طَانْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ۝

[یوسف (۱۲): ۱۰۳] اور [اے نبی خاتم] تو ان [لوگوں] سے اس [کارنبوت] پر کوئی اجر نہیں مانگتا۔ وہ [یعنی قرآن] تمام قوموں کے لئے صحیح ہے۔

(۳) فُلْ لَا آشْلَكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا..... [الشوری (۲۲): ۲۲]

[اے نبی خاتم] آپ [لوگوں سے] کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس پر کوئی اجر نہیں مانگتا۔

ان آیات بینات سے آپ کے ”نصح“ پر روشنی پڑتی ہے۔ آپ لوگوں کے لئے خیر خواہ تھے۔ نہیں۔ ان کے لئے حریص تھے۔ ان کی تکلیف آپ پرشاقد گزرتی تھی۔ آپ ان کے لئے چارہ گرا دران پر بار بار حرم کرنے والے تھے۔

اس ساری خیر خواہی کیلئے آپ لوگوں سے کوئی ”اجر“ نہیں مانگتے تھے۔ اس قدر محنت، مشقت اور مصیبت برداشت کرتے تھے۔ مگر اجر و معاوضہ کے بغیر۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

(۱) وَيُزَكِّيْكُمْ [البقرہ (۲) ع (۱۸): ۱۵] اور [وہ نبی خاتم] تم کو پاک کرتا ہے۔

(۲) وَيُزَكِّيْهِمْ [البقرہ (۲) ع (۱۵): ۱۲۹] (آل عمران ۳۲: ع (۱۶۳)) (آل عمران ۳۳: ع (۱۶۴))۔

اور [وہ نبی خاتم] ان کو پاک کرتا ہے۔

معلوم ہوا کہ حضرت نبی کریمؐ کی بعثت مبارکہ کا ایک اہم مقصد لوگوں کا ترقیہ

نفوس ہے۔ یعنی ان کو سب بُرے اخلاق اور ناپسندیدہ اطوار سے چھڑا کر عمدہ اخلاق و آداب سے آراستہ کرنا ہے۔

آپ کا ارشاد گرامی ہے:- **بَعْثُتْ لِأَتَّمِمَ حُسْنَ الْأَخْلَاقَ** (۱۰۹)

مجھے اچھے اخلاق کی کامل تعلیم کے لئے بھیجا گیا ہے۔

(۲) **إِنَّ اللَّهَ بَعَثَنِي لِتَمَامِ مَكَارِمِ الْأَخْلَاقَ** (۱۱۰)

اللہ تعالیٰ نے مجھے ان اخلاق کی کامل تعلیم کے لئے بھیجا ہے، جن سے انسان کریم اور شریف بنتا ہے اور دوسروں پر فضیلت حاصل کرتا ہے۔
مہاراج کالن میسور کے پروفیسر، جناب۔ اے۔ آر۔ وارڈ یا صاحب بار۔
ایٹ لا، ایک تقریر میں فرماتے ہیں:-

”مختلف مذاہب اپنے اپنے پیغمبروں اور انکے مجزات کے متعلق برس پریکار ہیں۔ لیکن اعجاز نمائی فقط آج کل ان ہی کو اپیل کرتی ہے جنکا ایمان اس قدر بودا اور کمزور ہے کہ انہیں مصنوعی امداد کی ضرورت ہے۔ لیکن حضرت نبی کریمؐ نے..... اپنی زندگی کو ہی سب سے ارفع و اعلیٰ مجزہ پیش کیا۔ پھر قرآن کریم کی اعجازی تعلیمات کو پیش کیا۔ جس نے لکھوکھا انسانوں کی زندگیوں کو نسلًا بعد نسل اصلاح کی..... جواہم عظیم الشان مجزہ مجھے آپؐ کی زندگی میں نظر آتا ہے وہ عملی اصلاح خلق ہے۔ جو آپ نے اپنی زندگی میں ہی نامیدا فزا اور ناخو شگوار حالات کے اندر سرانجام دیدی۔

وہ عرب جس کے بننے والے تہذیب و تمدن سے بالکل معمری، سخت و حوش و ناصلاح پذیر تھے۔ ان اکھر وغیر متمدن لوگوں میں آپؐ کی بعثت موجب رحمت و برکت ہوئی۔ اور اس قلیل عرصہ ہی میں اس سرزی میں کفر و ضلالت میں مجzenما انقلاب عظیم پا ہو گیا۔ یہ ایک ایسا زبردست انقلاب تھا جس کو تاریخ نویس متعدد

(۱۰۹) موطا (لک) کتاب الجامع ۳۰ باب ماجاء فی حسن الخلق (۱۸)

(۱۱۰) مشکوہ جلد (۲) ک باب (۲۶) باب فضائل سید المرسلین (۱۸) (صل (۲) ح ۵۵۲۱)

بارہ ہراتے ہیں۔

وہ عرب جس میں طبقہ نسوں کی زندگیوں کی کوئی قدر و منزلت نہ تھی۔ حضرت محمد نے انہیں عزتِ نفس و خودداری کا ایک چارٹر مرحمت فرمادیا۔ اور اس عطیہ الٰہی سے فرقہ ذکور و صنف نازک اور بے کس غلاموں تک سب کے سب مستفیض ہوئے۔

عرب جہاں احnam پرستی میں مبتلا تھا حضرت محمد صاحب نے وہاں اس خدائے واحد کی پرستش کو قائم کر دیا جس کی عبادت بغیر و سانظ و احnam کے ہو سکے۔ اور انسان براہ راست خدائے برتر سے تعلق پیدا کر سکے۔

جس مذہب کی حضرت رسالت آپ کے وقت نشر و اشاعت ہوئی وہ ایک دلکش و دلبر بامذہب تھا۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اکھڑ و حوش عرب دنیا کی تہذیب و تمدن کے علمبردار ہو گئے جنہوں نے اپنی تہذیب و تمدن کو نوک شمشیر کے بل پر نہیں بلکہ حکمت و دانش و منطق کے بل بوتے پر زمانہ و سلطی کی تہذیب و تمدن کو موثر کر دیا۔ اور اس علم و تہذیب کو حدود چین تک پہنچا دیا۔ میرے نزدیک یہ سب سے عظیم الشان معجزہ ہے جس پر کوئی نبی بجا طور نماز ادا ہو سکتا ہے۔ یہ ایک ایسا معجزہ ہے جو کہ بیش بہا تر کی طرح نسل انسانی کو پہنچا ہے یہ مہتمم بالشان اعجاز نمائی کیسے ہوئی۔ اور اس میں ذرہ بھی شایبہ نہیں کہ یہ عظیم الشان ترقی و کامرانی و کام گاری محض حضرت نبی کریمؐ کی زبردست دل ربا و مسحور کر دینے والی شخصیت کی وجہ سے حاصل ہوئی،^(۱)

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ.

خدا تعالیٰ اس ہندو پروفیسر کو بھی اچھا اجر دے۔ اس نے صاف الفاظ میں سمجھایا کہ آپ کے نورانی چہرے نے ان اسیر ان ظلمت کو کس قدر منور کیا۔

(۱) تقریر بر موقعہ جلسہ میلاد النبی مبارک ۱۸۔ اکتوبر ۱۹۲۵ء زیر اہتمام "مسلم شوؤں ایسوی ایشن" و مندرجہ "رسالہ" اشاعت اسلام لائبریری جلد ۱۳ شمارہ ۱۔

٣٩..... شعر.....

**أَرْسِلْتَ مِنْ رَبِّكَرِيمٍ مُّحْسِنٍ
فِي الْفِتْنَةِ الصَّمَاءِ وَالْطُّغْيَانِ**

أَرْسِلْتَ أَرْسَلَ يُرْسِلُ إِرْسَالًا کے معنی ہیں بھیجنا۔ اس سے ماضی
مجہول واحد نہ کر حاضر بنائے اور اُرسِلْت۔ تو بھیجا گیا (ہے)
كَرِيمٌ:- بخشنے والا، درگذر کرنے والا، کرم کرنے والا۔
مُّحْسِنٍ:- احسان (۱) کام اچھی طرح کرنا (۲) یتکی کرنا (۳) احسان
کرنا۔ اسی سے اسم فاعل بنتا ہے **مُّحْسِنٌ** احسان کرنے والا۔
الْفِتْنَةُ:- آزمائش۔ کفر و مگراہی۔ عذاب اور سوالی۔ جنگ و جدل۔
الصَّمَاءُ:- (۱) بڑی مصیبت۔ (۲) سخت زیمن۔

ترجمہ:- [۱]ے نبی خاتم، آپ کرم اور احسان کرنے والے رب کی طرف
سے بڑے خوناک جنگ و جدل اور طوفان کفر و ضلالت کے وقت بھیج گئے۔
تشرییع:- اس شعر میں ناظم قصیدہ اس حقیقت کی طرف واضح اشارہ کرتے
ہیں کہ حضرت رسول کریم عین ضرورت کے وقت مبouth ہوئے۔ قرآن مجید بکمال
بلاغت فرماتا ہے: **ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي
النَّاسِ**..... [الروم (۳۰): ۳۱]

خشکی اور تری میں فساد ظاہر ہو گیا، اس سے جو لوگوں کے ہاتھوں نے کمایا۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:-

كُنْتُمْ أَعْدَاءً وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَاعَ حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ [آل عمران ۱۰۳/۳]

تم باہم دشمن تھے..... اور تم آگ کے گڑھ کے کنارے پر تھے۔
اس کلامِ ربانی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کی بعثت کی کس قدر ضرورت
تھی۔ ناظمِ قصیدہ حضرت مرزاغلام احمد صاحب لکھتے ہیں:-

وَمِنْ دَلَائِلِ نَبُوَّتِهِ عَلَيْهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ حَاءَ فِي وَقْتِ الْضَّرُورَةِ وَمَا
رَجَلٌ مِنْ هَذِهِ الدُّنْيَا إِلَّا بَعْدَ تَكْمِيلِ أَمْرِ الْمِلَّةِ (۱۲)

”آپؐ کی بعثت کی دلائل میں سے ایک دلیل یہ بھی ہے کہ آپ وقت ضرورت
مبعوث ہوئے امرِ ملت کی تکمیل کے بعد ہی اس دنیا سے تشریف لے گئے۔“

آپؐ کی بعثت اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے:-

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا

[آل عمران (۳): ۱۶۳]

یقیناً اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر احسان کیا جب ان میں ایک عظیم المرتب رسول
بھیجا۔

حضرت مرزاغلام موصوف فرماتے ہیں:-

”آپؐ ہر میدان میں مظفر و منصور ہوئے۔ آپ کے دشمن آپؐ پر بھی قابو اور
غلبہ نہ پاسکے۔ اور آپ کے سامنے ہی ہلاک ہوئے۔ آپؐ کو بھیجا ایسے وقت میں گیا
جب کہ زمانہ آپ کی ضرورت کو خود ثابت کرتا تھا اور اٹھائے ایسے وقت میں گئے
جب کہ کامل اصلاح ہو چکی۔ اور آپؐ اپنے فرض منصبی کو پوری کامیابی کے ساتھ ادا
کر چکے اور الیومِ اکملت لکم دینگم کی آواز آپؐ نے سن لی،“ (۱۳)

(۱۲) مجید الہدیؑ بحوالہ الشان رسول عربی ص ۲۳۶

(۱۳) ملفوظ مدرجہ اخبار الحکم ۵ مورخہ ۳۱ مارچ ۱۹۰۲ء بحوالہ الشان ص ۲۲۵ - ۲۲۶

شعر.....۳۰

يَا لِلْفَتَىٰ مَا حُسْنَةٌ وَ جَمَالٌ
رَّيَاهُ يُضْبِي الْقَلْبَ كَ الرَّيْحَانَ

لِلْفَتَىٰ = ل + الْفَتَىٰ . الْفَتَاءُ اور الْفُتُوَّةُ۔ (۱) جوانی (۲) کرم۔
سخاوت (۳) مروت۔ اسی سے الْفَتَىٰ نوجوان۔ (۲) غلام (۳) سخنی۔ ل اظہار
تعجب کیلئے ہے۔

يَا لِلْفَتَىٰ۔ واہ کیا نوجوان ہے۔ واہ کیا صاحب مروت و سخاوت ہے۔
ما۔ استغفار ہامیہ ہے لیکن اظہار تعجب کے لئے ہے۔

مَا حُسْنَةٌ وَ جَمَالٌ : سجان اللہ اس کا حسن اور اس کا جمال کتنا تعجب خیز
ہے۔ رَيَاهُ الرَّيَاءً۔ عمدہ خوشبو الریح الطیبۃ [اقرب ۱/۲۳۹]
يُضْبِي . صَبَّى يَضْبِي صَبَاءً [سمع] . حَسَنَ إِلَيْهِ۔ کسی کا مشتاق
ہونا۔ أَصْبَى يُضْبِي إِصْبَاءً . شَاقَةً۔ شوق میں ڈالنا، مشتاق بنانا۔ يُضْبِي
الْقَلْبَ۔ دل کو شوق ڈالتا ہے مشتاق بناتا ہے۔

کَالرَّيْحَانَ :۔ رَيْحَانَ هر آگے والی خوشبودار چیز، خوشبودار پودا۔ خوشبودار
پھول۔ چنانچہ رَيْحَانَہ پھولوں کے گلدستے کو کہتے ہیں۔ کَالرَّيْحَانِ خوشبودار
پھول کی مانند۔

ترجمہ:۔ سجان اللہ! کیا صاحب مروت و سخاوت جوان ہیں آپ۔ آپ کا
حسن و جمال کس قدر لکھ ہے۔ آپ کی خوشبوالوں کو ریحان کی طرح آپ کا مشتاق
باتی ہے۔

تشریح:۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظاہری حسن و جمال اور

دکش خوشبوئے بدن سے مala مال تھے۔ حضرت مرزا صاحب ایک فارسی نعتیہ
قصیدے میں فرماتے ہیں:

حسن رویش بہ زماں و آفتاب
خاک کویش بہ زمشک و عنبرے
یک نظر بہتر ز عمر جاو داں
گرفتہ کس را برآں خوش پیکرے
منکہ از حسنہ ہے دارم خبر
جاں فشام گر دہد دل دیگرے
یاد آں صورت مرا از خود برد

ہر زماں مستم کند از ساغرے (۱۱۳)
لیکن زیر تشریح عربی شعر میں حضرت نبی کریمؐ کے حسن بالطفی اور جمال معنوی
کی طرف اشارہ ہے۔ اور حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں:-

یار را طور و طرز وضع جدا است
او نماند بما اگر چه زماست
آل جمالے کہ ہست در دلبر
کس شانم نے دہد قمر
صد نبی شد معطر از بے چول
لیک خوشبوئے احمد است افزوں (۱۱۵)

حضرت جامی فرماتے ہیں:-

تو جان پا کی سر بر نے آب و خاک اے ناز نین

واللہ ز جان ہم پا ک ت رو جی فدا ک اے ناز نین

(۱۱۳) برائین احمدیہ۔ حصہ اول۔ بحوالہ شان رسول عربی ص ۳۹۹۔ ۳۰

(۱۱۵) در کنوں میں ۸۷ بحوالہ شان رسول عربی ص ۳۶۷۔ ۳۶۸

٣١..... شعر.....

وَجْهُ الْمُهَيْمِنِ ظَاهِرٌ فِي وَجْهِهِ
وَشُئُونُهُ لَمَعَتْ بِهِذَا الشَّانِ

وجہ: چہرہ۔ ذات۔ توجہ۔ اس کا پسندیدہ قبیلہ۔ قصد
 الْمُهَيْمِن :۔ هَيْمَنَ الطَّائِرُ عَلَى فَرَاحِه ۔ پرندے کا چوزے پر پر
 پھیلانا۔ یعنی اس کی حفاظت کرنا، هَيْمَنَ فُلَانَ عَلَى كَدَا ۔ صار رَقِيبًا
 عَلَيْهِ وَحَافِظًا ۔ کسی چیز کا نگران اور حفاظت کرنے والا بنا، اسی سے اسم فاعل بنتا
 ہے مُهَيْمِن یعنی نگران، محافظ الْمُهَيْمِن اللہ تعالیٰ کا ایک صفاتی نام ہے اور اس
 کے معنی ہیں:

- (۱) المؤمن جو بندوں کو خوف سے بچاتا ہے۔
- (۲) القائم علی خلقہ باعْمَالِهِمْ وَأَرْزَاقِهِمْ أَجَالِهِمْ ۔ اپنے بندوں
 کے اعمال کا نگران، ان کے رزق اور اجل کا ذمہ دار اور کفیل۔ [اقرب جلد ۳۱۲۲]

[مجد]

وَجْهُ الْمُهَيْمِنِ ۔ خدا نے کفیل و حافظ کا چہرہ، اس کی ذات، اس کا ارادہ، اس
 کی رضا، اس کی توجہ۔ شُئُونُهُ ۔ شان ۔ الخَطْبُ أَيُّ مَاعِظُمَ مِنْ
 الْأَخْوَالِ وَالْأَمْوَالِ ۔ عظمت والی حالت کوئی عظیم الشان امر یا مال۔ [اقرب
 ۶۵] اس کی جمع ہے شُئُونَ شِشَان ۔ شُئُونُه ۔ اس کی شانیں“
 لَمَعَتْ لَمَعَ [فَعَلَ] الْبَرْقُ وَغَيْرُه لَمَعَاوَلَمَعَانَ بَلْ وَغَيْرَه کا چکنا،
 اسی سے ماضی واحد منش غائب لَمَعَتْ چمکی۔ چمک آئھی۔

ترجمہ:- خدا کے کفیل و نگہبان کا چہرہ آپ کے روے مبارک میں ظاہر ہے۔ اور آپ کی سب شانیں اسی شان سے چمکتی ہیں۔

تشریح:- اگرچہ لفظ و جملہ کے کئی معنے ہیں۔ لیکن یہاں چہرہ یا ذات ہی موزون ہے۔ کیونکہ ناظم قصیدہ حضرت مرزا صاحب فارسی لعنت میں فرماتے ہیں:

مصطفیٰ آئینہ روئے خدا است
منعکس دروئے ہماں نوئے خدا است

مصطفیٰ مہر درخشن خدا است

بر عدوش لعنت ارض و ما است (۱۶)

ایک اور لعنت میں فرماتے ہیں:-

زاں نمط شد محوم دلبر کز کمال اتحاد

پیکر او شد سراسر صورت رب رحیم

بوئے محبوب حقیقی مید مذاں روئے پاک

ذاتِ حقانی صفاتِ مظہر ذاتِ قدیم (۱۷)

ایک اور لعنت میں فرماتے ہیں:

پا یہ تا عرش کبریا یش ہست

ھفت جنت بزری پا یش ہست

ھست آئینہ دار آں زیبا

منعکس اندر و صفات خدا (۱۸)

(۱۶) شان رسول عربی میں ۳۰۸-۳۰۹۔ بحوالہ بہائیں احمدیہ۔ چہارم

(۱۷) ایضاً ص ۳۱۰-۳۱۱۔ بحوالہ توضیح مرام میں ۲۲

(۱۸) ایضاً ص ۳۲۲۔ بحوالہ درمکون میں ۳۵

حضرت مرتضی انصاری کی ایک مشہور اردو کتاب سرمه جشم آریہ ہے۔ یہ ایک غیر مسلم کے اعتراضات کے جواب میں لکھی گئی ہے۔ اس میں آپ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامات عالیہ و درجات رفیعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

”وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ“ [اور بعض رسولوں کو مراتب میں بلند کیا،]

[البقرہ (۲): ۲۵۳] ناقل] اس جگہ صاحب درجات رفیعہ سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ جن کو ظلی طور پر انتہائی درجہ کے کمالات جو کمالات الوہیت کے اظلال و آثار ہیں بخشے گئے اور وہ خلافت حق جس کے وجود کامل کے تحقق کیلئے سلسلہ نبی آدم کا قیام بلکہ ایجاد کل کائنات کا ہوا۔ آنحضرتؐ کے وجود باوجود سے اپنے مرتبہ اتم و کمل میں ظہور پذیر ہو کر آئینہ خدا نما ہوئے۔ [سرمه جشم آریہ ۱۸۶-۱۸۷]

ای کتاب میں آگے لکھتے ہیں:

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مظہر اتم الوہیت ہیں۔ اور ان کا کلام خدا کا کلام، اور ان کا ظہور خدا کا ظہور اور ان کا آنا خدا کا آنا ہے۔“ [ایضاً ص ۲۲۹]

شِعْر ۳۲.....

فَلِذَا يُحَبُّ وَيُسْتَحْقُ جَمَالُه
شَغَفًا بِهِ مِنْ زُمْرَةِ الْأَخْدَانِ

فَلِذَا. ف + لِذَا ف = یہ حرف عطف ہے جیسے و۔ لیکن یہ ترتیب تعقیب باسیست ظاہر کرتا ہے۔ اس لئے اس کا ترجمہ ”پس“ یا ”سو“ کرتے ہیں۔ ذا۔ یہ اسم اشارہ قریب ہے۔ [تشنیہ ذان / ذین اور جمع ھؤ لاء۔ عموماً اس کے ساتھ ہا جوڑ کر ہذا بناتے ہیں۔]

ل۔ حرف جر فَلِذَا۔ پس اس کے لئے۔ پس اس لئے۔ اس شعر سے پہلے حضرت پیغمبر خاتم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظاہری و باطنی حسن و جمال کا ذکر ہوا۔ اب فرماتے ہیں۔ فَلِذَا۔ پس اس لئے۔ یعنی حضور ﷺ کی انہی خوبیوں کو مد نظر رکھتے ہوئے۔ یُحَبُّ ان کے ساتھ محبت کی جاتی ہے۔
 يُسْتَحْقُ۔ حق رکھتا ہے مسخن ہے جمالہ۔ آپ کا جمال شَغَفَابِه۔ آپ کے ساتھ انہائی محبت رکھی جائے۔

الْأَخْدَانُ. الْحِدْنُ. الصَّاحِبُ. الْحَبِيبُ. الرَّفِيقُ. الصَّدِيقُ
وَمَنْ يُخَادِنُكَ فِي كُلِّ أَمْرٍ ظَاهِرٍ وَبَاطِنٍ۔ صاحب، محبوب، رفیق۔
درست اور جوہر ظاہری اور باطنی امر میں تیرا ساتھ دے، یقُّعُ علی الدُّكَرِ
وَالْأُنْثَى حِدْنُ کا لفظ نہ کرو اور موئث دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اس کے جمع ہے أَخْدَان [اقرب جلد ۱۲۶] مِنْ زُمْرَةِ الْأَخْدَانِ: سب دوستوں، رفیقوں اور محبویوں کی جماعت میں سے، [آپ ہی محبت کے زیادہ مسخن ہیں]

ترجمہ:- اسی لئے آپ سے محبت رکھی جاتی ہے اور آپ کا حسن و جمال اس بات کا مستحق ہے کہ سب دوستوں اور محبوبوں کو چھوڑ کر آپ سے ہی زیادہ شفف رکھا جائے۔

تشریح:- حب اور شفف کی وجہ محبوب کا حسن و جمال اور احسان ہے۔ جس محبوب میں جس قدر حسن و جمال ہوگا، جس قدر وہ احسان کرے گا، اسی تدریس کے ساتھ حب اور شفف ہوگا۔

حضرت نبی کریم حسن ظاہری و جمال صوری کے ساتھ حسن باطنی اور جمال معنوی میں آپ اپنی مثال تھے۔ آپ کے احسانات کا کوئی شمار نہیں۔ اس لئے آپ کے ساتھ اہل نظر کو بے پناہ محبت ہے۔ اور آپ کا حق ہے کہ سب محبوبوں، دوستوں، رفیقوں کو چھوڑ کر انسان صرف آپ کا گرویدہ ہو۔
ناظم قصیدہ، حضرت مرزا صاحب ”اپنی ایک پر معارف کتاب ”چشمہ معرفت“ میں لکھتے ہیں:-

”هم نے سب سے بہتر اور سب سے اعلیٰ اور سب سے خوب
تر اس مرد خدا کو پایا ہے جس کا نام ہی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔“

[چشمہ معرفت ص ۲۸۸ شان ۱۹۶۵]

اپنی ایک اور تصنیف ”سراج منیر“ میں لکھتے ہیں:-
”هم جب انصاف کی نظر سے دیکھتے ہیں تو تمام سلسلہ نبوت میں سے اعلیٰ درجہ کا جوان مرد نبی اور زندہ نبی اور خدا کا اعلیٰ درجہ کا پیارا نبی صرف ایک مرد کو جانتے ہیں۔ یعنی وہی نبیوں کا سردار، رسولوں کا فخر، تمام رسولوں کا سرتاج، جس کا نام محمد مصطفیٰ واحمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ جس کے زیر سایہ دس دن چلنے سے وہ روشنی ملتی ہے جو پہلے اس

سے ہزاروں برس تک نہیں مل سکتی۔“ [سراج منیر ۲۷/شان ۱۶]

چشتی سلسلہ عالیہ کے مرشد مجاز چاچڑا شریف کے سجادہ نشین نواب صاحب بہاول پور کے پیر بزرگوار حضرت خواجہ غلام فرید صاحب چشتی علیہ الرحمہ [۲۶ ذی قعده ۱۲۶۱۔۔۔ ربيع الاول ۱۸۳۵ھ/۱۹۰۱ء] نے حضرت مرزا صاحب کی خدمت میں عقیدت و احترام سے مملوً ایک مکتب گرامی ارسال کیا۔ اس کے جواب میں حضرت مرزا صاحب نے ایک نظم لکھ دیا ہے۔

اس میں آپ ایک جگہ فرماتے ہیں:-

ما مسلمانیم از فضل خدا
مصطفیٰ مارا امام و پیشووا

اندریں دین آمدہ از مادریم
ہم بریں از دار دنیا بگزوریم
آل رسول کش محمد ہست نام
دامن پاکش بدست مائدام
مہر او باشیر شد اندر بدن
جان شد و با جان بدر خواہد شد
ہست او خیرالرسل خیرالانام
ہر نبوت رایرو شد اختتام
ما از و نوشیم ہر آبے کہ ہست
زو شدہ سیراب سیرابے کہ ہست

[شان رسول عربی ۲۳۵-۲۳۶]

شعر..... ۳۳

سُجُّحٌ كَرِيمٌ بَادِلٌ خِلُّ التُّقَىٰ خِرْقٌ وَ فَاقٌ طَوَائِفَ الْفِتْيَانِ

سُجُّح = اللَّيْنُ السَّهْلُ. نرم آسان، نرم اخلاق و الازرم خوش غلق۔
كَرِيمٌ: بہت اچھا۔ قبل تعریف۔ پسندیدہ۔ پاکیزہ۔ شرافت والا، سخاوت پیشہ۔ درگذر کرنے والا، بخشش کرنے والا۔
بَادِلٌ۔ سخاوت کرنے والا، سخنی، فیاض، خرچ کرنے والا۔
خِلُّ۔ الْصَّدِيقُ الْمُخْتَصُ۔ گہر دوست [المعجم]
الْتُّقَىٰ۔ تُقاہ۔ پرہیز گاری اس کی جمع ہے التُّقَىٰ۔ پرہیز گاریاں۔ **خِلُّ**۔ التُّقَىٰ۔ پرہیز گاریوں کا دوست۔
خِرْقٌ: سخنی۔ فیاض [چ آخرًا ق اور خُرَّاق]
الْفِتْيَانِ: الْفَتَنَیِ نوجوان [مشنیہ فتوان / فتیان] اس کی جمع ہے فتیان۔ فتیۃ وغیرہ۔

ترجمہ:- [حضرت نبی خاتم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم] زرم مزاج، بخشش والے (درگذر کرنے والے) [اللہ کی راہ میں سب کچھ] خرچ کرنے والے، پرہیز گاروں کو بہت محبوب رکھنے والے سخاوت کرنے والے تھے۔ آپ سب جوان مردوں پر سبقت و فوقیت رکھتے ہیں۔

تشریح:- اس لطیف شعر میں ناظم قصیدہ حضرت مرزا صاحب نے حق نعت ادا کیا ہے۔ یعنی معنوں معظم حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق عالیہ اور

عادات حمیدہ کا ذکر خوب کیا ہے۔

فرماتے ہیں سُجْحَ آپ بہت زم مزاج تھے۔ متفق علیہ حدیث ہے کہ آپؐ کا خادم انس بن مالکؓ کہتا ہے: خَدَّمَتُ النَّبِيًّا عَشْرَ سِنِينَ میں نے نبی کریمؐ کی دس سال [ہجرت سے وصال تک] خدمت کی۔ فَمَا قَالَ لِي أَفِ آپؐ نے مجھ کو کبھی اُف تک نہ کی۔ وَلَمْ صَنَعْتَ وَلَا أَلَّ صَنَعْتَ اور کبھی نہیں کہایا کام کیوں کیا اور وہ کیوں نہیں کیا۔ (۱۱۹)

ایک دوسری متفق علیہ روایت میں یہی خادم رسول کہتا ہے کہ ایک اعرابی نے آپؐ کی نجراںی موٹی چادر کو اس قدر رزو سے کھینچ لیا اور مالی امداد مانگی کہ آپؐ کی گردان مبارک پر گڑ کا نشان پڑ گیا [قدَّ اَثْرٌ بِهَا]—[caused a contusion]۔ فَالْتَّفَتَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ ثُمَّ ضَحَّكَ ثُمَّ أَمَرَ لَهُ بِعِطَاءٍ۔ (۱۱۹) اب مرزا صاحب فرماتے ہیں۔ کَرِيمٌ آپؐ در گذر کرنے والے، بخشنے والے غفو کرنے والے تھے۔ فتحؑ کے دن مجرمین مکہ آپؐ کے قدموں میں پڑے۔ آپؐ نے پوچھا: مجھ سے کس سلوک کی توقع رکھتے ہو؟

سب بیک زبان عرض گزار ہوئے۔ اچھے سلوک کی ہی توقع ہے۔ کیونکہ آپؐ کریم بھائی ہیں یعنی عفو و در گذر کرنے والے بھائی ہیں۔ گناہ بخشنے والے ہیں اور آپؐ نے پوری شان کر کی دکھائی اور سب مجرموں کے سیاہ ناما اعمال کو رحمت سے دھویا۔

ابوسفیان بن حرب، ابو لهب کا سالا تھا۔ اس کی بہن حَمَّالَةُ الْحَطَبِ تھی۔ اس کی بیوی ہندہ بنت عتبہ نہایت سنگدل عورت تھی۔ اس نے رسول کریمؐ کے عم محترم حضرت حمزہؓ کی لاش کی سنگدلانہ بے حرمتی کی۔ کان ناک کاٹ کر

(۱۱۹) مختلقة جلد ۲ الفتن [۲۶] باب فی أخلاقه [۲۰] ح ۱۴۷۸

ان کا ہار بنا کر پہن لیا۔ پھر اس لاش کا پیٹ چاک کر کے جگر نکلا۔ اس کو چبا کر تھوک دیا۔ غرض ابوسفیان اور اس کی بیوی نے حضرت رسول کریمؐ کو سخت اذیت پہنچائی۔ حضورؐ نے ان کو بھی بخش دیا۔ اس سے بڑھ کر کیا شان کریمی ہو سکتی ہے؟

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ.

ہم پر معاصی غلامان بنی علی اللہ علیہ السلام امیر رکھتے ہیں:-

دوستاں را کجا کنی محروم

تو کہ با دشمناں نظر داری

حضرت جابر بن عبد اللہ النصاریؓ سے متفق علیہ حدیث مردی ہے جس میں وہ کہتا ہے: مَا سُئِلَ رَسُولُ اللَّهِ شَيْئًا قَطُّ فَقَالَ لَا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کبھی کسی چیز کے متعلق سوال نہیں کیا گیا کہ آپؐ نے اس کے جواب میں نہیں کہا ہو۔

یعنی جب بھی آپؐ سے کوئی چیز مانگی گئی۔ آپؐ نہیں دوں گا کبھی نہیں فرمایا۔ دینے سے کبھی انکار نہیں کیا۔ (۱۲۰)

مزادر اور فیض در مصطفیٰ ہے

سوالی کا دست سوال اللہ اللہ [عش ملیانی]

حضرت انس بن مالک النصاری۔ خادم رسول کا بیان ہے:-

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ أَحْسَنَ النَّاسِ وَأَجْوَدَ النَّاسِ وَأَشْجَعَ النَّاسِ یعنی رسول اللہ سب لوگوں سے زیادہ حسین سب لوگوں سے زیادہ سخنی اور سب لوگوں سے زیادہ بہادر تھے۔“ (۱۲۱)

شعر..... ۳۲.....

**فَاقُ الْوَرَى بِكَمَالِهِ وَجَمَالِهِ
وَجَلَالِهِ وَجَنَانِهِ الرَّيَانِ**

فَاق: فَاق يَفْوُق فَوْقًا وَفَوَاقًا [نَصَرَ يَنْصُرُ] الشَّئْ . عَلَاهُ
کسی چیز سے بلند / اوپر ہونا۔ فَاق اصحابہ . عَلَاهُمْ بِالشَّرْفِ اپنے
ساتھیوں سے شرف (بزرگی) میں بڑھ گیا وَفَضْلُهُمْ اور ان پر فضیلت پا گیا۔
غَلَبَهُمْ (غالب ہونا) بھی معنی ہیں۔ [اقرب جلد اص ۹۵]

فَاق اصحابہ بِالْفَضْلِ اوِ الْعِلْمِ - اپنے اصحاب پر فضل یا علم میں
سبقت لے گیا، ان سے بڑھ گیا۔ **فَاق الْوَرَى:** سبقت لے گیا وہ [شرف اور
فضیلت میں] سب مخلوق پر۔

الْوَرَى : وَرَى / وَرَى (تَوْرِيَةً) کے معنی ہیں چھپانا اس سے اسم ہے
الْوَرَى - اس کے معنی ہے الْخَلْقُ یعنی مخلوق۔ ایک زمانے کی مخلوقات سے زمین کا
چہرہ چھپ جاتا ہے۔ اسی لئے مخلوق کو الْوَرَى کہتے ہیں۔ [اقرب جلد ۲ ص ۱۳۲]

بِكَمَالِهِ: كَمَل [بَابَ نَصَرَ / سَمِعَ / كَرُمٌ] بَابَ نَصَرَ میں زیادہ
فتح ہے۔ اس کے معنی ہیں تم۔ پورا ہوتا۔ یہ ذات اور صفات دونوں کے لئے
استعمال ہوتا ہے۔ پس كَمَل إِذَا تَمَّتْ أَجْزَاؤهُ وَكَمَلَتْ مَحَاسِنُهُ۔
جس کی ذات میں پورے اجزاء ہوں اور کوئی کمی یا نقص نہ رہ جائے۔ پھر اس کی اچھی
صفات بھی پوری ہوں۔ [اقرب جلد (۲) ص ۱۱۰۳]

بِكَمَالِهِ: اپنے کمال سے۔ اپنے کمال کی بدولت۔ اپنے کمال میں۔

جَمَالٍ: - جَمْلَ الرَّجُلِ. حَسْنَ حَلْقَاوَ حَلْقَا. آدی اپنے خَلْقَ [جسمانی صورت] اور اپنے خلق [اخلاق و آداب] کے لحاظ حسین بن گیا۔

[اقرب جلد اص ۱۳۹]

پس جمال کے معنی ہیں حسین صورت اور دل ربا سیرت بجمالہ۔ اپنے ظاہری اور باطنی حسن سے جلالہ۔ جَلَّ [بَابَ ضَرَبَ] جَلَّا وَ جَلَّا کے معنی ہیں۔ عَظُمٌ قَدْرُهُ۔ اس کی تدری و منزالت عظیم ہو گئی۔ وہ بڑے مرتبہ کا مالک بن گیا۔ جَلَّا لَهُ عَظُمُ الْقَدْرِ۔ قدر و منزالت کی عظمت۔ الْجَلَّ: التَّنَاهِي فِي عَظِيمِ الْقَدْرِ وَ الشَّانِ [اقرب جلد ۱) ص ۱۳۲]

”عظمت قدر اور رفت شان میں انتہائی درجہ پانا“

جَلَّا لَهُ: اپنے جلال کی بدولت، اپنی قدر و منزالت کی عظمت اور اپنی شان کی رفت (بلندی) سے۔ جَنَانِه: الْجَنَانُ۔ الْقَلْبُ یعنی دل الرَّيَان: - رَوَى [سَمِعَ] رَيَاً وَ رَوَى کے معنی ہیں (پانی سے) سیراب کرنا۔ درخت کا سر بیز ہونا۔ اس سے صفت مذکور بنتا ہے رَيَانُ۔ ضِدُ الْعَطْشَانِ یہ لفظ عطشان (تشد۔ پیاسا) کی ضد [Antonym] ہے اور اس کے معنی ہیں۔ سیراب، شاداب۔

محاورہ ہے۔ هُوَ رَيَانٌ مِنَ الْعِلْمِ۔ وَهُوَ عَلِمٌ وَالا ہے۔ [اقرب جلد ۱) ص ۱۳۹] یہاں یہ جَنَانِه کے مضار [جنان] کی صفت ہے اس لئے الرَّيَان (الل کے ساتھ آیا) ہے۔

ترجمہ: - آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب مخلوقات پر فوقيت رکھتے ہیں۔ اپنے کمال اور اپنے جمال اور اپنے حال اور [روحانی علوم سے بھرے ہوئے] اپنے شاداب دل مبارک کی بدولت۔

تشریح:- فارسی ادب کی مشہور کتاب ”گلستان“ سعدی پڑھانے کے دوران ایک درس میں میرے محسن و شفیق والد گرامی قبلہ گاہی حضرت پیر غلام مجی الدین شاہ حسامی اویسی علیہ الرحمہ (وفات ۳۰ شعبان ۱۳۱۹ھ / ۲۰ دسمبر ۱۹۹۸ء / پوہ ۲۰۵۵ بکری) نے فرمایا:-

”حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی“ (۱۳۱۳ء - ۱۳۹۲ء) عشق رسول میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اور نعمت گوئی میں آپ کو یہ طولی حاصل تھا۔ سراقبال اسی لئے کہتا ہے۔

کشته انداز ملا جائیم
نظم و نثر او علاج خائیم

مولانا جامی نے بہت اور اچھی نعمتیں لکھی ہیں۔ لیکن ایک دن آپ کو اپنے محبوب حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روایا میں فرمایا:
اے جامی! تو کافی نعمتیں لکھنے کے باوجود وہ بات نہ کہہ سکا جو سعدی (۱۱۹۳ء - ۱۲۹۱ء) نے ان شعروں میں کہی ہے:-

بَلَغَ الْعُلَىٰ بِكَمَالِهِ كَشَفَ الدُّجَى بِجَمَالِهِ
حَسْنَتْ جَمِيعُ حِصَالِهِ صَلُوا عَلَيْهِ وَآلِهِ
اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نعمت کی روح دراصل حضرت نبی کریمؐ کے کمال
او جمال اور خصال کا ذکر ہے۔ اور یہ ذکر آپؐ کو پسند ہے۔

حضرت مرزا صاحبؒ کے زیرِ تشریح شعر میں ان سب کا ذکر کر عمدہ طریقے سے ہے۔ جناب پیر سراج الحق صاحب نعمانی، سجادہ نشیں، سے روایت ہے کہ حضرت مرزا صاحب جب یہ نعمتیہ قصیدہ تصنیف کر چکے تو آپؐ کا چہرہ فرحت بشارت سے چک اٹھا۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ قصیدہ قبول ہو گیا۔“

حضرت نبی خاتم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمال کا اندازہ معراج شریف کے

متعلق متفق علیہ حدیث میں درج واقعہ موسیٰ سے ہو سکتا ہے۔
چھٹے آسمان پر آپ کی ملاقات بنی اسرائیل اولو العزم پیغمبر حضرت موسیٰ سے ہوتی
ہے حضور فرماتے ہیں:- فَلَمَّا جَاءَوْزُثْ بَكْيَ - جب میں آگے بڑھا تو موسیٰ رو
پڑا۔ قِيلَ لَهُ مَا يُبَكِّيْكَ اسے کہا گیا۔ روتے کیوں ہو۔ قَالَ أَبْكِيْ لِأَنْ
غُلَامًا بَعْثَ بَعْدِيْ. يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِهِ أَكْثَرُ مِمَّنْ يَدْخُلُهَا مِنْ
أُمَّتِيْ. موسیٰ نے کہا: میں اس بات پر روتا ہوں کہ یہ جوان [صلی اللہ علیہ وآلہ] میرے
بعد معمورث ہوا، اور اسکی امت میری امت سے زیادہ داخل جنت ہو گئی، (۱۲۲) شاید اسی
واقعہ کے متعلق مولا ناجامی اپنے مخصوص انداز میں فرماتے ہیں:-

رفتی بگل گشت چن ، گل دید لطف آن بدن

از رہک آں برخویشن ز وجامہ چاک اے ناز نین

آپ کی قدر و منزلت کی عظمت اور آپ کی شان کی رفتہ کا اندازہ عیسائی
شہنشاہ ہرقل کے اس اعتراف سے ہو سکتا ہے جو اس نے سردار بار کیا:

وَلَوَانِيْ أَخْلَصُ إِلَيْهِ لَاحْبَبْتُ لِقَائِهِ وَلَوْكُنْتُ عِنْدَهُ
لَغَسْلُتُ عَنْ قَدَمِيْهِ. وَلَيَلْعَنَ مُلْكُه مَا تَحْتَ قَدَمِيْ.

اور اگر میں جانتا کہ میں آپ کی خدمت میں پہنچ سکوں گا، تو ان کی ملاقات کا
شرف ضرور پاتا۔ اور اگر میں ان کی خدمت میں ہوتا تو ضرور ان کے پاؤں دھوتا۔

اور ان کی بادشاہت ضرور میرے زیر قبضہ زمین میں بھی پہنچ گی۔ (۱۲۳)

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جلال و جمال کے متعلق حضرت مرزا
صاحب اپنی کتاب ”اربعین“ میں لکھتے ہیں:-

(۱۲۲) متفق علیہ مخلوقة ح ۲ ک الفتن [۲۲] باب فی المعراج [۲۳] ح ۷

(۱۲۳) متفق علیہ ایضاً ک [۲۲] باب علامات النبوة فی الاسلام [۲۲] فصل (۳) ح آخری

”یاد رہے کہ جیسا کہ خدا تعالیٰ کے دو ہاتھ جلالی و جمالی ہیں۔ اس نمونہ پر چونکہ ہمارے نبی اللہ جل شانہ کے مظہر اتم ہیں لہذا خدا تعالیٰ نے آپ کو بھی وہ دونوں ہاتھ رحمت اور شوکت کے عطا فرمائے۔ جمالی ہاتھ کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے کہ قرآن شریف میں ہے وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ۔ یعنی ہم نے تمام دنیا پر رحمت کر کے تھے بھیجا ہے“ [۲۱] اور جلالی ہاتھ کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے: وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَى [۲۲]

ایک دفعہ مرزا صاحب نے فرمایا:-

”کسی نبی کو یہ شوکت یہ جلال نہ ملا جو ہمارے نبی کریمؐ کو ملا۔ بکری کو اگر ہر روز گوشت کھلا و تو وہ گوشت کھانے سے شیر نہ بن سکے گی۔ شیر کا بچہ ہی شیر ہو گا۔ پس یاد رکھو یہی بات یقین ہے کہ اس نام کا مستحق اور واقعی حقدار ایک تھا، جو محمدؐ کہلایا.....“
حضرت نبی کریمؐ کا قلب اطہر علوم، حکمت و ایمان سے معمور تھا۔ چنانچہ جہاں قرآن شریف نے الٰم نَسْرَخَ لَكَ صَدْرِكَ [۵] کیا ہم نے تیرے لئے تیرا سینہ نہیں کھولا [۹۳/۱] کہا وہاں حدیث میں ایک ”واقعہ“ مذکور ہے۔ کہ

فَنَزَلَ جِبْرِيلُ فَفَرَجَ صَدْرِي ۗ ثُمَّ غَسَلَهُ بِمَا إِرْزَمَ ثُمَّ جَاءَ بِطُسْتٍ مِنْ ذَهَبٍ مُمْتَلِئٌ حِكْمَةً وَإِيمَانًا. فَأَفْرَغَهُ فِي صَدْرِي [۱۲۵]

پھر جبریل نے نازل ہو کر میرے سینے کو کھولا پھر آپ زمزم سے اس کو دھو یا۔ پھر وہ حکمت و ایمان سے بھرا طشت لے کر آیا۔ پھر اس نے اس طشت کو میرے سینے میں خالی کر دیا، اس روحا نی واقعہ میں آپ کے سینے مبارک کو علوم

(۱۲۳) اربعین جز ۳ ص ۳۲ حاشیہ۔ بحوالہ الشان رسول عربی ص ۲۶۵

(۱۲۴) متفق علیہ مکملۃ جلد ۲ ک الفتن [۲۶] باب فی المراج [۲۳] فصل راجح [۲۲] (انس بن مالک)

ربانی سے معمور کیا گیا۔ اور ایسے ہی واقعات سے آپ کا دل مبارک علم و حکمت سے سیراب و شاداب تھا۔

حضرت رسول کریم اولیاء کرام کیلئے بمنزلہ باپ ہیں باپ کی دولت کا حصہ اسکی اولاد کو ضرور ملتا ہے۔ اس نے اولیاء کرام کو بھی آپ سے روحانی وارثت ملتی ہے۔ اسی علم و عرفان اور شراب معرفت کے متعلق حضرت سیدنا غوث الاعظم شیخ سید عبدالقادر جیلانی (۱۰۷۸ھ/۱۶۲۷ء) فرماتے ہیں:

١ سَقَانِيُ الْحِبْ كَاسَاتِ الْوِصَالِي

فَقُلْتُ لِخَمْرَتِي نَحْوِي تَعَالَى

٢ سَعَثْ وَمَشَتْ لِنَحْوِي فِي كَثُوسِ

فَهِمْتْ بِسُكْرَتِي بَيْنَ الْمَوَالِي

یعنی (۱) مجھے اپنے محبوب نے وصال کے پیالے پلائے۔ تو میں نے اپنی

شراب سے کہا: میرے پاس آ

(۲) وہ میرے پاس دوڑ کر آئی۔ بڑے بڑے پیالوں میں بھری ہوئی، مشہور

اہل حدیث عالم و مناظر جناب مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری [۱۸۶۸ء- ۱۹۳۸ء]

سے مخاطب ہو کر حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں:-

أَتَرْعُمُ أَنَّ رَسُولَنَا خَيْرُ الْوَرَى

عَلَى رَعْمٍ شَانِهِ تُوفَى أَبْتُرٌ

[اے ثناء اللہ! کیا تیرا خیال ہے کہ ہمارے رسول جو بہترین مخلوق ہیں، ان

کے دشمن کے خیال کے مطابق ابتر [بے ولد] ہی دنیا سے اٹھائے گئے؟

فَلَا وَالَّذِي خَلَقَ السَّمَاءَ لَا جِلْهُ
لَهُ مِثْلًا وَلَدٌ إِلَى يَوْمٍ نُخْشِرُ
سو تیرا یہ زعم غلط ہے۔ قسم اس ذات باری کی جس نے آسمان کو ایک مقررہ وقت
تک کے لئے پیدا کیا ہے۔

نبی خاتمؐ کے ہماری مانند بہت سے بیٹھے ہیں جو روز قیامت تک ظاہر ہوتے
رہیں گے۔” [کرامات الصادقین]

صحابہ کرام نے حضرت نبی کریمؐ کے فیوض سے مستفیض ہو کر بلند مقامات
پائے۔ حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں:

أَتَعْرِفُ قَوْمًا كَانَ مَيْنَا كَمِثْلِهِمْ
نَوْمًا كَامْوَاتٍ جَهْوَلًا يَلْنَدَدًا

[اے مخاطب! کیا تو کسی قوم کو جانتا ہے۔ جو عربوں کی طرح مرچکی تھی
مردوں کی طرح سو پڑی تھی۔ جاہل اور جھگڑا تو تھی؟

فَأَيْقَظَهُمْ هَذَا النَّبِيُّ فَاصْبَحُوا
مُنْبِرِينَ مَحْسُوْرُ دِينِ فِي الْعِلْمِ وَالْهُدَى
سو ان (مردوں) کو اس نبیؐ نے جگایا۔ تودہ علم اور ہدایت میں نورانی اور محسود
بن گئے۔

فَفَاقُوا بِفَضْلِ اللَّهِ خَلْقَ زَمَانِهِمْ
بِعِلْمٍ وَ إِيمَانٍ وَ نُورٍ وَ بِالْهُدَى
سو وہ [صحابہ کرام] اللہ تعالیٰ کے قضل سے اپنے ہم عصروں پر علم اور ایمان اور
نور اور ہدایت میں فوقیت و فضیلت حاصل کر بیٹھے۔

وَهَذَا مِنَ النُّورِ الَّذِي هُوَ أَحْمَدٌ

فِدَى لَكَ رُؤْحِنْ يَا مُحَمَّدُ سَرْمَدَا

اور یہ سب کچھ اس نور سے حاصل ہوا جس کا نام نامی احمد ہے میری جان آپ

پر ہمیشہ فدا ہوا مَصْطَفِي عَلَيْهِ السَّلَامُ۔

ایک فارسی نعت میں فرماتے ہیں :-

ایں آتشم ز آتش مہر محمدی امت

ایں آب من ز آب زلال محمد امت

میری یہ آگ حضرت محمد مصطفیٰ علیہ السلام کے آفتاب کی آگ سے ہے میرا یہ پانی

حضرت محمد مصطفیٰ کے آب زلال سے ہے

گویا میرا جلال و جمال حضرت پیغمبر خاتم النبی علیہ السلام کے جلال و جلال سے ہی ہے۔

ایں چشمہ روں کہ خلق خدا دہم

یک قطرہ ز بہر کمال محمد امت

یہ چشمہ روں جو میں خلق خدا کو دیتا ہوں، حضرت محمد مصطفیٰ کے کمال کے سمندر

کا ایک قطرہ ہے۔

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِهِ.

شعر..... ۲۵

**لَا شَكَّ أَنَّ مُحَمَّداً خَيْرُ الْوَرَى
رَيْقُ الْكِرَامِ وَنُخْبَةُ الْأَعْيَانِ**

لا: یہ حرف انکار ہے۔ اس لئے اس کو حرف نافیہ کہتے ہیں۔ جس چیز کا یہ انکار کرے وہ اس کا اسم ہے۔ اور وہ تین طرح آ سکتا ہے مثلاً
(۱) لَامَضَلِّيٌ فِي الْجَامِعِ۔ یہاں لا کے اسم مُضَلِّي کے آخری حرف پر دو پیش ("") ہیں۔

(۲) لَامَضَلِّيَا فِي الْجَامِعِ۔ یہاں مُضَلِّي کے آخری صرف پر دوز بریں ہیں۔
(۳) لَامَضَلِّيٍ فِي الْجَامِعِ۔ یہاں مُضَلِّي کے آخری پر صرف ایک زبر [ی] ہے۔

پہلی صورت میں معنی ہیں: مسجد میں کوئی "نمازی" نہیں ہے۔
یہاں گنجائش ہے کہ کوئی قابل ذکر نمازی نہیں۔ لیکن کوئی معمولی نمازی ہو۔
پوری جس کا انکار نہیں ہے۔

دوسری صورت میں معنی ہیں۔ مسجد میں اس وقت کوئی نمازی نہیں کوئی نماز نہیں پڑھتا ہے۔ لیکن ممکن ہے کہ کوئی شخص کسی اور مسجد میں نماز پڑھ کر آیا ہو۔ اور مسجد میں موجود ہو۔

اور تیسرا صورت میں معنی ہیں: لَيْسَ فِي الْجَامِعِ مُضَلِّلٌ سَوَاءً
ضَلِّيٌ فِي الْجَامِعِ أَوْ فِي غَيْرِهِ هَذَا..... (۱۴۱)

یعنی مسجد میں کوئی بھی نمازی نہیں ہے خواہ اس نے اس مسجد میں نماز پڑھی یا کسی دوسری مسجد میں۔“

یہ لا جنس نمازی کا ہی انکار کرتی ہے اس لئے اس لا کولاۓ نافی جنس کہتے ہیں۔
متعدد احادیث نبویہ میں پیغمبر صادق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔
لانبیٰ بعدِ دی۔ یہ نافی جنس کے لئے ہے۔ اسی لئے لانبیٰ۔ لانبیاً نہیں بلکہ
لانبیٰ فرمایا ہے۔ مندرجہ بالا نحوی قاعدہ کے مطابق ارشاد بنوی کے معنی میں:
”میرے بعد کوئی یا کسی قسم کا نبی نہیں آ سکتا“، نہ اس امت میں پیدا ہونے والا یا نبی
اور نہ کوئی پرانا نبی جس نے کسی دوسری قوم میں کارنبوت انجام دیا ہو۔ گویا خاتم
الانبیاء کے بعد نہ کوئی اسرائیلی نہ ایرانی نہ پنجابی نبی یا رسول آ سکتا ہے۔
لاشک: کسی بھی قسم کا کوئی شک و رشبہ نہیں۔“ جیسے قرآن پاک میں ہے:
لارَيْبَ [۲:۲]۔ کسی قسم کا ریب نہیں۔

رِیْقُ اَر کے نیچے زیرا۔ رُضَابٌ۔ تھوک ماءُ الْفَمِ آب دہن (۲)
الْقُوَّةُ۔ طاقت (۳) الرَّمَقُ۔ بقیہ زندگی۔ تھوڑا گذارہ۔
رِیْقُ اَر پر زبر اِمْنُ كُلَّ شَئٍ۔ اَوَّلَهُ وَأَفْضَلُهُ : بہر چیز کا اول و افضل
حصہ۔ [۱۵۱ جلد (۱) اقرب]

الْكِرَام: کَرِيمٌ۔ صاحب کرم۔ درگذر کرنے والا۔ اس کی جمع ہے کَرَامٌ۔
یا کُرْمَاءُ۔

رِیْقُ الْكِرَام: اصحاب کرم یا درگذر کرنے والوں میں اول اور افضل۔ یعنی
سب سے بڑھ کر کرم۔

رِیْقُ الْكِرَام: (۱) اصحاب کرم کی طاقت۔ اصحاب کرم کی جان۔
میری رائے میں رِیْقُ الْكِرام زیادہ موزوں ہے۔

نُخْبَةُ الْمُخْتَارُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ - ہر چیز کا چنانہ واحدہ، برگزیدہ [اقرب جلد ۲] ۱۳۷۸
الْأَغْيَانُ:- **الْعَيْنُ**. **السَّيِّد**۔ سردار، شریفُ الْقَوْمِ قوم کا بزرگ کبیر
الْقَوْمِ قوم کا بڑا آدمی؛ **الْعَيْنُ** کی جمع **الْأَغْيَانِ**۔ **الْإِخْوَةُ** مِنْ أَبٍ وَاحِدٍ
 وَأُمٍّ وَاحِدَةٍ۔ وہ بھائی جن کا باپ ایک ہی ہوا مرماں بھی ایک ہی ہو..... [اقرب
 جلد (۱) ۸۰۵-۸۰۶] **نُخْبَةُ الْأَغْيَانُ**: اغیان میں چنانہ ہوا، برگزیدہ۔

اس شعر میں کرام اور اغیان سے مراد انبیاء اور رسول ہیں۔

تَرْجِمَة:- اس حقیقت میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ پیغمبر خاتم صلی اللہ علیہ
 وآلہ وسلم سب مخلوق میں بہترین فرد ہیں۔ اور آپ سب اصحاب کرم میں اول اور
 افضل ہیں [یا انکی جان ہیں] اور سب سرداروں اور بزرگوں میں بہت برگزیدہ ہیں۔

تَشْرِيف:- ناظم تصیدہ حضرت مرتضیٰ صاحب[ؑ] اپنی ایک معركہ آرا تصنیف
 طیف "اعجاز المسيح" میں حضرت رسول کریمؐ کی حمد و شان میں لکھتے ہیں:-

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى فِي شَانِهِ لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنفُسِكُمْ
 عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَوِيقٌ رَحِيمٌ۔ التوبہ

۹/۱۲۸

فَأَشَارَ اللَّهُ فِي قَوْلِهِ "عَزِيزٌ" وَقَوْلِهِ حَرِيصٌ إِلَى أَنَّهُ عَلَيْهِ
 السَّلَامُ مَظَاهِرُ صِفَتِهِ الرَّحْمَنِ بِفَضْلِهِ الْعَظِيمِ لِأَنَّهُ رَحْمَةٌ
 لِلْعَالَمِينَ كُلِّهِمْ وَلِنُوْعِ الْإِنْسَانِ وَالْحَيَوانِ وَأَهْلِ الْكُفْرِ
 وَالْإِيمَانِ۔ اللہ تعالیٰ نے نبی خاتم^{صلی اللہ علیہ وسلم} کی شان میں فرمایا ہے:- "یقیناً تمہارے
 پاس تمہیں میں سے ایک رسول آیا ہے تمہارا تکلیف پانا اس پر شاق [عزیز] گزرتا
 ہے۔ وہ تمہارے لئے (بھلائی کا) خواہش مند (حریص) ہے۔ مومنوں پر مہربان رحم
 کرنے والا ہے" [۹/۱۲۸]۔ پس اپنے قول عزیز اور حریص میں اللہ تعالیٰ نے اس

بات کا اشارہ کیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کے خدا تعالیٰ کے فضل عظیم کے بدولت اس کی صفت رحمانیت کے مظہر ہیں۔ کیونکہ آپ ﷺ سب عالموں کے لئے رحمت ہیں۔ سب قوموں کے لئے رحمت ہیں۔ نوع انسانی کے لئے جیوانی انواع و اقسام کے لئے، ایمان والوں اور کافروں کے لئے رحمت ہیں۔

ثُمَّ قَالَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ وَقَرِيْبٌ. فَجَعَلَهُ رَحْمَانًا وَرَحِيمًا كَمَا لَا يَخْفَى عَلَى الْفَهِيمِ وَحَمِدَهُ وَعَزَّ إِلَيْهِ خُلُقًا عَظِيمًا مِنَ التَّفْخِيمِ وَالتَّكْرِيمِ. كَمَا جَاءَ فِي الْقُرْآنِ الْكَرِيمِ - پھر اللہ نے آپ ﷺ کی شان میں فرمایا: آپ مذہنوں پر مہربان اور رحم کرنے والے ہیں، پس اللہ تعالیٰ نے آپ کو حسن اور رحیم قرار دیدیا۔ جیسا کہ ہر سچھدار انسان پر یہ واضح ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے حضرت نبی کریم ﷺ کی حمد [تعريف] کی اور آپ کی تقدیم و تکریم کیلئے خلق عظیم کو آپ کے ساتھ منسوب کیا۔ جیسا کہ قرآن شریف میں ارشاد ہوتا ہے۔“
پھر آگے لکھتے ہیں:-

هُوَمَرَكَبٌ مِنْ صِفَتَيْ رَبِّنَا الْأَعْلَى فَاقْصَدَى التَّرْكِيبُ أَنْ يُعْطِيَ لَهُ هَذَا الْمَقَامُ الْغَرِيبُ فَلَا جَلَلٌ ذَالِكَ سَمَاءُ اللَّهُ مُحَمَّدًا وَأَحْمَدًا فَإِنَّهُ وَرِثَ نُورَ الْجَلَالِ وَالْجَمَالِ وَبِهِ تَفَرَّدٌ.

حضرت پیغمبر خاتم تمہارے رب اعلیٰ کی دو صفتیں۔ رحمانیت اور رحمیت سے مرکب ہیں۔ اس ترکیب کا تقاضا ہوا کہ آپ کو یہ عجیب و غریب مقام حاصل ہو۔ اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام محمد اور احمد رکھا۔ اور آپ اللہ تعالیٰ کے جلال و جمال کے نور کے وارث بن گئے۔ اور اس شان میں آپ منفرد ہیں، (۱۲۶)

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے:-

وَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ اور [اے حبیبِ اکرم] یقیناً تو رسولوں میں
سے ہے اس کے معاً بعد ارشاد ہوتا ہے: تِلْكَ الرَّسُولُ فَضَّلَنَا بَعْضَهُمْ
عَلَىٰ بَعْضٍ ان رسولوں میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی، [ابراهیم] (۲) ۴

[۵۳:۳۲]

مفسر بغدادی لوسی [۱۸۵۲-۱۸۰۳ھ/۱۲۷۰-۱۲۱۷ء] یہاں لکھتے ہیں:

اسْتِئْنَافٌ مُشْعِرٌ بِالْتَّرْقَىٰ كَانَهُ قِيلَ: إِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ
وَأَفْضَلُهُمْ فَضْلًا۔ یعنی یہاں از سر نو مضمون شروع کرنے میں ترقی کی طرف
اشارہ ہے گویا کہا گیا ہے: آپ ضرور رسولوں میں ایک رسول ہیں۔ اور فضل کے لحاظ
سے سب پر فضیلت رکھتے ہیں۔“
یہ مضمون رَيْقُ الْكِرَامٍ اور نُخْبَةُ الْأَعْيَانِ لفظوں میں ادا ہوا۔

شِعْر.....٣٦

تَمَتْ عَلَيْهِ صِفَاتُ كُلِّ مَزِيَّةٍ
خُتِّمَتْ بِهِ نَعْمَاءُ كُلِّ زَمَانٍ

تَمَتْ - تَمَ [ضَرَبَ] تَمَّاً وَتَمَاماً. تَكَمَّلَتْ أَجْزَاءُهُ [اقرب جلد (۱) ص ۸۰] چیز جن اجزائے بنتی ہے، ان سب کا چیز میں ہونا۔ پورا ہونا۔ اس سے ماضی واحد موئنت غائب تَمَتْ۔ پوری ہو گئی۔

صفات: صفة۔ الْأَمْارَةُ وَالْحُلْيَةُ الْلَّازِمَةُ بِذَاتِ الْمُوْصُوفِ الَّذِي يُعْرَفُ بِهَا. [اقرب زیر وصف جلد (۲) ص ۱۳۷] وہ علامت اور رنگت وہیت جو موصوف کے ساتھ گلی ہو اور جس سے وہ پہچانا جاسکتا ہے اس کی جمع صفات ہے۔

مَزِيَّةٌ: التَّمَامُ وَالْفَضِيلَةُ مِنْ عِلْمٍ وَكَرَمٍ وَشُجَاعَةٍ۔ علم، کرم اور شجاعت سے حاصل ہونے والی فضیلت اور کمال ای فضیلۃ یُمْتَازُ بِهَا عنْ غَيْرِهِ۔ ایسی فضیلت جس کی بدولت آدمی دوسروں سے ممتاز ہو جائے۔

[اقرب جلد (۲) ص ۱۳۰]

اس سے فعل نہیں آیا۔ مَزِيَّةٌ سے جمع مَزَّاً یا مَازِيَاتٍ ہے۔

خُتِّمَتْ بِهِ: خَتَّمَ [ضَرَبَ] خَتُّماً وَخِتَاماً. خَتَمَ الشَّيْءَ . بَلَغَ الْخِرَةَ۔ چیز کے آخر تک پہنچنا۔ ختم الْكِتَابَ۔ قَرَأَهُ كُلَّهُ وَاتَّمَهُ۔ کتاب کو پورا پڑھنا اور پورا کرنا۔

خَتَمَ الْعَمَلَ : فَرَغَ مِنْهُ۔ کام پورا کر کے اس سے فارغ ہونا۔ اس سے

ماضی مجہول واحد مؤنث غائب ختم میں ختم کی گئی۔ ختم میں بھی اس کے ذریعہ ختم کی گئی۔ [اقرب (۱) ۲۰۷]

نَعْمَاءُ [جَ أَنْعَمٌ/نُعْمَى] . الْخَفْضُ . آسودگی - خوش حالی وَالدَّعْةُ . سکون و راحت [اقرب الْكَمال : ما و دولت] [معجم ص ۹۳۵] با برکت ماتھی۔ آسودہ مالی [مسجد]

ترجمہ: حضرت نبی خاتمؐ کی ذات مقدس میں تمام فضیلتوں کی صفات پوری ہو گئیں۔ (اور) آپ کے ذریعہ ہر زمانے کی برکتیں ختم کی گئیں۔

تشریح: ایک باغبان جب تخدینے کے لایق گلدستہ تیار کرتا ہے وہ باغ کے پھولوں میں سے نہایت خوب صورت اور نہایت خوبصوردار پھول چین لیتا ہے اور ان پنے ہوئے پھولوں کو قرینے سے سجا کر گلدستہ تیار کرتا ہے۔

باغبان ہستی نے گلتان ہستی سے خوبیوں اور فضیلتوں کے پھول چن کر ایک گلدستہ مرتب کیا۔ یہی گلدستہ محمد ہے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ۔

تمام پیغمبر فضیلتوں اور خوبیوں کے مالک ضرور ہیں۔ لیکن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات سنتو دہ صفات میں یہ سب فضیلیں۔ یہ سب خوبیاں جمع ہیں۔ بقول خرو

آنچھے خوبیاں ہمہ دارند، تو تھا داری

حسن یوسف ، دم عیسیٰ یہ بیضا داری

ہر خوبی اور ہر فضیلت آپ کی مقدس ذات میں پوری ہے۔ یعنی حقیقی پیغمبر اکابر کی ذات میں ہو سکتی اتنی موجود ہے۔ چنانچہ ناظم قصیدہ حضرت مرزا صاحب لکھتے ہیں:-

”ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جامع کمالات متفرقہ ہیں جیسا کہ

قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَبِهُدْلَهُمْ اقْتَدِ [۹۰:۶] [یعنی تمام نبیوں کو جو ہدایتیں ملی تھیں ان سب کی اقتداء کر،] پس ظاہر ہے کہ جو شخص ان تمام متفرق ہدایتوں کو اپنے اندر جمع کرے گا اس کا وجود ایک جامع وجود ہو جائیگا۔ اور تمام نبیوں سے وہ افضل ہو گا۔“

انہیں اپنی ایک اور مشہور تصنیف میں لکھتے ہیں:-

”وہ انسان کامل جو آفتاب روحانی ہے، جس سے نقط ارتقاء کا پورا ہوا ہے۔ اور جو دیوار نبوت کی آخری ایت ہے وہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔“ (۱۲۸)

اس شعر کے دوسرے مفرغ میں حضرت مرزا صاحب ختم نبوت کے ایک پہلو کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ مسئلہ ختم نبوت پر مفصل بحث کا یہ موقع نہیں ہے۔ تاہم یہ کہنا ضروری ہے کہ عقیدہ ختم نبوت ایک اہم اسلامی عقیدہ ہے اور امت کی شیرازہ بندی کا ذمہ دار۔ کہنے کا مطلب یہ ہے۔ ہزار ہا اخلافات کے باوجود امت درامت کا مسئلہ پیدا ہونے میں یہ روک ہے حضرت مرزا غلام احمد صاحبؒ فرماتے ہیں:-

”کوئی شخص مسلمان نہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قیع نہیں بن سکتا جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبین یقین نہ کرے۔“ [ملفوظات مندرجہ الحکم ص ۱۰۵ اگست ۱۹۰۲ء]

ختم نبوت کے تین پہلو ہیں:-

- (۱) ختم نبوت بلحاظ تأثیر زمانی۔
- (۲) ختم نبوت بلحاظ ختم کمالات۔
- (۳) ختم نبوت بلحاظ افاضہ روحانی۔

- (۱) حَنْدَرِ فُبُوقٍ بِلَاحَاظٍ قَاتِلَنْ رُزْ مَا فَقِي : سلسلہ انبیاء و رسول حضرت آدم سے شروع اور حضرت محمد مصطفیٰ پر ختم ہوا۔ آپ آخری نبی ہیں۔ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا۔ آپ سلسلہ انبیاء و رسول کے خاتم و خاتم یعنی آخر فرد ہیں۔ دوسرے لفظوں میں کہہ سکتے ہیں کہ آپ نبی آخر الزمان ہیں۔ آپ گزار مانہ سب نبیوں کے زمانہ کے بعد ہے۔
- (۲) حَنْدَرِ فُبُوقٍ بِلَاحَاظٍ حَنْدَرِ كَمَالَاتٍ :۔ انبیاء و مرسیین کو جو کمالات حاصل ہو سکتے ہیں۔ وہ آپ پر ختم ہو گئے یعنی آپ نے ان سب کو حاصل کیا۔ ایسا کوئی کمال نہیں جو آپ نے حاصل نہیں کیا۔
- (۳) حَنْدَرِ فُبُوقٍ بِلَاحَاظٍ افَاضَهُ كَمَالَاتٍ :۔ آپ کی اتابع اور اطاعت سے اولیاء کرام کمالات روحانیہ کو باطور و راشت پاتے ہیں۔

چنانچہ حضرت مرزا غلام احمد صاحبؒ فرماتے ہیں:-

(۱) ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جیسے سب سے آخر پیدا کیا، ویسے ہی سب کمال آپ کو دیئے۔ کسی نبی میں کوئی صفت ایسی نہیں جو آپ میں موجود نہ ہو۔ آپ تمام فضائل کا مجموعہ ہیں۔ آپؒ کے فیوض اور برکات برابر جاری ہیں۔ اور آپ زندہ نبی ہیں“

[ملفوظ مندرجہ الحکم ۶۔ مورخہ ۱۵۔ اپریل ۱۹۰۳ء۔ ۲۹۰۲ء شان ۲۹۱]

اس ملفوظ میں ختم بنت کے تینوں پہلوں کا ذکر ہے۔ فرماتے ہیں۔

- ۱) سب سے آخر پیدا کئے گئے۔ یعنی سب نبیوں کے آخر میں آپ پیدا کئے گئے۔ یعنی آپ العاقب ہیں۔
- ۲) آپ سب فضائل و کمالات کا مجموعہ ہیں۔
- ۳) آپؒ کا افاضہ بھی جاری ہے۔

(۲) حضرت مرزا صاحب کی ایک معمر کہ آرال تصنیف پیغمبر سیالکوٹ ہے۔ یہ ۱۹۰۵ء کی تصنیف ہے۔ اس میں آپ لکھتے ہیں:-

”ختم نبوت آپ پر نہ صرف زمانہ کے تاخیر کی وجہ ہوا بلکہ اس وجہ سے بھی کہ تمام کمالات نبوت آپ پر ختم ہو گئے۔ اور چونکہ آپ صفات الہیہ کے مظہر اتم تھے اس لئے آپ کی شریعت صفات جلالیہ و جمالیہ دونوں کی حامل تھی۔ اور آپ کے دوناں محمد اور احمد صلی اللہ علیہ وسلم اسی غرض سے ہیں۔“ (۱۲۹)

شعر مذکورہ کے پہلے مرصعہ میں حضرت مرزا صاحب نے ختم نبوت بخطاط کمالات کا ذکر کیا ہے۔ گویا وہی مضمون ادا کیا ہے جو فارسی نعمتیہ قصیدے کے اس شعر میں بیان کرچکے ہیں:

ختم شد بر ذاتِ پاکش ہر کمال
لا جرم شد ختم ہر پیغمبرے

اور دوسرے مرصعہ میں ختم نبوت کے تیرے پہلو یعنی افاضہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں آپ پر نعماء کل زمان ختم کی گئیں۔ یہاں اشارہ ہے اس بھر فیوض و برکات کی طرف جس سے آپ کے کامل امتی ہر زمانے میں فیض یا بہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت مرزا صاحب بھی ان سعادت مندوں سے ہیں۔ اور فرماتے ہیں:-

(۱۲۹) پیغمبر اسلام۔ سیالکوٹ۔ شان ج ۹۷ کے

(۱۳۰) حقیقت الوجی۔ [استفتاء] عربی ۱۳۱

سَقِّيَ فِيهِجَ الْعِرْفَانَ كُلَّ مُصَاحِبٍ
فَبَنَشَوَةِ الصَّهْبَاءِ سُرُوا وَأَبْشَرُوا

آپ نے ہر مصاحب کو جام عرفان پلا دیا۔ سواس شراب معرفت کے نئے سے
وہ سب لوگ مسرور خوش ہو گئے۔

ایں چشمہ روان کے بخلق خدا دہم
یک قطرہ زبر کمال محمد امت

شِعْر ۲۷

وَاللَّهِ إِنَّ مُحَمَّدًا كَرِدَافَةٍ
وَبِهِ الْوُصُولُ بِسُدَّةِ السُّلْطَانِ

کَرِدَافَةٌ: رِدَافَةٌ. مَنْ أَرْدَافَ الْمُلُوكَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ.
[اقرب جلد (۱) ص ۳۹۹] - زمانہ جاہلیت میں بادشاہوں کے وہ خصوصی ہم نشین، جو ان کی نیابت کرتے تھے۔ ان کے ہاں بکریہ وزیر خاص ہوتے تھے۔

الْوُصُولُ: مصدر ہے اس کے معنی ہیں پہنچنا۔ عموماً صلہ الی آتا ہے۔ لیکن شعری ضرورت سے بجائے الی بھی آسکتا ہے۔ **سُدَّةٌ:** بَابُ الدَّارِ [اقرب

(۱) ۵۰۵] گھر کا دروازہ برآمدہ، یا بیٹھنے کی گلہ جیسے نمبر [Mengid]

السُّلْطَانِ: الْحُجَّةُ روشن دلیل (۲) التَّسْلُطُ قبضہ وقدرت (۳)
الْمَلِكُ بادشاہ۔ [اقرب (۱) ص ۵۳۶]

ترجمہ: اللہ کی قسم! بے شک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (دربار شاہی کے) نائب کی مانند ہیں اور آپ کے ہی ذریعہ شاہی محل کے دروازے تک آدمی پہنچ سکتا ہے۔

تشریح: بادشاہ کو بشری کمزوریاں لاحق ہوتی ہیں۔ اس لئے کاروبار سلطنت چلانے کے لئے مشیروں، وزیروں اور صلاح کاروں کا محتاج ہوتا ہے۔ بادشاہ اور اقتدار اعلیٰ کامک ہونے کے باوجود اس کو ان مشیروں اور صلاح کاروں کا مشورہ قبول کرنا پڑتا ہے۔

لیکن بادشاہ حقیقی۔ یعنی اللہ تعالیٰ کمزوری، عاجزی اور خامی سے پاک ہے۔

اس لئے اس کو اپنے لئے کسی وزیر، مشیر یا صلاح کار کی کوئی ضرورت نہیں۔ البتہ لوگوں میں کمزوریاں، عاجزیاں اور خامیاں ہیں اس لئے دنیا آباد رکھنے کے لئے، لوگوں میں مختلف امور کا انتظام کرنے کے لئے ان کے لفوس کی تکمیل کے لئے اور ان میں اپنا امر نافذ کرنے کے لئے اس نے اپنے خلیفے پیدا کئے۔ خلیفہ کے معنی ہیں: مَنْ يَخْلِفُ عَيْرَهُ وَيَنْوُبُ عَنْهُ۔ وہ شخص جو کسی کا جانشین اور نائب ہو۔

پس اللہ تعالیٰ نے اپنی عاجزی، کمزوری یا نقص کی وجہ سے نہیں بلکہ مُسْتَحْلَفٌ علیہ یعنی بندوں کی کمزوری یا نقص کیلئے اپنے نائب [خلیفہ] بنائے (۱۳۱) اللہ تعالیٰ کے ان خلفاء [جانشینوں اور نبیوں] میں سب سے اعلیٰ وارفع مقام حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاصل ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ان کی شان عالیٰ کے متعلق فرماتا ہے:-

عَلَّمَهُ شَدِيدُ الدُّقُویٍّ اس [رسول اکرم] کو تعلیم دی مضبوط قوتیں والے نے [خدا نے] **ذُو مِرَّةٍ طَفَاسْتَوْى** حکمت والے نے (خدا نے) سودہ اعتدال پر قائم ہوا۔

وَهُوَ بِالْأَفْقَى الْأَغْلَى اور وہ [رسول معلم] انتہائی بلند مقامات پر فائز ہوا۔ **ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّى** پھر وہ [رسول اکرم خدا تعالیٰ سے] بہت قریب ہوا۔ اور بہت قریب ہوا۔

فَكَانَ قَابَ قَوْسِينَ أَوْ أَدْنَى پس وہ [رسول اکرم دوکمانوں کا وتر] ہوا بلکہ اس سے بڑھ کر قریب ہوا۔ [پ ۱۲۷، بجم ۵۳: ۹-۵]

اکثر مفسرین ان آیات میں جرمیل کا حضرت نبیؐ سے قریب ہونا مراد لیتے ہیں۔ لیکن ہم بخاری شریف اور تفسیر ابن حجری میں موجود، صحابی حضرت انس

(۱۳۱) اس بحث کے لئے دیکھیں تفسیر دوح المعنی پارہ، زیر آیت انی جا عمل فی الارض خلیفہ البرقة: ۱۳۰

بن مالکؓ کی روایت کے پیش نظر حضرت رسول کریمؐ کا اللہ تعالیٰ سے قریب ہونا مراد لیتے ہیں۔ (۱۳۲)

آخری آیت کریمہ کا مطلب ہے:- آنحضرتؐ کو اللہ تعالیٰ سے ایسا قرب شدید کا تعلق ہے جس سے بڑھ کر قرب ممکن نہیں۔ اسی لئے قاب قوسینؑ کے بعد اوّاذنیؑ کے لفظ بڑھائے ہیں۔ یعنی دو کمانوں کے ملانے والوں کا تعلق بھی بہت شدید ہوتا ہے مگر آنحضرتؐ کا تعلق اللہ تعالیٰ سے اس سے بھی قریب تر تھا۔ یعنی انسانی تعلقات جس قدر قرب کو ظاہر کر سکتے ہیں اس سے بڑھ کر آپؐ کا تعلق ہے۔ [بیان القرآن۔ مولانا محمد علی لاہوری۔ ۲/۱۳۱۳]

حضرت رسول کریمؐ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے اسی بنے ظیر تعلق کو یہ مشہور حدیث قدسی بھی ظاہر کرتی ہے۔ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **لَوْلَا كَ لَمَّا خَلَقْتُ الدُّنْيَا** [اے حبیب اکرم] اگر تو نہ ہوتا، میں دنیا پیدا ہی نہ کرتا۔ **وَلَوْلَا كَ لَمَّا خَلَقْتُ الْجَنَّةَ** اور اگر تو نہ ہوتا، میں جنت پیدا ہی نہ کرتا۔ [مسند فردوس وبلیہ۔ روایات ابن عباس]

یہی وجوہات ہیں کہ زیر تبصرہ شعر میں ناظم قصیدہ نے اپنے محبوبؐ کو **كَرِدَافَةً** [خاص وزیر، خاص مصاحب، نائب کی مانند] کہا ہے۔
دوسرا مرصود میں آپؐ اس حقیقت کو بیان فرمائے ہیں کہ بارگاہ سلطانی یعنی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ قرب میں پہنچنے کا ذریعہ بھی آپؐ ہی ہیں۔

شعر ۳۸.....

**هُوَ فَخْرٌ كُلِّ مُطَهَّرٍ وَ مُقدَّسٍ
وَ بِهِ يُبَاهِي الْعَسْكَرُ الرُّوْحَانِيُّ**

فَخْرٌ [فعل] فَخْرًا وَ فَخَرًا وَ فَخَارًا کے معنی ہیں (۱) تمدح بالخصال وَبَاہی بِالْمَنَاقِبِ وَالْمَكَارِمِ مِنْ حَسَبٍ وَ نَسَبٍ وَغَيْرُ ذَالِكَ امَّا فِيهِ اُوْ فِي ابَايِهِ۔ [اقرب جلد (۱) ۹۰۷۴]

اچھی خصلتوں پر فخر کرنا۔ حسب و نسب وغیرہ مناقب و مکارم پر فخر کرنا۔ چاہے یہ مناقب و مکارم خود فخر کرنیوالے میں موجود ہوں یا اس کے باپ دادا میں ہوں۔ یہ مصدر را کثر و جہ افتخار کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ پس **هُوَ فَخْرٌ** کے معنی ہیں: وہ وجہ افتخار ہے اس پر فخر کیا جاتا ہے **مُطَهَّرٌ**: طَهْرَ [نَصَرٌ / كَرْمٌ]۔ پاک ہونا۔ باب تفعیل **تَطْهِيرٌ** پاک کرنا۔ اس سے اسم مفعول بنتا ہے **مُطَهَّرٌ**: پاک کیا ہوا۔ طاہر بنایا ہوا۔

مُقدَّسٌ: قَدَسٌ [نَصَرٌ] پاک ہونا۔ قَدَسٌ [بَابٌ تَفْعِيلٌ] طَهَرَة وَبَارَكَ عَلَيْهِ۔ پاک کرنا۔ بابرکت بناتا۔ اس سے اسم مفعول بنتا ہے **مُقدَّسٌ**۔ پاک اور بابرکت بنایا ہوا۔ **فَخْرٌ كُلِّ مُطَهَّرٍ وَ مُقدَّسٍ**.

مایہ فخر ہر پاک اور بابرکت شخص کے لئے۔ **يُبَاهِي** باہی **يُبَاهِي** [باب مفاعله] **بَاہَاهٌ**. فَآخِرَةٌ فِي الْحُسْنِ. حسن میں کسی پرمغافرت کرنا۔ [اقرب ص ۲۶ ج ۱] **يُبَاهِي بِهِ** = اس پر فخر کرتے ہیں۔ اس پر ناز کرتے ہیں **يُبَاهِي بِهِ** **الْعَسْكَرُ الرُّوْحَانِيُّ** روحانی لشکر اس پر ناز کرتی ہے۔

ترجمہ:- آپ ہر پاک اور بابرکت شخص کے لئے مایہ فخر ہیں، اور روحانی

لشکر کو آپ پر نماز ہے۔

تفسیریح: مُطَهَّر، مُقدَّس اور لشکر روحانی سے مراد فرشتوں کے علاوہ انبیاء و مرسیین، اولیاء و سالکین ہیں۔ اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان سب کے سردار اور ان سب کے لئے سرمایہ صد افتخار ہیں۔

حضرت مرتضیٰ صاحب اپنی ایک ابتدائی معرکہ آرائصنیف "سرمه چشم آریہ" میں لکھتے ہیں:-

"چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پاک باطنی، اور انتراح صدری و عصمت و حیا و صدق و صفا و توکل و وفا اور عشق الہبی کے تمام لوازم میں سب انبیاء سے بڑھ کر اور سب سے افضل و اعلیٰ و اکمل وارفع و اجلی و اصفاق تھے اس لئے خدا نے جل شانہ نے ان کو عطر کمالات خاصہ سے سب سے زیادہ معطر کیا"۔ (۱۳۲)

اپنی ایک اور معرکہ آرائصنیف "آریہ دھرم" میں لکھتے ہیں:-

"ہم اپنی پوری تحقیق کی رو سے سید المتصوّنین اور ان پاکوں کا سردار سمجھتے ہیں۔ جو عورت کے پیٹ سے نکلے اور اس کو خاتم الانبیاء جانتے ہیں۔ کیونکہ اس پر تمام نبویں اور تمام پاکیزگیاں اور تمام کمالات ختم ہو گئے"۔ (۱۳۳)

اپنی ایک مشہور کتاب "سراج منیر" میں حضرت مرتضیٰ صاحب لکھتے ہیں:-

"ہم جب انصاف کی نظر سے دیکھتے ہیں تو تمام سلسلہ نبوت میں اعلیٰ درجہ کا جوان مرد بنی اور خدا تعالیٰ کا اعلیٰ درجہ کا پیارا نبی صرف ایک مرد کو جانتے ہیں یعنی وہ نبیوں کا سردار، رسولوں کا فخر، مرسلوں کا سرستاج، جس کا نام محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم"۔ (۱۳۴)

(۱۳۳) سرمہ چشم آریہ ۲۰۔ ۲۱۔ بحوالہ شان ۹۸

(۱۳۴) آریہ دھرم ۸۱۔ ۸۲۔ بحوالہ شان ۶۳

(۱۳۵) سراج منیر ۸۰

شِعْر.....٣٩

**هُوَ خَيْرٌ كُلٌّ مُقْرَبٌ مُتَقَدِّمٌ
وَالْفَضْلُ بِالْخَيْرَاتِ لَا بِزَمَانٍ**

خَيْرٌ = وجْدَانُ الشَّئْيٰ عَلَى كَمَالِتِهِ الْلَّائِقَةِ۔ چیز کا اپنے لازم کمالات کیسا تھ پایا جانا۔ یہ لفظ اسم بھی ہے اور صفت بھی اسی ہوتا معنی ہیں۔ مال۔ بھلائی۔ نیکی۔ اور صفت ہوتا اسم تفضیل **أَخْيَرُ** کا مخفف ہے۔ اور معنی ہیں: سب سے اچھا، سب سے افضل۔ اس کی جمع ہے۔ **أَخْيَارٌ** خیار مُقْرَب: قرب (زد کی) بُعْد (دوری) کی ضد (باب تفعیل) تقریب کے معنی ہیں زدیک کرنا، زدیک لانا، اسی سے اسم مفعول بنتا ہے، مُقْرَب = زدیک لایا ہونا مراد ہے وہ محجوب الہی جس کو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو۔

مُتَقَدِّمٌ، **قَدْمٌ** اور **قُدُومٌ** (باب نَصَر) قوم سے سابق ہونا اسی معنی میں تَقَدُّم (باب تَفَعُّل) بھی آتا ہے اس سے اسم فاعل **مُتَقَدِّمٌ** ہے یعنی سابق، سبقت لینے والا، پہلے ہونے والا، پہلے گذرنے والا، یہاں **مُقْرَبٌ** کی صفت ہے پس **مُقْرَبٌ مُتَقَدِّمٌ**، سابق **مُقْرَبٌ**.

خَيْرٌ كُلٌّ مُقْرَبٌ مُتَقَدِّمٌ = ہر سابق مقرب سے۔ افضل، اچھا۔

الْفَضْلُ: (۱) **ضِدُّ الْقُصْصِ**۔ نقص (کمی، خالی) کی ضد (۲) **الْبِقِيَّةُ**۔

بقیہ (۳) **الْزِيَادَةُ**۔ زیادتی (۴) **الْإِحْسَانُ**۔ احسان [اقرب (۱)(۹۲۱)]

الْخَيْرَاتُ : **الْخَيْرُ** سے صبغ مؤنث **الْخَيْرَةُ** یعنی **الكَثِيرَةُ الْخَيْرِ**۔

بہت خیر والی (۲) **الْفَاضِلَةُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ**۔ ہر چیزے بہتر۔ اس کی جمع ہے

الْخَيْرَاتِ لِيُعَنِّ (۱) نیکیاں، بھلائیاں، خوبیاں (۲) بہت نیک عورتیں۔

ترجمہ:- آپ ہر سابق مقرب سے افضل ہیں۔ اور فضیلت کا دار و مدار نیک کارناموں اور خوبیوں پر ہے نہ کہ وقت پر۔

تشریح:- نبوت و رسالت کا سلسلہ حضرت آدم سے شروع ہوا۔ آپ کے بعد بے شمار نبی اور رسول آئے۔ مختلف قوموں اور ملکوں میں آئے۔ مختلف اوقات میں آئے۔ ہر ایک نبی اور رسول اللہ تعالیٰ کا مقرب بندہ تھا۔ اور رسول خاتم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے مبعوث ہوا۔ اس لئے ہر نبی اور رسول مقرب اور متقدم تھا۔

نبیوں اور رسولوں کا یہ طویل سلسلہ جناب رسول خاتم پر ختم ہوا۔ چنانچہ قرآن مجید نے آپ کو خاتم النبیین [الاحزاب (الاحزاب) ۵: ۹۳۳] قرار دیدیا۔ اور آپ نے اس کی تشریح: **خُتِمَ بِي النَّبِيُّونَ** فرمادیکی: یعنی ”میرے ساتھ نبی ختم کے گئے۔“ (۱۳۶)

ایک متفق علیہ حدیث میں ارشاد ہوتا ہے: **خُتِمَ بِي الْبُنْيَانِ وَخُتِمَ بِي الرَّسُولِ**۔ نبوت و رسالت کی عمارت میرے ذریعہ کمکل کر دی گئی اور میرے ساتھ رسول ختم کر دئے گئے۔ (۱۳۷)

اور کئی احادیث صحیح میں آپ نے فرمایا:

لَا نَبِيَ بَعْدِي۔ میرے بعد کوئی اور کسی قسم کا نبی نہیں ہو گا۔

حضرت مرزا غلام احمد صاحب لکھتے ہیں:

(۱) ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بار بار فرمادیا تھا کہ میرے بعد کوئی

(۱۳۶) مسلم جلد ۴ کتاب الماجد ۱۵ باب (۱) ح (۵) ابو ہریرہ

(۱۳۷) متفق علیہ کوالی مکتوہ ک لفظ (۲۶) باب فضائل سید امیر مسیح (۱۸) فصل (۱) ح (ابو ہریرہ)

نبی نہیں آئے گا اور حدیث لانبی بعْدی ایسی مشہور تھی کہ کسی کو اس کی صحت میں کلام نہ تھا۔ اور قرآن شریف جس کا لفظ لفظ قطعی ہے اپنی آیت کریمہ ولکن رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّنَ سے بھی تصدیق کرتا تھا کہ فی الحقيقة ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پربوت ختم ہو چکی ہے۔ (۱۳۸)

(۲) ”ایسا ہی آپ نے لانبی بعْدی کہہ کرنے نبی یادو بارہ آنے والے نبی کا قطعاً دروازہ بند کر دیا ہے۔“ (۱۳۹)

ختم نبوت حضرت پیغمبر خاتم ﷺ کی ایک اہم فضیلت ہے۔ بعض لوگ خاکم بدھن، اس فضیلت کو آپ سے چھین لینے کی کوشش کرتے ہیں اور حقیقت سے ناواقف لوگوں کو اپنے مغالطہ کا شکار بنانے کے لئے کہتے ہیں: کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ خاتم النبین کہو، لیکن لانبی بعْدی مت کہو۔

حالانکہ اس قول عائشہ کی کوئی سند ہی نہیں ہے۔ یہ بلا سند قول حدیث کی کسی معروف متدال کتاب میں نہیں ہے۔ صرف لغت کی ایک کتاب میں ہے۔ اگر اس قول کو صحیح بھی مانا جائے تو معنی ہے قرآن مجید کا قول خاتم النبین قول بلیغ ہے اس کے ساتھ الفاظ حدیث کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ملا علی قاری (وفات ۱۰۱۳ھ/۱۶۰۶ء) کا ایک تشرییحی قول بھی پیش کیا جاتا ہے حالانکہ جس غلط بات [نَزَولَ عِيسَىٰ مِنَ السَّمَاءِ] کی حمایت کے لئے یہ کہا گیا ہے وہ منکرین ختم نبوت بھی نہیں مانتے۔

ملا علی قاری بلند پایہ محدث تھے۔ اس سے انکار نہیں۔ لیکن غلط بات ان کے منہ سے نکل کر صحیح نہیں ہو سکتی ہے۔ اس لئے ان کا ہر قول جو قرآن و حدیث صحیح

اور عقل سلیم کے خلاف ہو۔ وہ قابل قبول نہیں۔

مثل مشہور ہے ڈوبتے کوئنکے کا سہارا

حضرت رسول کریمؐ کے سر مبارک سے ختم نبوت کی دستار فضیلت چھیننے کے لئے منکرین ختم نبوت قرآن حکم اور ارشادات رسول اکرمؐ یا جناب مرزا صاحب کے واضح اقوال سے جب کوئی تائید نہیں پاتے ہیں تو ایسے ہی بے بنیاد اور غلط اقوال کا سہارا لیتے ہیں۔

حضرت مرزا صاحب اپنی ایک تصنیف طفیل ”منْ الرَّحْمَنْ“ میں لکھتے ہیں:

”أَوْحَى إِلَيَّ أَنَّ الدِّينَ هُوَ الْإِسْلَامُ وَأَنَّ الرَّسُولَ هُوَ
الْمُضْطَفِي السَّيِّدُ الْإِمَامُ رَسُولُ أُمَّتِي أَمِينٌ. فَكَمَا أَنَّ رَبَّنَا أَحَدٌ
يَسْتَحِقُّ الْعِبَادَةَ وَحْدَةً. فَكَذَالِكَ رَسُولُنَا الْمُطَاعُ وَاحِدٌ.
لَا نَبِيٌّ بَعْدَهُ وَلَا شَرِيكٌ مَعَهُ وَأَنَّهُ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ“۔^(۱۳۰)

یعنی ”مجھے الہام ہوا کہ ”دین“، صرف اسلام ہے۔ اور رسول صرف مصطفیٰ، سردار اور امام ہے۔ وہ کہ مغلظہ میں پیدا ہوا رسول امین ہے۔ پس جس طرح ہمارا رب اکیلا ہے۔ اور اکیلا عبادت کا مستحق ہے بالکل اسی طرح ہمارا رسول مطاع بھی ایک ہی ہے۔ اس کے بعد کوئی نبی نہیں۔ اور کوئی [نبوت و رسالت میں] اس کا شریک نہیں۔ اور وہ آخری نبی ہے۔

شعر.....۵۰

وَالْطَّلْلُ قَدْبِدُوْ أَمَامَ الْوَابِلِ
فَالْطَّلْلُ طَلْلُ لَيْسَ كَالْتَهَتَانِ

الطلل : المطر الضعيف وأضعفه وقيل الندى: بلکل بارش، اور
نمی۔ اور شنبم بھی کہا گیا ہے۔ [اقرب جلد (۱) ص ۱۲۷]

بَيْدُو : بدأ [فعل] بداء۔ ابتدأ۔ تبدأ۔ شروع کرنا۔ اسی سے فعل
مضارع واحد مذکر غائب ہے۔ بیدو۔ شروع کرتا ہے، شروع ہوتا ہے۔
قَدْ : فعل مضارع کے ساتھ دو فائدے دیتا ہے۔ (۱) توقع۔ مثلاً قد یقدم
الغائب اليوم توقع ہے آج غائب آجائیگا۔ (۲) تقلیل۔ قد یصدق
الکذوب۔ کبھی جھوٹا آدمی بھی حق بولتا ہے۔“

یہاں قد مضارع بیدو کے ساتھ ہے۔ اور تقلیل کا فائدہ دیتا ہے پس
وَالْطَّلْلُ قَدْبِدُوْ اَوْ بَلْكِلِ بَارِشِ کبھی ظاہر ہوتی ہے۔
أَمَامَ آگے۔

الوابل : دراصل اسم فاعل ہے اور اس کے معنی ہیں: **الْمَطْرُ الشَّدِيدُ**
الضخم القطر : [اقرب ص ۱۲۲۲]۔ سخت بارش برے بڑے قطر وں والی سخت
بارش۔

كَالْتَهَتَانِ: هتن [باب ضرب] هتنا و هتوانا و هتانا: لگا تار
بارش برسنا۔ آنسو پے درپے نکنا۔ اس سے اسم ہے هتن اور تھتان۔ لگا تار
برسے والی بارش، موسلا دھار اور پے درپے ہونی والی بارش۔ [منجد زیر هتن]

کَالْتَهْتَانِ۔ الْتَهْتَانِ کی مانند۔

ترجمہ: - قاعدہ ہے کہ سخت بارش سے پہلے بعض اوقات ہلکی بارش برستی ہے۔ یہ ہلکی بارش دراصل موسلا دھار بارش کی آمد کا صرف پیش خیمه ہوتی ہے۔ اگر چہ یہ پہلے آتی ہے لیکن ہے یہ ہلکی بارش ہے [اس کا زیادہ فائدہ نہیں ہوتا ہے] یہ موسلا دھار سخت بارش کی طرح [فائدہ مند] نہیں ہے۔

تشریح: - حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سلسلہ انبیاء رسول کے خاتم و خاتم ہیں۔ بالفاظ دیگر بعثت کے لحاظ سے آپ کا زمانہ نبوت و رسالت گزشتہ پیغمبروں کے بعد ہے۔ لیکن اس سے انبیائے سابق کو آپ ﷺ پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے۔ وہ گویا ہلکی بارش کی مانند آئے۔ اور اپنے بعد نفع بخش موسلا دھار بارش [بعثت محمدی] کی آمد کی خوش خبری دے کر چل بے۔

چنانچہ نعمت میں کہا گیا ہے۔

ختم پیغمبران بخش لقی

آسمیہ رحمت ، احمد عربی

انبیاء مردہ سخ دیدارش

ہر دو گیتی بجاں خریدارش

شِعْر ۵۱

**بَطَلٌ وَحِيدٌ لَا تَطِيشُ سِهَامَة
ذُو مُصْمِيَاتٍ مُوْبِقُ الشَّيْطَانِ**

بَطَلٌ: الشُّجَاعُ . بَطَالَة اور بُطُولَة کے معنی میں دلیر ہونا۔ بہادر ہونا [بابِ کرُم] اس سے صفت بنتا ہے بَطَلٌ یعنی بہادر [چَابَطَال اور مَوْنَث بَطَلَة جَبَطَلَات] -

وَحِيدٌ: وَحَدَ يَحْدُو وَحْدًا . اکیلا ہونا۔ اس سے صفت بنتا ہے -

وَحِيدٌ یعنی اکیلا

لَا تَطِيشُ: طَاش يَطِيشُ طِيشًا - تیر کا نشانہ پر نہ گلنا خطا ہونا۔
لَا تَطِيشُ - خطا نہیں ہوتے ہیں -

سِهَامَة: سَهْمٌ - قرعہ اندازی میں استعمال ہونے والا تیر۔ تیر۔ اس کی جمع ہے سِهَامُ اور سِهَامَة۔ اس کے تیر۔ سِهَام غیر ذوقی العقول کی جمع ہے۔ اس نے فعل لَا تَطِيشُ واحد مَوْنَث ہے -

ذُو مُصْمِيَاتٍ: صَمْلٰی یَصْمِلٰی صَمْلٰیا [ضَرَبٌ] صَمْلٰی الصَّيْدُ. مَات وَأَنْتَ تَرَاهُ . شکار کا تیرے (شکاری) کے سامنے مر جانا۔ اس سے بابِ افعال میں اِصْمَاء مُدر آتا ہے۔ اَصْمَى الصَّيْدُ. رَمَاهَ فَقَتَلَهُ مَكَانَهَ وَهُوَ يَرَاهُ - یعنی شکاری کا شکار پر تیر چلانا اس کا اس کی جگہ مارڈانا اور اس کا اسے دیکھتے رہنا۔ [اقرب (۱) ۲۶۳]

اس سے اسم فاعل بنتا ہے مُصْمِيَة۔ اس کی جمع ہے مُصْمِيَات : وہ تیر جو

شکار پر لگتے ہیں اور اسے اس کی جگہ پر ہی ہلاک کر دالتے ہیں۔ **ذو مُضْمِيَّاتِ**: ایسے تیروں والا۔ **مُوبِقٌ**: وَبَقَ يَقِنُ وَبَقَا [ضرب / حِسْبَ]: ہلک یعنی ہلاک ہونا، مرننا۔ اس سے او بق [بابِ افعالِ ایسا] بنتا ہے۔ ہلاک۔ ہلاک کرنا۔ مار دانا۔ اس سے اسم فاعل بنتا ہے مُوبِق۔ ہلاک کرنے والا۔ **مُوبِقٌ الشَّيْطَانُ**: شیطان کو ہلاک کرنے والا۔

ترجمہ:- آپ وہ بہادر ہیں جن کے تیر کبھی خطا نہیں ہوتے، آپ ایسے تیروں کے مالک ہیں جن سے شکار فوراً اپنی جگہ ہی ہلاک ہو جاتے ہیں۔ آپ شیطان کو ہلاک کرنے والے ہیں۔

تشریح:- حضرت مرزا صاحب ایک فارسی نعتیہ قصیدہ میں فرماتے ہیں:-

پہلوان حضرت رب جلیل برمیاں بستہ زشوکت خخبرے
تیر او تیزی بہرا میدان نمود تنع او ہر جانموده جوھرے
کرد ثابت بر جہاں بخز بتاں وانموده زور آں یک قادرے
تاماند بے خبر از زور حق بت پرست و بت گرے
ان سب اشعار میں حضرت نبی اکرمؐ کی روحانی شجاعت و ہمت اور شیطان
کے ساتھ معرکہ آرائی کا ذکر ہے۔ آپ ہر معرکے میں کامیاب و کامران مظفر اور
منصور ہیں۔

حضرت غوث الاعظم محی الدین شیخ سید عبدالقدار جیلانی (۵۷۱-۱۰۷۸ھ)
(۱۱۶۱ء) ایسی بھی رزم آرائیوں کے متعلق فرماتے ہیں۔

مُرِيدٍ لَا تَخْفُ وَأَشِ فَإِنِي
عَزُومٌ قَاتَّا عَنْ الْقَتَّا

اے میرے مرید! باتیں بنائے والے (مخالف سے) امت ڈر میں سخت عزم کرنے والا، اور جنگ کے وقت بڑا ہلاک کرنے والا ہوں۔

اور خود حضرت مرزا صاحب اپنے مخالف سے فرماتے ہیں

وَإِنْ حَرْبٌ فَحَرْبٌ مِثْلُ نَارٍ

وَإِنْ سِلْمٌ فَسِلْمٌ كَالْزَلَالِ

اے مخالف! اگر مجھے تیرے ساتھ جنگ ہی لڑنی ہے تو میں آگ جیسی جنگ لڑوں گا۔ اور آگ صلح رکھنی ہے تو آپ زلال جیسی صلح ہو گی

اپنی ایک اور تصنیف ”راز حقیقت“ میں حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں:-

(۱) خدا تعالیٰ نے ہمارے سید و مولیٰ نبی آخر الزمان کو جو سید المتقین تھے انواع و اقسام کی تاسید دات سے مظفر اور منصور کیا..... [ص ۳]

(۲) ہمارے سید و مولیٰ نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیسے کمزوری کی حالت میں مکہ میں ظاہر ہوئے تھے اور ان دنوں میں ابو جہل وغیرہ کفار کا کیا کچھ عروج تھا۔ اور لاکھوں آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جانی دشمن ہو گئے تھے۔ تو پھر کیا چیز تھی جس نے انجام کار ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح اور ظفر بخشی۔ یقیناً سمجھو کر بھی راستہ بازی اور صدق اور پاک ظنی اور سچائی تھی۔” [ص ۲-۳]

آپ نے ایک موقعہ پر فرمایا:-

آپ ہر میدان میں مظفر و منصور ہوئے۔ آپ کے دشمن آپ پر کبھی قابو اور غلبہ نہ پاسکے۔ اور آپ کے سامنے ہی ہلاک ہوئے۔

[طفوٰنات۔ مندرجہ الحکم ۱۹۰۲ء شان ۲۲۲-۲۲۵]

شِعْر.....۵۲

هُوَ جَنَّةٌ إِنِّي أَرُى اثْمَارَهُ
وَ قُطُوفَهُ قَدْ ذُلِّلْتُ لِجَنَانِي

جَنَّةٌ: - جَنَّ [بَابُ نَصَرٍ] دُهانِپ لینا، چھپانا۔ اسی سے ہے۔

جَنَّةٌ: (۱) باغ۔ [کیونکہ اس کی زمین درختوں سے چھپی رہتی ہے] (۲)

بہشت [کیونکہ یہ جسمانی آنکھ یا ظاہری حواس سے پوشیدہ ہے] **هُوَ جَنَّةٌ**: وہ جنت ہے اِنِّي = اِنَّ + اِی = ان حرف مشہب بالفعل ہے۔ اس کے معنی میں بے شک،

یقیناً، ضرور "اِی"، ضمیر واحد متکلم۔ پس اِنِّی: بے شک میں [یقیناً میں]

أَرَى: رَأَى يَرَى رُؤْيَا [بَابُ فَتَحٍ] = آنکھ سے دیکھنا (۲) دل یا عقل

سے دیکھنا (۳) تخيّل یا تفکر سے دیکھنا، اسی سے مضارع واحد متکلم بنتا ہے **أَرَى** = میں دیکھتا ہوں۔ اِنِّی **أَرَى**۔ یقیناً میں دیکھتا ہوں۔

اثْمَارَهَا = ثَمَرَةٌ۔ ایک پھل، ایک میوه۔ **ثَمَرٌ** = پھل، میوه اس کی جمع

ثِمَارٌ انواع و اقسام کے پھل، میوے، مال، عمدہ چیزیں۔ پھر جمع الجمع ہے **اثْمَارٌ**۔

اثْمَارَهَا = اس [جنت] کے انواع و اقسام کے میوے۔

قُطُوفَهُ = قَطَفَ [صَرَبٌ] قَطَفَ۔ چھیلنا۔ خراش پیدا کرنا اور

اقْتَطَفَ الشَّمَرَ۔ پھل چھنا۔ الشَّمَرُ عَ = چیز اچک لینا۔ مَعْسَلَةٌ۔ چھتے سے شہد نکالنا۔ **الْقَطْفُ** = (۱) خراش [ج قُطُوقٌ] **الْقَطْفُ** = (۱) پھنے ہوئے پھل

(۲) انگور کا گھچا جب چنا جائے۔ [ج قِطَافٌ] **قُطُوقٌ**

ضرور آیا ہے، تمہارے پاس۔

ذلک = ذل [ضرب] ذلّا و ذلّة و ذلّالَة و مذلّة: ذلیل ہونا، خوار ہونا۔ آسانی سے تابع ہونا۔ اس سے ہیں ذلّه [تفعیل] اذلّه [افعال] اور استذلّه [استفعال]: ذلیل کرنا، ذلیل پانا، ذلیل ساتھیوں والا ہونا۔ اور باب تفعیل سے مجبول کا صیغہ ذلّل میوه [خصوصاً انگور] کے گچے کے لٹکایا جانے کے لئے آتا ہے۔ اس سے ماضی واحد مؤنث کا صیغہ ہے ذلّلت۔ قرآن شریف میں ہے:- ذلّلت قطُّوْ فُهَا تَذْلِيلٌ (الدرہ ۲۷:۱۳)

”اس کے پھل سہولت سے میرانے والے بنائے گئے“

لِجَنَانِي = لِ حرف جر، یہاں موافقۃ الی کیلئے ہے۔ پس لِجَنَانِي سے مراد الی الجَنَانِی ہے۔ یعنی میرے دل کے قریب“ میرے دل کے پاس۔ ترجمہ:- وہ [پیارے نبی] جنت ہیں۔ میں آپ کے پھل اور گچے میرے دل کے پاس لٹکائے ہوئے دیکھا ہوں۔

تشریح:- درخت بہت نفع بخش چیز ہے۔ یہ ”میوه“ پیدا کرتا ہے جو بہت مفید ہے مذہبی کتابوں میں کئی چیزوں کو درختوں سے اسی لئے تشبیہ دی جاتی ہے۔ مثلاً قرآن شریف میں اسلام کو شجرۃ المُبارکہ [باب رکت درخت ۳۵/۲۲] اور دشمنان حق کے لئے الشَّجَرَةُ الْمَلُوْنَةُ [ملعون درخت ۲۰/۱۷] کہا گیا ہے۔ ناپاک بات یا بدی کو شجرۃ خبیثہ [گندہ درخت] اور اچھی بات، نیکی یا حق کو کلمۃ طَیِّبَةً [پاکیزہ درخت ۲۶/۲۳] سے تشبیہ دی گئی ہے۔ انہیں میں کہا گیا ہے:-

”ہر ایک اچھا درخت اچھا پھل لاتا ہے اور برادرخت بر اچھا پھل لاتا ہے۔ اچھا درخت بر اچھل نہیں لاسکتا۔ نہ بر اور خست اچھا پھل لاسکتا ہے۔“ متی باب (۷) ۱۷، ۱۸۔

”اور درخت پھل ہی سے پچانا جاتا ہے۔“ [متی باب (۱۲): ۳۳]

پس نیک اور فیض رسائی بزرگ کو ایک بار آور درخت کہہ سکتے ہیں۔ لیکن حضرت ناظم قصیدہ جناب مرزا صاحب اپنے مددوح گواہ کو ایک بار آور درخت نہیں بلکہ بار آور درختوں کا مجموعہ یعنی جنت کہتے ہیں۔

آپ نے یہ صرف خوش اعتقادی سے نہیں بلکہ ذاتی اور عملی تجربہ کی محکم اساس پر فرمایا ہے۔ چنانچہ اپنی مشہور عربی تصنیف حمامۃ البشری میں فرماتے ہیں:-

وَفَوْضَنِي رَبِّي إِلَى رَوْضِ فَيُضِبِّهِ
وَإِنِّي بِهِ أَجْنِيُّ الْجَنِيْ وَأَنْضُرُ

اور میرے رب نے مجھے حضرت نبی خاتمؐ کے فیض کے باعث کے سپرد کیا۔ اور میں اس سے پھل پھول چلتا ہوں اور ہمیشہ تروتازہ ہوں۔

ایک اور تصنیف ”انجام آئھم“ میں فرماتے ہیں:

رُبِّيْثُ مِنْ دَرِ النَّبِيِّ وَعَيْنِهِ
أَغْطِيْثُ نُورًا مِنْ سِرَاجِ حِرَاءِ

میری پروردش حضرت نبی خاتمؐ کے دودھ اور آپ کے ہی چشمہ صافی کے پانی سے ہوئی۔ اور مجھے حراء کے چراگ سے نور عطا ہوا۔

حضرت رسول خاتمؐ کے میوے عاشق کے دل کے قریب اور سہولیت سے میر آنے والے بنائے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وَأَرْلَفَتِ الْجَنَّةُ**

لِلْمُمْتَقِيْنَ [الشعراء (۲۲): ۱۹۰]

”اور جنت متقیوں کے لئے قریب کی گئی ہے۔“ گویا حضرت رسول کریمؐ کے سچے عاشق کا یہی حال ہوتا ہے۔ اور حضرت مرزا صاحب عشق کامل، اتباع کامل اور تائید ایزدی سے ہمیشہ فیوض احمدی سے بہرہ وور ہے۔ چنانچہ آپ خود فرماتے ہیں:

وَاللّٰهُ هٰذَا كُلُّهُ مِنْ مُحَمَّدٍ
وَيَعْلَمُ رَبُّنَا إِنَّهٗ كَانَ مُرْشِداً
اور اللہ کی قسم! یہ سب کچھ حضرت محمد رسول اللہ کے خرمن فیض سے ہی ہے۔ اور
میرا رب جانتا ہے کہ وہی [رسول خاتم] میر امر شد ہے۔
یعنی

دگر استاد را نامے ندام
کہ خواندم در دبتان محمد
چنانچہ جناب مرزا صاحب کا ایک مشہور الہام بھی ہے:-
كُلُّ بَرَكَةٍ مِنْ مُحَمَّدٍ فَتَبَارَكَ مَنْ عَلِمَ وَتَعْلَمَ.
ہر برکت حضرت محمد مصطفیٰ سے ہے۔ پس مبارک ہے وہ جس نے سکھایا اور
جس نے سیکھا۔

شعر..... ۵۳۔

**الْفَيْتَةُ بِحَرَّ الْحَقَائِقِ وَالْهُدَى
وَرَأْيَتُهُ كَالَّذِرِ فِي الْلَّمْعَانِ**

**الفیتہ۔ الفاء۔ پانا۔ اس سے الفیت [ماضی واحد متكلم] میں نے پایا۔
الفیتہ۔ میں نے اس کو پایا۔**

الْحَقَائِقُ: حق [واحد سچائی۔ یقین، انصاف۔ ثابت شدہ۔ نصیب مال
فیصل شدہ امر۔ موت [حق حقوق] حقيقة = وہ چیز جس کی حمایت اور حفاظت کرنا
واجب ہے۔ اس کی جمع ہے حقائق۔

الْهُدَى: وہ ہدایت جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو۔

رَأْيَتُهُ: میں نے دیکھا اس کو

كَالَّذِرِ: ذرہ ایک بڑا موتی۔ الذر۔ بڑے بڑے موتی کالذر۔ بڑے
موتیوں کی طرح۔

الْلَّمْعَانُ. لمع [فعل لمعاناً و لمعاً و لموعاً بجل و غيره کا چمکنا۔
اللمعان۔ چمک۔ دمک۔ آب۔

ترجمہ: میں نے آپ کو حفائق و ہدایت کا سمندر پایا۔ اور آپ کو دیکھا کہ
آپ چمک اور آب و تاب میں بڑے موتیوں کی مانند ہیں۔

تشریح: اس شعر میں ناظم قصیدہ حضرت مرزا صاحب اپنے مددوح
حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم و عرفان کا ذکر کرتے ہیں۔ آپ اپنی
معرکہ آرائیں ایک طفیل "آئینہ کمالات اسلام" [عربی حصہ] میں فرماتے ہیں:-

إِنَّ اللَّهَ افْتَسَحَ وَحْيَةٌ مِّنْ آدَمَ وَخَتَمَ عَلَى نَبِيٍّ كَانَ مِنْكُمْ
وَمِنْ أَرْضِكُمْ وَطَنًا وَمَاوِيًّا وَمَوْلِدًا۔ [أے علماء عرب!] اللَّهُعَالَیُّ نَے
وَهِيَ نِبْوَتُ کَا آغاَز حَضْرَت آدَم سے کیا۔ اور اس کو ایک بلند شان نبی پر ختم کیا۔ جو تم
میں سے اور تمہارے ملک میں سے تھا، وطن، ماوی اور جائے پیدائش کے لحاظ سے،
وَمَا أَدْرِكُمْ مَنْ ذَالِكَ النَّبِيُّ مُحَمَّدُ ذُالْمُصْطَفَىٰ سَيِّدُ
الْأَصْفَيَاءِ وَفَخْرُ الْأَنْبِيَاءِ وَخَاتَمُ الرُّسُلِ وَإِمَامُ الْوَرَىٰ۔ اور تم لوگوں
کو اس بلند مرتبہ نبی، محمد مصطفیٰ، سید الاصفیاء، فخر الانبیاء، خاتم الرسل اور امام الوریٰ کی
شان کا علم ہی نہیں۔ قَدْ ثَبَّتَ إِحْسَانَهُ عَلَىٰ كُلَّ مَنْ دَبَّ عَلَىٰ رِجْلَيْنِ
وَمَسْهِيٍّ۔ آپ کا احسان ہر اس جاندار پر ہے جو دوناں گنوں پر چلتا پھرتا ہے۔ یعنی ہر
ایک انسان آپ کے منت و احسان کے بوجھ کے نیچے ہے۔ وَقَدْ أَذْرَكَ
وَحْيَةً كُلَّ فَائِتٍ مِّنْ رَمْوُزٍ وَمَعَانٍ وَنِكَاتٍ عَلَىٰ اور آپ کی وہی نے
پالئے ہیں وہ سب رموز، معانی اور نکات عالیہ جو آپ سے پہلے نبیوں کی وحیوں
میں نہیں تھے۔ وَأَحْيَادِيْنَهُ كُلَّ مَا كَانَ مَيْتًا مِنْ مَعَارِفِ الْحَقِّ وَسُنَّتِ
الْهُدَىٰ۔ اور آپ کے دین نے وہ سب معارف حق اور سنن ہدیٰ زندہ کئے، جو
مرچکے تھے، [۳۲۰]

اپنے ایک مشہور فارسی نعتیہ قصیدے میں فرماتے ہیں:-

بریش جاری ز حکمت چشمہ
در دلش پر از معارف کوثرے
آمنی و در علم و حکمت بے نظیر
زیں چہ باشد جتنے روشن ترے
اپنی مشہور تصنیف ”کرامات الصادقین“ میں فرماتے ہیں

وَإِنَّا لَجَاءَنَا فِي عَطَائِكَ رَاغِبًا
وَمَنْ جَاءَ بَابَكَ سَائِلًا لَا يُشَرِّبُ

[اے ہمارے داتا۔ اے ہمارے شفیق نبی!] ہم آپ کے جود و عطا کی رغبت رکھتے ہوئے [آپ کے باب کرم پر سوالی بن کر] آئے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ جو آپ کے دروازے پر بھکاری بنتا ہے اس کوڈا نہیں جاتا ہے۔ اس کو ضرور دیا جاتا ہے۔

سرزا وار فیض در مصطفیٰ ہے

سوالی کا دست سوال اللہ اللہ (بال عند عرش ملیانی)
موتیوں کی چمک نہ صرف بنے نظیر، قدرتی اور تیز ہوتی ہے بلکہ [پا کیزگی اور
حسن میں بھی بے مثال ہوتی ہے اسی لئے قرآن مجید میں بہتی بچوں کو موتیوں سے
تشیید دی گئی ہے] الطور (۵۲)، الدھر (۷) آیت [۱۹]

حضرت مرزا صاحب کوئی بار کشوف و روایا میں حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی اور آپ نے آپ کے مقدس چہرے پر جو بنے نظیر لمعان دیکھا، اسی کا ذکر فرمایا۔ وَرَأَيْتُهُ كَالدُّرِّ فِي الْمُعَانِ

شعر..... ۵۲

قَدْ مَاتَ عِيسَىٰ مُطْرِقاً وَ نَبِيًّا
حَتَّىٰ وَ رَبِّيْ إِنَّهُ وَ أَفَانِيْ

قدماں: یقیناً مرچکا ہے۔

مُطْرِقاً، أَطْرَقَ = (۱) خاموش رہنا۔ بات نہ کرنا۔ (۲) آنکھیں زمین کی طرف پھیر کر دیکھنا (۳) مائل ہونا۔ (۴) سرجھانا (۵) ایک دوسرے کے پیچھے چلنا۔
[اقرب / منجد / مصباح]

وَأَفَانِيْ: وَافِي مُوَافَةً (۱) پورا حق دینا۔ (۲) آنا (۳) اچانک آنا
وَأَفَانِيْ = (۱) وہ میرے پاس آیا۔ وہ میرے پاس اچانک آیا۔ (۲) اس نے مجھے میرا پورا حق دیدیا۔ وَ = یہ واقعہ ہے۔ وَرَبِّيْ - قسم میرے رب کی
ترجمہ:- بے شک جناب عیسیٰ بن مریم (پہلے انیاء کرام کے پیچھے) چلتے ہوئے وفات پا چکے ہیں۔ اور ہمارا نبی صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہے۔ میرے رب کی قسم! آپ نے میرا حق پورا دا کیا۔ مجھے شرف ملاقات بخشا۔

تشرییم:- حضرت عیسیٰ بن مریم اللہ تعالیٰ کے ایک بزرگ زیدہ نبی اور اولوالعزم رسول تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو صرف بنی اسرائیل کے لئے رسول بنا کر بھیجا تھا [ال عمران: ۳، ۴۹، القف: ۶۱]۔ انخلیل میں بھی ہے:-

”اس [یعنی مسیح] نے جواب میں کہا کہ میں صرف اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا [انخلیل متی: ۱۵/ ۲۲]۔ آپ نے اپنے شاگردوں کو بھی نصیحت کی:-

”غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کئی شہر میں داخل نہ ہونا۔ بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا۔“ [۱/۵-۶]

لیکن ایک یہودی، جو پہلے حضرت عیسیٰ اور آپ کے دین توحید کا زبردست مخالف تھا، بعد میں عیسائی بن گیا۔ اس کا نام صال Saul تھا۔ اسی شخص نے عیسائیت کی اصل تعلیم کو بدل دیا۔ اور اس کو آفاقتی مذہب بنانے کے لئے دور و دراز سفر کئے۔ اہل روم میں عیسائیت کو مقبول بنانے کے لئے اس نے پرانے مشرکین کے وہ عقاید اس دین توحید میں داخل کئے جو اس وقت ایران سے روم تک سارے علاقوں میں مقبول تھے۔ [المائدہ: ۷/۱۵]

ان میں اہم عقاید یہ تھے:-

(۱) نجات دہندہ ۲۵۔ دسمبر کو پیدا ہوتا ہے۔

(۲) وہ کنواری کے لطف سے پیدا ہوتا ہے۔

(۳) لوگوں کا کفارہ بننے کے لئے وہ مصلوب ہو جاتا ہے۔

(۴) وہ دوبارہ جی انھکر آسمان پر اٹھایا جاتا ہے۔

(۵) ضرورت کے وقت آسمان سے نازل ہوتا ہے

یہ قدیم مشرکین کے عقاید اب عیسائیت کے اہم عقاید بن گئے ہیں۔ اور عیسائیت قبول کرنے کے بعد صال نے اپنا نام بھی بدل کر پال (Paul) رکھا۔ اردو انجیلوں میں اسے ”پوس“، لکھا گیا ہے پس موجودہ عیسائیت کو اگر پولویت کہا جائے تو مبالغہ یا ناطق نہیں ہو گا۔

پوس کو بتاریخ ۲۹ جون ۷۲ء میں قتل کیا گیا۔

حضرت رسول کریمؐ کے مبارک عہد [۱/۵-۶] کے بعد بے شمار عیسائی دائرہ اسلام میں آگئے۔ بد قسمتی سے وہ اپنے ساتھ پالوی عقاید بھی لائے۔ اس کا

نتیجہ یہی تکاک

مسلمان بھی مانتے ہیں کہ عیسیٰ بن مریم قریباً دو ہزار سال سے آسمان پر
بحمد خاکی زندہ ہیں۔ اور آخری وقت میں آ کر مسلمانوں کو راہ راست دکھائیں
گے۔ سوروں کو قتل کریں گے۔ دجال کو شکست دیں گے وغیرہ وغیرہ کام انجام
دیں گے۔ پھر لاکھوں سال کی عمر میں شادی بھی کریں گے۔ بچے بھی ہوں
گے۔“

حیات مسح کا یہ پالوی عقیدہ مسلمانوں کے دل و دماغ پر اسی طرح چھا گیا ہے
کہ نہ ان کو عقل سلیم کا فیصلہ منظور ہے۔ نہ تاریخ کا لحاظ ہے نہ ختم نبوت کا فکر، نہ
جناب رسول کریمؐ کے فضائل کا خیال ہے نہ قرآن کریم کا پاس ہے۔

عقل سلیم کے مطابق یہ ایک بد یہی حقیقت ہے کہ جناب عیسیٰ یا کوئی اور بشر
ہزاروں سال تک الآن کما کان زندہ نہیں رہ سکتا۔ چونکہ یہ بد یہی حقیقت ہے اس
لئے اس کے اثبات کے لئے کسی دلیل کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اس کے باوجود
قرآن کریم فرماتا ہے:-

[۱] مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ

ط.....[الائدہ ۵/۷۵]

مسح ابن مریم صرف ایک رسول ہے۔ اور اس سے پہلے بھی رسول گزر چکے۔

[۲] وَمَا مَحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ط.....[آل عمران

(۳) [۱۳۳]

اور محمد ایک رسول ہی ہے۔ اس سے پہلے (سب) رسول مر چکے ہیں
اگر صرف انہی دو آیات پر تدبیر کیا جائے تو مدبر انسان کا ضمیر بول اٹھے گا۔

ابن مریم مرگیا ، حق کی قسم
داخل جنت ہوا وہ محترم

یہ بھی ناقابل تردید حقیقت ہے کہ نزول قرآن سے پیش تر، عیسائیوں میں شرک راجح ہو چکا تھا۔ وہ حضرت عیسیٰ کو ”ابن اللہ“، قرار دے چکے تھے۔ اور قرآن مجید میں اس مشرکانہ عقیدے کی تردید کی گئی [التوہبہ ۳۰/۹] اور عیسائی اس کو الوجہت میں شریک مانتے تھے۔ اب اللہ تبارک و تعالیٰ کا فیصلہ بھی سننے۔ فرماتا ہے:- وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلِقُونَ ۝ اور وہ، جنہیں یہ [مشرک لوگ] اللہ کے سوائے پکارتے ہیں۔ وہ کوئی چیز پیدا نہیں کرتے اور وہ خود پیدا کئے گئے ہیں۔

أَمْوَاثٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ وَمَا يَشْعُرُونَ آیاً نَبْعَثُونَ ۝ یہ مردے ہیں۔ زندے نہیں ہیں۔ اور وہ نہیں جانتے کہ کب اٹھائے جائیں گے، [الخل ۱۲: ۲۰-۲۱] اس ارشاد دربانی سے ظاہر ہے کہ جن بزرگوں کو اللہ کے سوائے معبد بنایا گیا تھا وہ سب أَمْوَاثٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ ہیں۔ اور حضرت عیسیٰ کو بھی معبد بنایا گیا۔ اس لئے نزول قرآن سے پہلے ہی وہ بھی أَمْوَاثٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ میں شامل ہو گئے تھے۔

عقل سليم والے علماء اب اس حقیقت کے قائل ہو گئے ہیں۔ جامع ازہر کے علماء کی طرف اس حقیقت کے اعتراض و اثبات کے لئے ایک فتویٰ بھی شائع ہوا۔ بر صغیر ہند اور عرب دنیا کے کئی علماء و فضلاء بھی اب عیسیٰ بن مریم کو آنحضرتی ہی سمجھتے ہیں۔

البته علماء کی بڑی کثرت لکیر کے نقیر بنے ہیں۔ وہ پالوی عقیدے کو ہی اسلام سمجھتے ہیں۔ لیکن ان کا حق میں حق گرنہ ہونا تجھ کی بات نہیں ہے۔

جو لائی ۱۹۶۹ءے میں امریکہ کے تین خلا باز [Collins, Armstrong, Aldrin] اور دنیا جہاں کے ذرائع ابلاغ سے اس حیرت انگیز خبر کو نشر کیا گیا۔ عالم و جاہل، غرض سب نے مان لیا لیکن سرینگر میں ایک بہت بڑے۔ بہت ہی بڑے، اپنے آپ کو سب سے بڑا مولوی، واعظ، عالم فاضل مناظر سمجھنے والے بزرگ نے خطہ جمعہ [۷ جمادی الاول ۱۴۲۹ھ] میں ہزاروں ”اہل ایمان“ سامعین و معتقدین کو بتا دیا۔ یہ خبریں جھوٹ ہیں۔ خدا کی قدرت کا مذاق اڑانا ہے کوئی شخص آسمان پر جانبیں سکتا کسی کے لئے آسمان کے دروازے کھولے نہیں جاتے۔ وہاں دروازوں پر فرشتے پھرہ دے رہے ہیں۔“ وغیرہ وغیرہ

ایک صاحب زیادہ ہی ستم ظریف نکلے۔ کہنے لگے:- یہ سب مرزاںی چالیں ہیں۔ مرزاںی دراصل اعلان کرنا چاہتے ہیں کہ سائنس دان چوتھے آسمان پر بھی گئے۔ اور وہاں کسی مسح و سع کو نہیں پایا.....

ایسے ”علماء و فضلاء“، چشم بد دور کو کس دلیل سے سمجھایا جا سکتا ہے؟ اللہ تبارک و تعالیٰ منکرین حق کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:-

وَإِنْ يَرَوْا كُلَّ أَيَّةٍ لَا يُؤْمِنُوا بِهَا ط

اور اگر یہ لوگ سارے نشان بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں پھر بھی پر ایمان نہیں لائیں گے ط [الانعام ۶۰، الاعتراف ۷۶]

چشم بد دور۔ ایسے گرامی قدر علماء و فضلاء کی حالت دیکھ کر ان آیات کریمہ کی حقانیت و صداقت سمجھ آتی ہے۔

حضرت مرزا صاحب اپنے اس شعر میں لوگوں کو سمجھا رہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم اپنے سے پہلے آئے ہوئے رسولوں کے نقش قدم پر چل کر، ان کی اتباع کرتے

ہوئے چل بے۔ وہ جسمانی طور وفات پا گئے۔ اللہ تعالیٰ کے دربار میں اٹھائے گئے جس طرح دوسرے بزرگ اٹھا گئے۔ اس لئے دوبارہ نزول اور ان کی جسمانی طور آمد کا انتظار کرنا غلط اور خلاف سنت الہی ہے۔

روحانی طور وہ ضرور دوسرے بزرگوں کی طرح زندہ ہیں۔ لیکن دنیا کی رہنمائی۔ دوسروں تک فیض رسانی کا کام ان کے پسند نہیں ہے۔ یہ کام صرف ہمارے سید و مولیٰ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذمہ ہیں۔ افاضہ فیض کے لئے جس قوت و توانائی اور جس زندگی کی ضرورت ہے وہ صرف ہمارے ہی نبیؐ کو حاصل ہے۔ اس لئے حقیقی زندگی آپؐ کو ہی حاصل ہے۔ آپؐ ہی حقیقی معنوں میں ”زندہ“ ہیں۔

اس حقیقی زندگی کا ثبوت یہ بھی ہے کہ آپؐ نے اتنا عرصہ گذرانے کے باوجود اپنے حقیر غلام کو فیوض سے بہرہ ور کیا۔ اسے مردہ پا کر زندہ کیا۔ چنانچہ ایک نظم میں حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں:-

ہست او خیرالرسل ، خیرالانام
ہر نبوت را بر و شد اختتم
ما از و نوشیم ہر آبے کہ ہست
زو شده سیراب سیرابے کہ ہست
ما از و یا نیم ہر نور و کمال
وصل دلدار ازل بے او محال
ساتیؐ من ہست آن جاں پرورے
ہر زماں مستم کنداز ساغرے

شِعْر..... ۵۵

وَاللَّهُ إِنِّي قَدْ رَأَيْتُ جَمَالَهُ
بِعُيُونِ جِسْمِي قَاعِدًا بِمَكَانِي

قدْرَأَيْتُ: یقیناً میں نے دیکھا بِعُيُونِ جِسْمِي میرے جسم کی آنکھوں سے، جسمانی آنکھوں۔ یہ دولفظ تاکید کے علاوہ واقعہ کشف کی صفائی اور صاحب کشف کی روحانی طاقت ظاہر کرتے ہیں۔

قَاعِدًا: بیٹھے ہوئے۔ یہ لفظ صاحب کشف کا حال ظاہر کرتا ہے۔
بِمَكَانِي: کَانَ يَكُونُ كَوْنَا [نَصَرَ يَنْصُرُ] سے اسم ظرف بتاتا ہے۔ مکان اور اس کے معنی ہیں: جگہ۔ مقام۔ قیامگاہ مرتبہ۔ ارادہ۔ نیت۔ یہاں مراد قیامگاہ یا گھر ہے۔

مَكَانِي: میرا گھر، میرا مکان۔ میری قیامگاہ۔ میرا مرتبہ۔

بِمَكَانِي: میرے گھر پر، میری قیامگاہ پر۔

ترجمہ: اللہ کی قسم! میں نے حضرت نبی کریمؐ کے جمال جہاں آرا کو، اپنی جسمانی آنکھوں سے، اپنی قیامگاہ پر بیٹھ کر دیکھا ہے۔

تشریح: اس شعر میں ایک روحانی واقعہ کا ذکر ہے۔

حضرت مرزا صاحب نے اس کا ذکر عربی وغیرہ عربی اور نظم و نثر میں کیا ہے۔ ہم یہاں پر صرف ایک فارسی نعت کے چند اشعار نقل کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

یا رسول اللہ برویت عہد دارم استوار

عشق تو دارم ازاں روزے کے بودم شیر خوار

ہر قدم کا ندر جناب حضرت پنچوں زدم
 دید مت پنهان معین وحای و نصرت شعار
 در ذو عالم نسبتے دارم بتو از بس بزرگ
 پر ورش دادی، مرا خود، ہچھو طفلي در کنار
 یاد کن وقتکیه در کشم نمودی شکل خویش
 یاد کن ہم وقت دیگر کا مدی مشتاق وار
 یاد کن آں لطف و رحمتہا کہ بامن داشتی
 وال بشارتہا کہ مے دادی مرا از کرد گار
 یاد کن وقتکیه نمودی به بیداری مرا
 آں جمالے آں رخے آں صورت رشک بہار

[آنکنہ کمالات اسلام]

غرض

بر سر وجد است دل تادید روئے او بخواب
 اے برآں روئے ورسش جان ودل ورویم ثار
 ان واقعات میں، دراصل ہادی اعظم حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
 اپنے جانشین مجدد اسلام کی مدد اور تعلیم و تربیت کرتے ہیں۔ مثلاً حضرت غوث الاعظہم
 نے خواب میں حضور نبی کریمؐ کی ملاقات کا شرف پایا۔ حضورؐ نے آپ سے فرمایا:-
 یا بُنَّیْ لِمَ لَا تُكَلِّمُ۔ اے فرزند عزیز! لوگوں کے سامنے وعظ و نصیحت کیوں نہیں
 کرتے ہو، حضرت شیخ نے عرض کیا:- یا بامن مردے عجم بر فصحائے بغداد چگونے گویم
 اے والد محترم! میں ایک عجمی ہوں۔ بغداد کے فتح زبان علماء کے سامنے زبان کیسے
 کھول سکوں؟ حضرت نبی کریمؐ نے فرمایا: دہن بکشا، منہ کھلو! جب حضرت شیخ نے

منہ کھوا تو حضور نے اس میں سات بار دم کیا، پھر فرمایا: بر خلقِ خن گوئے۔“ لوگوں کے سامنے وعظ کر، اذعُ إلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمُؤْعَظَةِ الْحَسَنَةِ۔ لوگوں کو اپنے رب کی طرف حکمت اور اچھے وعظ کے ذریعہ بلا و“^(۱۳۱)

حضرت غوث العظیم ایک وعظ میں فرماتے ہیں:

لَا يَرِخُ بِقَلْبِهِ وَهَمَتِهِ مِنْ حَوْلِ قُلُوبِ الْقَوْمِ。 هُوَ الْمُطَيِّبُ وَالْمُبَخِّرُ لَهَا。 هُوَ الْمُصَفِّي لِأَسْرَارِهِمْ وَالْمُزَيِّنُ لَهَا۔ یعنی حضرت نبی کریمؐ اپنے دل مبارک اور ہمت عالیہ کے ذریعہ مردان خدا [مجد دین کرام] کے دلوں کے آس پاس ہوتے ہیں۔ آپؐ ہی ان کو خوشبو اور بخور سے معطر بناتے ہیں آپؐ ہی ان کے باطن کو صاف کرتے ہیں۔ آپؐ ہی ان کو زینت دینے والے ہیں۔ هُوَ الْمُسْتَفِحُ بَابَ الْقُرْبِ لَهَا آپؐ ہی ان مردان خدا پر اللہ تعالیٰ کے قرب کا دروازہ کھولنے والے ہیں۔ هُوَ الْمَاشِطَةُ۔ هُوَ السَّفِيرُ بَيْنَ الْقُلُوبِ وَالْأَسْرَارِ وَبَيْنَ رَبِّهَا عَزًّا وَجَلًّا۔

حضرت نبی کریمؐ ہی مردان خدا کو سنوارنے والے ہیں۔ آپ ان کے قلوب اور باطن اور ان کے رب کے درمیان سفیر ہیں۔^(۱۳۲) چنانچہ حضرت مرا صاحب آپ ﷺ کی اسی سفارت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

يادِ کن آں لطف و رحمت ہا کہ بامنِ داشتی
و آن بشارت ہا کہ مے وادی مرا ازا کر دگار

(۱۳۱) تحدیق دیریہ ۸۲، ۸۳ از حضرت شاہ ابوالمعالی لاہوری

(۱۳۲) الفتح الربانی جلس ۲۱۳

ایک ارو عنظ میں حضرت غوث الاعظم فرماتے ہیں:-
 إِذَا عَادَ يُتْمُونِيْ فَقَدْ عَادَ يُتْكُمْ فِي اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ وَرَسُولِهِ
 لَأَنِّي قَائِمٌ بِنُصْرَتِهِمَا.

[لوگو!] جب تم مجھ سے عداوت رکھو گے تو میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے دین کی حمایت کے لئے تمہیں عداوت کی سزا دوں گا۔ کیونکہ میں انہی دو [یعنی اللہ اور رسول کی نصرت سے کھڑا ہوا ہوں] (۱۳۳) اور حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں:-

ہر قدم کا ندر جناب حضرت پیچوں زدم
 دیدمت پہاں معین و حامی و نصرت شعار

شعر.....۵۶

**هَا إِنْ تَظَنَّيْتَ ابْنَ مَرْيَمَ عَائِشَا
فَعَلَيْكَ أَثْبَاتًا مِنَ الْبُرْهَان**

ہا: حرف تنبیہ۔ دیکھو، سن لو

تَظَنَّيْتَ: ظن [باب نَصَرَ] ظناً۔ جانا۔ یقین کرنا۔ گمان کرنا۔

تَظَنَّنَ وَتَظَنَّی: گمان کرنا۔ اس سے ماضی واحد مخاطب مذکور ہے۔

تَظَنَّيْتَ: تو نے گمان کیا۔ ان: (حروف شرط) اگر

ہا إِنْ تَظَنَّيْتَ: (اے مخاطب) دیکھو اگر تم نے گمان کیا، اگر تیرا گمان ہے۔ اگر تو خیال کرتا ہے۔ اگر تو اخیال ہے۔ اگر تو یقین کرتا ہے۔

ابْنَ مَرْيَمَ:۔ (حضرت) مریم کے بیٹے کو۔ حضرت مریم ایک نیک خاتون

تھیں [آل عمران ۳۷/۳۷] اللہ تعالیٰ اسے صدیقہ کہتا ہے [المائدہ ۵/۲۷] یہ صاحب الہام خاتون تھیں [آل عمران (۳): ۳۷-۳۸]

شادی سے پہلے ہی اس کو اللہ تعالیٰ کے طرف سے ایک فرزند کی بشارت دی گئی

[آل عمران ۲۲، ۳۷/۳۷، مریم ۱۹/۳۳] پھر جب وہ فرزندہ پیدا ہوا، اس کا نام ”یسوع“ رکھا گیا۔ یہ عبرانی لفظ ہے۔ اس کا معرب عیسیٰ ہے۔

حضرت عیسیٰ، اللہ تعالیٰ کا ایک مقرب بندہ اور اولوا العزم رسول تھے اور صرف

اپنی قوم یعنی بنی اسرائیل کی طرف بھیج گئے تھے۔ [آل عمران ۳/۳۹، صفحہ ۲۱/۱]

قرآن مجید نے ایک خاص اور اہم مقصد کے لئے ان کو والدہ محترمہ کے ساتھ منسوب کر کے عیسیٰ بن مریم یا مسیح ابن مریم یا خالی ابن مریم کہا۔ [التوبہ ۹/۳۱]

المومنون [٥٠/٥٧، الزخرف]

لیکن ماں کے ساتھ منسوب ہونا، بے پدری کی دلیل نہیں ہے۔ بے شار لوگوں کو ماں کے ساتھ منسوب کیا گیا ہے۔ مثلاً
 (۱) صحابہ کرام میں:-

(۱) ابن اُمّ عبد (۲) ابن اُمّ ایمن (۳) ابن اُمّ مکتوم (۴) ابن سمیہ (۵)
 ابن عفراء (۶) سہیل ابن بیهاء (۷) ابن ام انمار (۸) صفوان بن بیهاء (۹) سہل
 بن الحنظلیہ (۱۰) ابن اروی (۱۱) سعد بن خولہ۔

(۲) تابعین و اتباع تابعین وغیرہ میں:-

(۱) عبداللہ بن مالک بن بُحینہ (۲) جبیر بن بُحینہ
 (۳) شُرَحْبِيلُ بْنُ حَسَنَه (۴) محمد بن حنفیہ
 (۵) هُبَيرَه بْنُ مَرْيَمْ

پس بے پدری ثابت کرنے کے لئے کوئی اور دلیل ہونی چاہے۔ دیدہ باید
 عائشًا: عَاشَ يَعْيِشُ عَيْشًا [ضَرَبَ يَضْرِبُ] - زندہ رہنا اس
 سے اسم فاعل بنتا ہے عائش: زندہ، اچھی حالت میں رہنے والا۔ یہاں مفعول
 ہونے کی وجہ سے یہ منسوب عائشًا ہے۔

فَعَلَيْكَ - پھر تجھ پر ہے۔ یعنی تیرے ذمہ ہے بارثوت تجھ پر ہے۔
 اثباتاً: ثَبَتَ يَثْبُثُ ثَبَاتًا وَثُبُوتًا [نَصَرَ يَنْصُرُ] کسی بات کا ثابت
 ہونا۔ موکد ہونا۔ اس سے باب افعال میں مصدر اثبات بنتا ہے۔ اثبَتَ الْحَقَّ۔
 أَكَدَهُ بِالْبُيْنَةِ وَلَا لِكَ سَبَقَ ثَبَاتَ كَرَنَا، - [اترب (۱) ۸۵]

الْبُرُهَانِ: الْحُجَّةُ [اقرب جلد (۱) ص ۳۱] واضح دلیل۔ روشن دلیل۔
 ترجمہ:- سن لو [اے مخاطب] اگر تیرا مگان [خیال یا عقیدہ] ہے کہ حضرت

مریم کے فرزند ارجمند [جسم خاکی کے ساتھ] زندہ ہیں تو اس کو روشن دلائل سے ثابت کرنا تیری ذمہ داری ہے۔

تشریف: حضرت عیسیٰ بن مریم آسمان پر ضرور زندہ ہیں۔ جس طرح سب انبیاء و اولیا اور شہداء و صلحاء زندہ ہیں۔ جس طرح سب نیک بندگان الہی زندہ ہیں اور اللہ تعالیٰ سے روحانی رزق پاتے ہیں۔ لیکن جسمانی لحاظ یہ سب حضرات چل بے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب اکرم سے فرماتا ہے:-

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلُدُ ط

[اے حبیب اکرم!] ہم نے تجھ سے پہلے کسی انسان کے لئے خلد نہیں رکھا۔

[الاغیاء (۲۱) ع (۳) ۳۲]

خلد اور خلود کے معنی ہیں کسی چیز کا ہمیشہ اپنی حالت پر قائم رہنا اور بگڑنے سے بچنا۔ ہر انسان میں آہستہ آہستہ جسمانی تبدیلی آجائی ہے بچہ۔ جوان۔ اڈھیر۔ بوڑھا اور پھر میت بن جاتا ہے۔ یہیگلی کسی کے لئے نہیں پہن آدم، نوح، ابراہیم اور موسیٰ علیہم السلام کی طرح جناب عیسیٰ بھی جسمانی موت چکھ کر داخل جنت ہو چکے ہیں۔

اگر کسی کا گمان اس روشن حقیقت کے بر عکس ہے تو بار بثبوت اسی کے ذمہ ہے وہ اپنا خیال خام ثابت کرنے کے لئے دلائل لائے۔ یاد رہے قرآن مجید کی ایک ایک آیت کوہ ہمالیہ کی طرح ہے۔ روایتوں کے سنگ ریزوں اور خزف پاروں کو اس کے مقابل کھٹرا کرنا حماقت ہے۔

شعر ۵۷

اَفَأَنْتَ لَا قَيْتَ الْمُسِيْحَ بِيَقْظَةٍ
اوْ جَائَكَ الْاَنْبَاءُ مِنْ يَقْظَانٍ

لَا قَيْتَ لَا قَى لِقاءً [بَاب سَمِعٍ] - پاتا۔ ملاقات کرنا۔ اسی سے
ماضی واحد مذکور مخاطب بتا ہے: لاقیت: تو نے پایا۔ تو نے ملاقات کی۔ افانت
لاقیت۔ کیا تو نے ملاقات کی۔ کیا تو نے پایا۔ بِيَقْظَةٍ: يَقْظَ يَقْظَ يَقْظَ
[سَمِعَ يَسْمَعُ] جا گنا۔ بیدار ہونا۔ چوکنا ہونا۔ اس سے صفت مذکور بتا ہے
يَقْظَانٍ بیدار آدمی۔ اور يَقْظَةٍ [اسم]۔ بیداری۔
بِيَقْظَةٍ: بیداری کی حالت میں۔

مِنْ يَقْظَانٍ: کسی بیدار سے۔

الْاَنْبَاءُ .. نَبَأٌ خبر۔ اس کی جمع ہے: اَنْبَاءٌ خبریں

ترجمہ: - [حضرت مسیح ابن مریم کی جسمانی حیات کے قائل!] کیا تم نے
حالت بیداری حضرت مسیح کو دیکھ پایا ہے۔ ان سے ملاقات کی ہے؟ یا کسی بیدار
آدمی سے تمہیں اس کی جسمانی زندگی کی خبریں ملی ہیں؟

تشریح: حضرت مسیح ابن مریم روحانی لحاظ سے دوسرے بزرگوں کی طرح
ضرور زندہ ہیں اور آسمان پر ہیں۔ لیکن بحمد عصری نہیں۔ نہ کسی انسان نے ان کو
بحمد عصری دیکھا نہ کسی ”بیدار“ شخص نے اس کے بجسم خاکی زندہ ہونے کی خبر دی۔
صرف پولوی عقاید پر مبنی باتیں ہیں۔ جن کا مشاہدہ سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔

شعر..... ۵۸.....

**اُنْظِرْ إِلَى الْقُرْآنِ كَيْفَ يُبَيِّنُ
أَفَأَنْتَ تُعَرِّضُ عَنْ هُدَى الرَّحْمَنِ**

بَيْبَيْنُ : بَانَ يَبِينُ بَيْنَا [ضرَبَ] الشَّيْءَ عَنِ الشَّيْءِ =
إِنْقَطَعَ عَنْهُ = جَدَاهُونَا، (۲) تَبَيَّنَا وَتَبَيَّنَا = اِتَّضَحَ = وَاضَّحَ هُونَا۔ ظاہر ہونا
باب تفعیل میں مصدر تَبَيَّنَ بنتا ہے۔ اور اس کے معنی ہیں: واضح ہونا (۲) واضح
کرنا۔ اس سے مفارع واحد مذکور غائب بَيْبَيْنُ: واضح کرتا ہے۔ [اتر ب جلد (۱) ص ۱۷]
تُعَرِّضُ :- عَرَضَ يَعْرِضُ عَرْضًا [ضرَبَ] (۱) پیش کرنا دکھانا
(۲) ظاہر ہونا (۳) ہمیشہ نہ رہنا۔ باب افعال اغراض بنتا ہے۔
أَعْرَضَ عَنْهُ :- روگردانی کرنا۔ اس سے مفارع واحد مخاطب بنتا ہے۔
تُعَرِّضُ عَنْ :- تو روگردانی کرتا ہے۔

ترجمہ:- [اے وفات مسح کے مکر!] قرآن مجید کو دیکھو کس طرح وہ
[حقیقت امر] واضح کرتا ہے۔ تو کیا تم خدائے رحمٰن کے نازل کردہ ہدایت سے
روگردانی کرتے ہو۔

تشریح:- قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا پاک کلام ہے جو رسول پاک صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم کے پاک دل پر نازل ہوا۔ اس پاک کلام میں شک و شبہ والی کوئی بات نہیں
ہے۔ کہ یہی پاک کلام کئی آیات بیانات میں حضرت مسح ابن مریم کی وفات کا ذکر کرتا
ہے۔ مثلاً فرماتا ہے:-

(۱) إِذْقَالَ اللَّهُ يَأْعِيْسَى إِنِّي مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ إِلَىَ

وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الظِّنَنَ كَفُرُوا [پ ۳۰ عِرَانٌ (۳) ع (۶): ۵۵]

(یاد کرو) جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے عیسیٰ میں ضرور وفات دینے والا ہوں تجھے، اور اٹھانے والا ہوں تجھے اپنی طرف، اور پاک کرنے والا ہوں تجھے ان لوگوں [کے الزام] نے جنہوں نے کفر کیا.....

لفظ مُتَوَقِّیکَ دراصل تَوْفِیٰ [مصدر باب تَفْعَل] سے اسم فاعل واحد مذکور ہے۔ اور تَوْفِیٰ کے دو معنی ہیں:- (۱) حق پورا لے لینا۔ چنانچہ کہتے ہیں۔ تَوَفَّیَتْ مِنْ فُلَانَ مَالِیَ عَلَيْهِ۔ فلاں آدی پر میرا جو حق تھا، وہ میں نے پورا لیا۔ (۲) تَوَفَّاهُ تَوْفِیٰ اللَّهُ زَيْدًا۔ قَبَضَ رُوحَهُ۔ اللہ نے زید/ فلاں کو تَوَفَّیَ کیا۔ یعنی اس کی روح کو قبض کیا۔

تَوْفِیٰ فُلَانُ۔ (مَجْهُوْلًا) [یعنی اس کو عموماً فعل مجہول کی صورت میں استعمال کرتے ہیں] اس کے معنی ہیں: قُبِضَتْ رُوحَهُ وَمَاتَ اس کی روح قبض کی گئی اور وہ مر گیا۔ فَاللَّهُ الْمُتَوَفِّیُّ پَسْ مُتَوَقِّیٰ [اسم فاعل۔ قبض روح کرنے والا۔ موت دینے والا] ہے۔ وَالْعَبْدُ الْمُتَوَفِّیُّ۔ اور بندہ مُتَوَقِّی [اسم مفعول۔ جس کی روح قبض کی گئی۔ جس کو موت دی گئی ہو] ہے۔ اور اسی سے الْوَفَّاءُ ہے اور اس کے معنی ہیں الْمُوْتُ۔ یعنی مرنا۔ [اقرب

جلد ۱۳۷۲۲]

اور حضرت ابن عباس نے مُتَوَقِّیکَ کے معنی مُمُیْتُکَ بتائے ہیں۔ یعنی [اے عیسیٰ] میں تجھے موت دینے والا ہوں ”

[بخاری پ ۱۸ ک الفیر [۲۵] تفسیر المائدہ (۵) باب قوله ما جعل الله من بحيره (۱۲) عنوان باب فضل الباری۔ جلد ۲ / ۱۰۸۲]

غرض حضرت عیسیٰ بن مریم کو صلیبی موت اور قتل سے پچا کر طبعی موت سے

وفات دی گئی اور ان کی روح کو اللہ تعالیٰ نے رفع کیا۔ اپنے پاس اٹھایا۔

(۲) حضرت عیسیٰ کی امت بگرگئی انہوں نے تو حید چھوڑ کر عیسیٰ پرستی اور مریم پرستی اختیار کی۔ عالم برزخ میں حضرت عیسیٰ سے اللہ تعالیٰ نے پوچھا: اے عیسیٰ کیا تو نے ہی لوگوں سے کہا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا دو معبدوں بنالو۔؟ اس کے جواب میں حضرت عیسیٰ نے عرض کیا: اے اللہ تو پاک ہے۔ مجھے کہاں شایاں تھا کہ وہ بات کہوں جس کا مجھے حق نہیں۔ اگر میں نے کہا ہوتا تو اس کا جانتا.....

[المائدہ (۵) ع (۱۶): ۱۱۶]

”میں نے ان کو وہی بات کہی جس کا تو نے مجھے حکم دیا..... اور میں ان پر گواہ تھا جب تک میں ان میں تھا فَلَمَّا تَوَفَّيْتُنِي كُنْثُ أَنَّ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ طَبَّهُ جَبَ تو نے مجھے وفات دی تو تو ہی ان پر نگہبان تھا..... [المائدہ (۵) ع (۱۷): ۱۱۷] لفظ تَوَفَّيْتُنِي [تَوَفَّيْتَ + نون و قایہ + ی ضمیر متکلم واحد مفعول] کا مصدر تَوَفَّیْ [باب تَفْعَل] ہے۔ اور اس کے معنی ہیں ”تو نے مجھے وفات دی۔“ حضرت عیسیٰ کی زندگی کے دو دور ہیں۔ ۱۔ مَادُمْتُ فِيهِمْ جب میں اپنی قوم میں موجود تھا اور میں ان پر گواہ تھا۔ ان کے حالات جانتا تھا۔ اور ۲۔ جب میں ان میں نہیں تھا۔ ان کے حالات سے ناواقف تھا۔ یہ دو دور وفات کی وجہ سے جدا ہو گئے ہیں۔ کہ ان کو قوم کے حالات کا کچھ علم ہی نہیں۔ اگر آسمان پر خاکی جسم کے ساتھ زندہ ہوتے، پھر واپس آتے تو وہ اپنی قوم کے حالات ضرور دیکھ لیتے اور دیکھ کر وہ نہیں کہہ سکتے کہ مجھے ان کے حالات کا علم نہیں۔

حضرت رسول گریئر کی قشیری: بخاری شریف میں حضرت ابن عباس کی روایت ہے رسول اللہ نے فرمایا اور میرے صحابہ میں سے کچھ لوگ بائیں طرف پکڑ کر لیجائے جائیں گے۔ تو میں کہوں گا: ”یہ میرے

صحابہ ہیں، [اللّٰهُ تَعَالٰى] فرمائے گا: یہ لوگ جب سے آپ ان سے جدا ہوئے ہیں
برا برا پنی ایڑیوں پر واپس پھر گئے، تو میں کہوں گا جس طرح عبد صالحؑ یعنی حضرت
عیسیٰؑ نے کہا تھا: وَكُنْتَ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَاءْدَمْتَ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي
كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبُ عَلَيْهِمْ وَأَنْتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ | اور
میں ان پر گواہ تھا جب تک میں ان میں تھا۔ پھر جب تو نے مجھے وفات دے دی تو
ٹو ہی ان پر نگہبان تھا۔ اور تو ہر چیز پر گواہ ہے، اِنْ تُعَذِّبُهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ
وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۖ ۝ اگر تو ان کو عذاب دے تو
وہ تیرے ہی بندے ہیں۔ اور اگر تو ان کی حفاظت کرے تو تو ہی غالب حکمت والا
ہے۔“ (۱۳۳)

اس حدیث نبوی سے ثابت ہوا کہ تَوَفَّيْتَنِی سے مراد ایسی ہی وفات ہے جیسی
خود حضرت نبی کریمؐ کو ملی۔ یعنی جسد خاکی سے روح مبارک جدا ہو کر اعلیٰ علیمین میں
چل گئی۔

اختصار کے لئے انہی دو آیات پر اکتفا کی جاتی ہے۔ ورنہ وفات مسجح قرآن
مجید کی کئی اور آیات بینات سے ثابت ہے۔ اور بے تعصب قلب سلیم کے لئے یہی
دو کافی ہیں۔

حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں [اے مخاطب!] کیا تم وفات مسجح کا انکار کر
کے ہدایت رحمٰن سے منہ پھیرتے ہو۔

تعصب کا برا ہو۔ تاریخ شاہد ہے کہ تعصب اور بغض و عداوت سے ”علماء“
ہدایت رحمٰن سے ضرور اعراض کرتے ہیں۔ مثلاً

(۱۳۳) بخاری پ ۱۲۱ اک الانبیاء [۶۰] باب قول اللہ وَالْخَذِ اللہ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ (۸) ح (۱) فصل ۱/۷۷
ح ۱۵۱۵ پ ۱۸۱ اک التفسیر [۲۵] (۱) نکہ باب ۱۳۰ فصل ۶/۱۰۸۳

(۱) علمائے اہل کتاب نے حضرت رسول کریمؐ کو پہچانے، کے باوجود انکار کیا۔

(۲) مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی ۱۸۲۹ھ/۱۳۲۳ء/۱۹۰۵ء دارالعلوم دیوبند کے بہت بڑے عالم و فاضل اور شیخ الحدیث تھے۔ اور اپنے حلقة میں شیخ وقت مانے جاتے تھے۔ لیکن مرزا صاحب سے اختلاف رکھتے تھے۔ ان کے ایک شاگرد رشید تعصب اور بغض و عداوت میں حد سے زیادہ بڑھ گئے۔ اور عمر بھر حقائق کو توڑتے مردڑتے رہے۔ وہ ہمیشہ اس بات پر زور دیتے رہے کہ توفی کے اصلی معنی ”پورا لے لینا ہے“ اس لئے خدا تعالیٰ نے عیسیٰ کو پورا لے لیا۔ یعنی جسم اور روح دونوں کو لے لیا۔ مولوی صاحب کی اس ابلیہ فرمی کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو فی دوسرے لوگوں کے متعلق بھی استعمال کیا ہے مثلاً

(۱) وَتَوَفَّنَامَعَ الْأَبْرَارِ [آل عمران (۳) ع (۲۰): ۱۹۳] اور ہماری موت اچھوں کے ساتھ کر۔“

(۲) وَتَوَفَّقَ أَمْسِلَمِيْنَ ۵ الاعراف (۷) ع (۱۲۶) اور ہمیں مسلمان اٹھا،“

(۳) تَوَفَّنَى مُسْلِمًا وَالْحَقْنَى بِالصَّالِحِينَ ۵ [یوسف (۱۲) ع (۱۱): ۱۰۱] (حضرت یوسف دعا کرتے ہیں] مجھے مسلمان اٹھا اور ان سے ملا جو تیرے قرب خاص کے لائق ہیں۔“

(۴) إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ [النساء (۲) ع (۱۲): ۹۷] جوہ لوگ جن کی جان فرشتے نکالتے ہیں

(۵) حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتُهُ رُسُلُنَا [الانعام (۸) ع (۲۱): ۶۱]

یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کو موت آتی ہے ہمارے فرشتے اس کی روح قبض کرتے ہیں۔

- (۵) فَكَيْفَ إِذَا تَوَفَّهُمُ الْمَلَائِكَةُ [محمد (۲۷) ع (۳): ۲۷] تو کیسا ہو گا جب فرستے ان کی روح قبض کریں گے۔
- (۶) الَّذِينَ تَتَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ [النحل (۱۶) ع (۲): ۲۸ - ۳۲] وہ جن کی جان نکالتے ہیں، فرشتے۔
- (۷) أَوْ نَسْوَفِينَكَ [یونس (۱۰) ع (۵): ۳۲] [الرعد (۱۳) ع (۲): ۳۰] اے نبی! تمہیں اپنے پاس بلا لیں،
- (۸) أَعْبُدُ اللَّهَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُمْ [یونس (۱۰) ع (۱۱): ۱۰۳] ”میں اس اللہ کو پوچتا ہوں جو تمہاری جان نکالے گا۔“
- (۹) وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفَّاكُمْ [النحل (۱۶) ع (۹): ۷] اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا، پھر تمہاری جان قبض کرے گا۔
- (۱۰) قُلْ يَتَوَفَّاكُمْ مَلِكُ الْمُوْتِ الَّذِي وَكِلَّ بِكُمْ ثُمَّ إِلَى رَبِّكُمْ ثُرُجُونَ [السجدۃ (۳۲) ع (۱): ۱۱] تم فرمادا تمہیں وفات دیتا ہے موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر ہے، پھر اپنے رب کی طرف واپس جاؤ گے۔ اختصار کے پیش نظر قرآن مجید سے صرف دس مثالیں نقل کی جاتی ہیں۔ اب احادیث صحیح سے بھی مثالیں پیش ہیں:-
- (۱) إِنَّ النَّبِيًّا كَانَ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْأَوَّلَ وَآخِرَ مِنْ رَمَضَانَ حَتَّى تَوَفَّاهُ اللَّهُ نَبِيُّ رَمَضَانَ كَانَ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْآخِرَ مِنْ رَمَضَانَ حَتَّى تَوَفَّاهُ اللَّهُ نَبِيُّ رَمَضَانَ (۱) آپ کا انتقال ہو گیا۔
- (۲) فَوَاللَّهِ مَا عَصَيْتَهُ وَلَا غَشْتَهَ حَتَّى تَوَفَّاهُ اللَّهُ [حضرت عثمان کہتے ہیں] پس اللہ کی قسم!

(بیعت کرنے کے بعد) میں نے جناب رسول اللہ کی نافرمانی کبھی نہیں کی تھی۔ آپ کو دھوکہ دیا، یہاں تک کہ اللہ نے آپ کو اپنے پاس لے لیا۔^(۲)

(۳) وَكَانَتِ الصُّحْفُ الَّتِي جَمَعَ فِيهَا الْقُرْآنَ عِنْدَ أَبِي بَكْرٍ حَتَّى تَوْفَاهُ اللَّهُ ثُمَّ عِنْدَ عُمَرَ حَتَّى تَوْفَاهُ اللَّهُ۔

چنانچہ قرآن کریم کا جمع کردہ نسخ حضرت ابو بکر کے پاس رہا یہاں تک کہ انہوں نے وفات پائی۔ پھر حضرت عمر کے پاس رہا یہاں تک کہ انہیں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس بلا لیا۔^(۴)

(۴) إِنَّ النَّبِيَّ تُوفَىٰ وَهُوَ بْنُ ثَلَاثٍ وَسِتِّينَ۔ نبی کریم کا جب وصال ہوا تو آپ کی عمر تریس سال تھا۔^(۵)

(۵) ثُمَّ تَوَفَّىٰ اللَّهُ نَبِيَّهُ۔ پھر رسول خدا کا وصال ہو گیا۔^(۶)

(۶) ثُمَّ تَوَفَّىٰ اللَّهُ أَبَابَكْرٍ پھر حضرت ابو بکر کا قضاۓ الہی سے وصال ہو گیا۔^(۷)

(۷) أَنَا أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ فَمَنْ يُتَوَفَّىٰ مِنْ الْمُؤْمِنِينَ آپ نے فرمایا: میں مسلمانوں کا خود ان کی ذات سے بھی زیادہ خیر خواہ ہوں۔

آپ نے فرمایا: میں مسلمانوں کا خود ان کی ذات سے بھی زیادہ خیر خواہ ہوں۔ جو مسلمان مر جائے.....^(۸)

(۸) حِينَ تُوفِّيَتِ ابْنَتُهُ۔ جب آپ کی صاحب زادی نے انتقال کیا.....^(۹)

(۱) بخاری پ ک مناقب الانصار (۲۳) باب (۳۶)

(۲) بخاری پ ک المناقب [۲۱] باب وفات النبی [۱۹]

(۳) بخاری پ ک المظالم [۲۲] ب [۱۹] پ / ۱۹ اک فرض ائمہ (۷) ب ۱۲۰

(۴) بخاری پ ک الکفالۃ (۳۹) باب (۵)

(۵) موطناں کیک جلدیں اک الجماں [۲] باب (۱) ح ۲

(۹) غَسَلَتْ أَبَابُكُرٍ نَ الصِّدِيقَ حِينَ تُوْقَىَ (اسماء بنت عميس نے اپنے شہر) ابو بکر صدیقؓ کو غسل دیا جب آپؐ کی وفات ہو گئی۔ (۹)

(۱۰) مَادِفَنَ نَبِيًّا قَطْ إِلَافِيْ مَكَانِهِ الَّذِي تُوْقَىَ فِيهِ (نبیؐ نے فرمایا) نہیں دفن کیا گیا کوئی نبیؐ مگر اس مقام میں جہاں اس کی وفات ہوئی، (۱۰)

یہاں دس آیات کریمہ با ترجمہ پیش ہیں۔ انکا ترجمہ جناب احمد رضا خان صاحب فاضل بریلوی [۱۸۵۶ھ/۱۸۲۰ء] کے ترجمہ قرآن سے لیا گیا ہے۔ پھر بخاری شریف سے سات حدیث پارے نقل کئے گئے۔ انکا ترجمہ مشہور مترجم حدیث مولوی عبدالحکیم خان صاحب اختر شاہ جہاں پوری کے ترجمے سے لیا ہے۔ آخری تین جواہر پارے امام مالک کی تالیف موطا سے ماخوذ ہیں انکا ترجمہ مولوی وحید الزمان (۱۲۷۸ھ/۱۸۵۱ء) کے ترجمہ ”کشف المغطا“ سے نقل کیا گیا ہے۔

قارئین کرام غور کریں کہ کیا کسی بھی جگہ ”اٹھالیا“، ”قبض روح“، ”اپنے پاس بلا لیں“، ”جان نکالے“، ”انتقال ہو گیا“، ”وفات ہوئی“، ”وصال ہو گیا“، وغیرہ تعبیرات سے مراد جسم خاکی کے ساتھ آسمان پر زندہ، مردہ یا نیند کی حالت میں اٹھانا ہو سکتے ہیں۔؟

عیسیٰ پرستی پر جتنا ماتم کیا جائے کم ہے۔ عیسیٰ پرستوں پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے۔ کوہ حالیہ جیسی صداقت دیکھتے ہیں۔ سمجھتے ہیں پھر بھی انکا کرتے ہیں۔

غرض تُوْقَىَ کے معنی صرف قبض روح کرنا اور موت دینا ہی ہے جب فاعل اللہ تعالیٰ اور مفعول ذی روح ہو۔ قبض روح کی ایک صورت نیند بھی ہے۔ لیکن یہ معنی اسی صورت میں صحیح ہے جب قرینہ صارفہ واضح ہو۔ مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّ أَكْمَنَ بِاللَّيلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرِحَتْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ
يَعْثُمُ فِيهِ [الانعام (٦) ع (٢٠)]

اور وہی ہے جورات کو تمہاری روئیں قبض کرتا ہے اور جانتا ہے جو کچھ دن میں کماو،
پھر تمہیں دن میں اٹھاتا ہے [ترجمہ۔ فاضل بریلوی]
اس پر سید محمد نعیم الدین فاضل مراد آبادی کا جو تفسیری نوٹ ہے۔ اس میں کہا
گیا ہے:-

”جس طرح روزمرہ سونے کے وقت ایک طرح کی موت تم پر
وارد کی جاتی ہے، جس سے تمہارے حواس معطل ہو جاتے ہیں اور چلانا
پھرنا، پکڑنا بیداری کے افعال سب معطل ہوتے ہیں۔ اس کے بعد پھر
بیداری کے وقت اللہ تعالیٰ تمام قوی کو ان کے تصرفات عطا فرماتا
ہے.....“ (خزاں العرفان فی تفسیر القرآن)

غرض آیت میں لفظ ”لیل“ قرینہ صارفہ ہے جو حقیقی موت کے معنی نہیں لینے
دیتا۔ لیکن آیت ائمہ متوافقینک [۳] اور فلماً تَوَفَّيْتَنِی [۵: ۵] میں کوئی ایسا قرینہ
نہیں۔ اس لئے ان آیات میں حقیقی موت، حقیقی قبض روح ہی مراد ہے۔

شعر..... ۵۹

فَاعْلَمْ بِأَنَّ الْعِيشَ لَيْسَ بِثَابِتٍ
بَلْ مَا تَعِيْسِيْ مِثْلَ عَبْدِ فَانِ

فَاعْلَمْ : [ف + اَعْلَمْ] عِلْمَ يَعْلَمُ عِلْمًا [بَاب سَمْعَ] جاننا۔ علم رکھنا۔ اسی سے فعل امر واحد مذکور حاضر بناتا ہے۔ اَعْلَمْ = تو جان لے، تجھ کو معلوم ہو۔ فَاعْلَمْ = پس تو جان لے۔ تو خوب سمجھ لے۔

علم چونکہ خود فعل متعدد (Transitive Verb) ہے۔ اس لئے اس کو صد بیکی ضرورت نہیں۔ چنانچہ قرآن شریف میں ہے:-

فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ [محمد (۲۷): ۱۹] ”سو جان لے کہ اللہ تعالیٰ کے سوائے کوئی معبود نہیں۔“

وَاعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ [البقرة (۲۰: ۹۲)] اور جان لے کہ اللہ غالب حکمت والا ہے۔

لیکن اس شعر میں شعری ضرورت کے لئے ہی فَاعْلَمْ بِأَنَّ [سو جان لے کہ] کہنا پڑتا ہے۔

الْعِيشُ: عاشَ يَعِيشُ کا مصدر عِيشُ ہے اس کے معنی ہیں (حیوان کی) زندگی۔ اور یہ حیات سے اُخْس سے کیونکہ حیات کا لفظ حیوان فرشتہ اور باری تعالیٰ غرض سب کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ [راغب ص ۳۵۲]

یہاں لفظ الْعِيشُ ہے۔ یعنی (۱) انسان کی زندگی (۲) حیوانوں کی زندگی۔ یا ان کی مضاف الیہ کے عوض مان کر ”عِيشَ عِيسَى“ عیسیٰ کی زندگی مراد ہے۔

لَيْسَ:- یہ ایک فعل ناقص ہے دراصل فعل کے وزن پر ہے۔ لیکن اس کے عین کلمہ کو ساکن کر کے لَيْسَ بنایا گیا ہے۔ اس سے صرف ماضی آتا ہے۔ مضارع، امر، اسم فاعل نہیں آتے ہیں۔ اور خبر منصوب ہوتی ہے۔ لیکن نفی کی تاکید کے لئے خبر کے ساتھ بِزاید جوڑتے ہیں۔ جیسے یہاں لَيْسَ بِثَابِتٍ۔ گویا خبر [ثابت] لفظ مجرور [بِثَابِتٍ] لیکن محسوس [ثابت] ہے۔ بِثَابِتٍ [بِ زَايدہ برائے لَيْسَ + ثابت] ثَبَتَ يَثْبُتُ ثَبَاتًا وَثُبُوتًا [بابَ نَصَرٍ] = ٹھہرنا۔ قیام کرنا۔ مداومت کرنا۔ ثابت ہونا۔ اس سے صفت بنتا ہے: ثابت = محکم، مضبوط۔ داعم و قائم۔ استوار۔

بَلْ: بلکہ۔ بَلْ سے پہلے جوبات کہی گئی ہے۔ اس کا اثبات کرتے ہوئے [یعنی اس کی تردید نہ کرتے بلکہ اسے برقرار رکھتے ہوئے] اس پر وہ بات زیادہ کہی جاتی ہے جو بل کے بعد ہے۔

ترجمہ:- پس [اے مخاطب!] اچھی طرح جان لے کہ [انسان کی] زندگی استوار نہیں۔ ایک ہی حالت پر رہنے والی نہیں ہے۔ بلکہ حضرت عیسیٰ ایک فانی بندے کی طرح چل لے۔

تشریح:- قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَمَنْ نَعْمَرْهُ نُنْكِسْهُ فِي الْخَلْقِ ۚ أَفَلَا يَعْقِلُونَ ۝ اور جس انسان کو ہم بھی عمر دیتے ہیں اسے بناوٹ میں اونڈھا کر دیتے ہیں۔ تو کیا یہ عقل سے کام نہیں لیتے ہیں ۵۰ [بین ۳۶ (ع) (۵) ۶۸]

”[یعنی کہ وہ بچپن کے سے ضعف و ناتوانی کی طرف واپس ہونے لگے اور دمبدم اس کی طاقتیں قوتیں اور جسم اور عقل گھسنے لگے،

[خواجہ عرقان۔ فاضل مراد آبادی]

جناب مولانا سید فرمان علی صاحب [شیعہ مترجم قرآن] آیت مذکورہ پر حاشیہ لکھتے ہیں:

”یہ ظاہر ہے کہ انسان اپنے بچپنے میں ہر طرح مجبور اور اپنی پرورش وغیرہ تمام ضروریات میں دوسرے کا تھاج رہتا ہے۔ پھر جوان ہوتا ہے پھر جب بڑھا پا آتا ہے تو رفتہ رفتہ ایسا مجبور ہو جاتا ہے کہ وہی حالت جو اس کے بچپنے میں تھی آخر میں ہو جاتی ہے حتیٰ کہ وہ بے عقلی کی اور بھولی بھولی با تمیں بھی کرنے لگتا ہے اور جس طرح بچے کو ابتداء میں ایک لطیف غذا دودھ کی ضرورت تھی، اسکو بھی ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ اہل حدیث عالم مولوی عبدالستار صاحب محدث دہلوی کی تفسیر میں، اس آیت کے تحت مختصر حاشیہ ہے۔ اس میں لکھا ہے:-

بڑھاپے میں انسان کی قوت کم ہونے لگتی ہے۔ کمر جھک جاتی ہے۔ کمرا ہو جاتا ہے۔ ہاتھ پاؤں، دماغی طاقت سب میں ضعف آ جاتا ہے۔ بچپن کی سی حالت ہو جاتی ہے۔ اسی واسطے اللہ کے نبی نماز وغیرہ میں ارذل عمر سے اللہ کی پناہ چاہتے تھے۔ اور یہ دعا پڑھتے تھے۔ اللہُمَّ

إِنِّي أَغُوذُ بِكَ مِنْ أَرْذَلِ الْعُمُرِ۔ [حاشیہ نبرس ۲۸۸]

غور کیجئے کیا کسی آیت یا حدیث صحیح میں بتایا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ جو نبی کریم سے چھ سو سال پہلے پیدا ہوئے تھے، اس قانون قدرت کے تحت نہیں آتے ہیں؟ ایسی کوئی آیت یا صحیح حدیث نہیں ہے۔ اس لئے اگر بغرض محال جناب عیسیٰ زندہ بکسم خا کی آسمان پر ہوں اور قیامت کے قریب اتریں گے تو ارذل عمر کی کیا حالت ہو گی؟ کیا کام کریں گے؟ فتندبار۔

شِعر.....۶۰

وَ نَبِيْنَا حَىْ وَ إِنَّى شَاهِدٌ
وَ قَدِ افْتَطَفْتُ قَطَائِفَ الْلُّقِيَانِ

نبینا: نبأ ينبع [نبأ ونبيوه] باب فعل [بلند ہونا۔ (۲) برآمد ہونا۔ ظاہر ہونا۔ (۳) ایک زمین سے دوسری زمین کی طرف جھکنا (۴) آہستہ آواز نکالنا۔ اسی سے باب تفعیل نبأ تنبیة و تنبیئنا اور باب افعال آنبا انباء انبیتے ہیں۔ اور معنی ہیں۔ خبر دینا۔ اور نبأ (اسم) ہے۔ اور اسکے معنی ہیں: خبر۔ اطلاع اور النبوة کے معنی ہیں پیغمبری۔ یعنی اللہ سے اطلاع پا کر لوگوں کو مطلع کرنا۔ پیش گوئی کرنا،

اور صفت مشبه کا صیغہ بنتا ہے نبی۔ یہ لفظ دراصل نبی تھا۔ [ن۔ ب۔ ی۔ ۀ] همزہ کوی سے بدل کر [ن۔ ب۔ ی۔ ی۔] پھر دوی کو ملا کر [ن۔ ب۔ ی۔] نبی بن گیا۔ لغوی معنے ہیں: (۱) اللہ سے اطلاع پا کر لوگوں کو بتانے والا (۲) پیش گوئی کرنے والا۔ لیکن اسلامی اصطلاح میں نبی وہ شخص ہے جسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے (۱) وحی نبوت (بذریعہ جبریل) (۲) حکم [اٹھارتی] اور (۳) پیشگوئی کرنے کی صلاحیت عطا ہو۔ [آل عمران ۹/۳، ۲۵/۸۹، الاعام ۱۶/۲۶ اور الجایہ ۱۶/۲۵]

نبیوں کا سلسلہ آدم سے شروع ہوا اور حضرت خاتم احمد مجتبی محمد مصطفیٰ پر ختم ہوا۔ اسی لئے آپ کو قرآن مجید میں خاتم النبین کہا گیا ہے اور آپ نے خود کئی احادیث میں لانبی بعیدی فرمایا ہے روایا، الہام اور پیشگوئی وغیرہ نبوت کے اجزاء میں سے ہیں۔ لیکن محض ایک چیز کے حصول سے آدمی نبی نہیں بنتا۔ مثلاً گلقد میں کھانڈ ایک

جز ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہاں گلقد کا جز ہے لیکن کہاں حاصل کرنے کو گلقد حاصل کرنا نہیں کہتے ہیں کیونکہ جزو گلقد [یعنی کہاں] گلقد نہیں۔ اسی طرح جزو نبوت [الہام وغیرہ] نبوت نہیں ہے۔

نَبِيُّنَا [نبيٌّ + نَا] = ہمارا نبی، یعنی سلسلہ نبوت و رسالت کا خاتم و خاتم حضرت احمد مجتبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

حَيٌّ۔ زندہ۔ وہ جس کے لئے ہمیشہ کی زندگی ہو [تفسیر ابن جریز زیر [۲/۲۵۵]] روح المعانی میں ہے: ٹکلُ شَيْءٍ كَانَ كَامِلاً فِي جِنْسِهِ يُسَمِّي حَيًّا ہر چیز کا نام حَيٌّ رکھتے ہیں جو اپنے ہم جنسوں میں کامل ہو الْمَفْهُومُ مِنَ الْحَيِّ هُوَ الْكَامِلُ۔ اور حَيٌ کا مفہوم کامل ہے۔ [پ ۳۷ زیر [۲/۲۵۵]]

اقتطَفْتُ: قطف [ضَرَبَ]: پھل چنان۔ جمع کرنا (۲) اچک لینا۔
[باب تفعیل] قطف يقطفُ اور (باب افتعال) افقطف يقتطفُ۔ بھی اسی معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔

اقتطَفْتُ [باب افتعال ااضی، واحد متکلم] میں نے پختے ہیں، جمع کئے ہیں۔
قطائف: تَمَرُّ صَهْبَتْ مُتَضَمِّنَةً [اقرب ۱/۱۰۱۶] تَمَرُّ حَمْرَ مُتَضَمِّنَةً [بجم ۷۲۷] سفید مائل سرخ کھجور جوشکی کی وجہ سے زیادہ میٹھے ہوتے ہیں۔

اللُّقِيَانُ: لَقِيَ يَلْقَى لِقاءً [باب سَمَعٍ] سے ایک مصدر لفیان بھی ہے اور اس کے معنی ہیں۔ استقبال کرنا، پانا۔ دیکھنا۔ ملاقات کرنا۔

ترجمہ: اور ہمارے ہی بھی برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندہ کامل ہیں۔ اور آپ کی حیات اور کمال پر میں خود گواہ ہوں۔ میں نے یقیناً آپ کی ملاقات کے میٹھے میوئے پائے ہیں۔

تشریح: بنی اسرائیلی پیغمبر حضرت عیسیٰ بن مریم دوسرے تمام پیغمروں کی

طرح شربت مرگ نوش فرما کر چل بے ہیں۔ ان کا انتظار کرنا عبث ہے۔ یہ خیال کرنا کہ جب قیامت کے قریب مسلمانوں اور باقی اقوام پر سخت مصیبت اور پریشانی کی گھڑی آئیگی تو وہ نفس نفس آسمان سے اتر کر اقوام عالم کی دنگیری کریں گے۔ بالکل غلط ہے۔ وہ صرف بنی اسرائیل کے لئے مبعوث تھے۔ قرآن کریم کی کوئی آیت یہ نہیں بتائی ہے کہ جناب عیسیٰ آخر میں سب اقوام کی طرف آئیں گے۔ یہ صرف عیسائیوں کا خام خیال یا زعم باطل ہے جو عیسائیوں کے ذریعہ ہی مسلمانوں میں بھی عام ہوا۔

اس کے برعکس ہمارے نبی برحق زندہ اور کامل ہیں۔ آپؐ کی ہی ایک احتیازی فضیلت ہے کہ سب اقوام کے لئے مبعوث ہوئے ہیں۔ پنچ پتھر متفق علیہ حدیث میں آپؐ نے اپنی فضیلتوں کا ذکر تے ہوئے فرمایا:-

وَكَانَ النَّبِيُّ يُبَعْثَ إِلَى قَوْمٍ خَاصَّةً وَيَبْعُثُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً

(۱۵۵)

پہلے نبی کسی خاص ایک قوم کے لئے مبعوث ہوتا تھا۔ اور میں سب لوگوں کی طرف مبعوث ہوا ہوں۔“

کیا یہ فضیلت جناب رسول کریمؐ سے چھینی جاسکتی ہے؟ ہرگز نہیں
غرض ہمارے رسول برحق زندہ اور کامل ہیں۔ وہ ہمارے لئے کافی وافی ہیں۔
وہی عالم کے نجات دہنده ہیں۔ ان کے بغیر ہم کسی اسرائیلی نبی یا غیر اسرائیلی رسول کے محتاج نہیں ہیں۔

بقول جناب امر چند قیس جالندھری:

مجھ کو طلب نہیں ہے کسی خضر راہ کی

جب تک ہے میرے ہاتھ میں دامانِ مصطفیٰ

(۱۵۵) بخاری پ ۲ ک التیم ۷ [باب (۱) ح ۲۴] [عن جابر بن عبد اللہ] مکملۃ جلد ۲ ک الفتن [۲۶]
باب فضائل سید المرسلین [۱۸] ح ۹

شِعْر.....۶۱

وَ رَأَيْتُ فِي رَيْعَانٍ عُمْرِيْ وَ جَهَّهَهُ
ثُمَّ النَّبِيُّ بِيَقْظَتِيْ لَا قَانِيْ

رَيْعَانٌ: رَيْعٌ وَرَيْعَانٌ . مِنْ كُلَّ شَيْءٍ أَوَّلُهُ وَأَفْضَلُهُ . ہر چیز کو پہلا
اور افضل حصہ [اقرب (۱) ۲۵۰-۲۵۱]

فِي رَيْعَانٍ عُمْرِيْ: میری عمر کے آغاز میں۔

لَا قَانِيْ [لَا قَى] + نون و قایہ + ی ضمیر متکلم واحد
مفہول] لَا قَى = اس نے پایا، اس نے ملاقات کی۔ لَا قَانِيْ = اس نے مجھے
شرف ملاقات بخشنا

ترجمہ:- اور میں نے آپ کاروئے مبارک اپنی عمر کے ابتدائی حصے میں
دیکھا۔ اس ملاقات کے بعد نبی رحمت نے بیداری کی حالت میں بھی ملاقات کا
شرف بخشنا۔

٢٢..... شعر

**إِنِّي لَقَدْ أُحِبِّيْتُ مِنْ احْيَائِهِ
وَاهَا لِأَعْجَازٍ فَمَا أَحْيَانِي**

لَقَدْ أُحِبِّيْتُ : حَيَّيَ يَحْيِي حَيَاةً [سمع]: زندہ رہنا۔ (باب افعال) احْيَاء: زندہ کرنا۔ نئی روح پھونکنا مِنْ احْيَائِهِ۔ اس کے زندہ کرنے سے، اس کے نئی روح پھونکنے سے، نئی زندگی بخشنے سے۔

اِحْيَاء سے فعل، اپنی مجہول واحد تکلم بتاتے ہے اُحِبِّيْتُ: میں زندہ کیا گیا، مجھ میں نئی زندگی ڈالی گئی۔ مجھ میں نئی روح پھونکی گئی، اِنِّي لَقَدْ أُحِبِّيْتُ مجھ میں بے شک نئی روح پھونکی گئی ہے۔ مجھے یقیناً زندہ کیا گیا ہے۔

وَاهَا: كَلِمَةُ تُعْجِبُ مِنْ طِيبٍ كُلَّ شَيْءٍ . يَقَالُ وَاهَالَهُ وَ وَاهَابِهِ اَيْ اَعْجَبُ بِهِ اَيْ مَا اَطِيْبَهُ . [اقرب جلد (۲) ص ۱۳۹۲ کالم (۳)] یعنی یہ کلمہ تعجب ہے۔ اور کسی چیز کی عمدگی کو دیکھ کر کہتے ہیں وَاهَالَهُ یا وَاهَابِهِ۔ یعنی مجھے اس سے تعجب ہوتا ہے۔ یعنی کتنا عمدہ چیز ہے۔“

الْأَعْجَازُ: عَجَزٌ يَعْجِزُ عَجْزاً [ضَرَبَ]: ضَعْفَ عَنْهُ عَاجِزٌ ہونا۔ قادر نہ ہونا۔ طاقت نہ رکھنا، اور [باب افعال میں]۔ اِعْجَازُ: کسی کو عاجز کر دینا، یا عاجز پانا۔“ اور اسی سے مُعْجَزَة: اَمْرٌ خَارِقُ الْعَادَةِ يَعْجِزُ الْبَشَرَانْ یَأْتُوا بِمِثْلِهِ۔ یعنی وہ خارق عادت امر جس کی مثل لانے سے لوگ عاجز ہوں۔

وَاهَا لِأَعْجَازِ: کتنا عمدہ ہے [آپ کا] اعجاز
فَمَا أَحْيَانِي: کس قدر اور کتنا خوب آپ نے مجھے زندہ کیا“

ترجمہ:- میں بے شک آپ کی قوت احیاء سے زندہ کیا گیا ہوں۔ کتنا عمدہ ہے آپ کا اعجاز اور کیا ہی خوب آپ نے مجھے زندہ کیا۔

تشریح:- سورہ الاحزاب [۳۳] میں اللہ تعالیٰ نے ہمارے سید و مولیٰ حضرت احمد مجتبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاتم النبین فرمایا [رکوع (۵): ۲۰] احادیث نبویہ۔ تصریحات لغویہ۔ اور حواشی تفسیریہ و اجتماع امت سے ثابت ہے کہ اس کے معنی ہیں آخری نبی، وہ نبی جس کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا۔ اور جس کے بعد نبوت و رسالت کا دعویٰ کفر ہے۔

اس کے بعد آخری نبی کو سِر اجَا مُنْبِرُ اَعْيُنِی [روشن چراغ] بھی کہا گیا ہے [رکوع (۶): ۳۶]۔ قرآن مجید میں سِر اجَا وَهَاجَا سورج کو کہا گیا ہے [النباء (۷۸)] پس جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبوت و رسالت کے آفتاب عالم تاب ہیں۔

پھر ارشاد الہی ہوتا ہے:-

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ بِأَنَّ لَهُمْ مِنَ اللَّهِ فَضْلًا كَبِيرًا اور مونوں کو خوش خبری سناد کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے برافضل ہونے والا ہے۔

[الاحزاب (۳۳) ع (۱): ۳۷]

یہ ”فضل کبیر“ میری رائے میں وہ فیوض و برکات اور بلند مقامات ہیں جو مونوں کو حضرت خاتم الانبیاء کی کامل اتباع سے حاصل ہوتے ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیوض و برکات سے ہی وہ زندہ ہو جاتے ہیں۔

آپ کا یہ مجزہ افاضہ و احیاء سارے سلسلہ نبوت میں بے نظیر و بے مثال ہے۔

٦٣..... شعر.....

يَا رَبِّ صَلِّ عَلَى نَبِيِّكَ دَائِمًا
فِي هَذِهِ الدُّنْيَا وَبَعْثِ ثَانِيٍّ

یارِب = یارِبی = اے میرے رب

ترجمہ:- اے میرے رب! اپنے نبی پر ہمیشہ درود بھیج۔ اس دنیا میں بھی اور دوسری دنیا میں بھی۔

تشریح:- اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

”اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں۔

اے لوگو جو ایمان لائے ہواں پر درود بھیجو اور سلام بھیجو۔“

[پ ۱۲۲ الاحزب (۳۳) ع (۷) ۵۶]

اللہ بھی اپنے محبوب پر درود بھیجتا ہے۔ اسکی الگ شان ہے۔ فرشتے بھی حبیب اکرم پر درود بھیجتے ہیں۔ اس کی الگ شان ہے۔ اور اہل ایمان بھی درود بھیجتے ہیں۔ اس کی شان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ان کے لئے دعا انگلیں۔ ان کے لئے رحمت و برکت کی درخواست کریں۔

اللہ تعالیٰ کے ”درود“ سے مراد مرح و شنا اور تعظیم و تکریم ہے اللہ کے درود بھیجنے کے معنی ہیں:-

تَعْظِيمُهُ تَعَالَى إِيَاهُ فِي الدُّنْيَا بِاعْلَاءِ ذِكْرِهِ وَإِظْهَارِ دِينِهِ
وَابْقَاءِ الْعَمَلِ بِشَرِيعَتِهِ وَفِي الْآخِرَةِ بِتَشْفِيعِهِ فِي أُمَّتِهِ وَاجْزَائِهِ
أَجْرِهِ وَمَثُوبَتِهِ وَابْدَاءِ فَضْلِهِ لِلْأَوْلَيْنَ وَالآخِرِينَ بِالْمُقَامِ

الْمَحْمُودُ وَتَقْدِيمُه عَلَى كَافَةِ الْمُقرَّبِينَ الشُّهُودِ.

[روح المعانی پ (۲۲) ص ۶۷]

”اللہ تعالیٰ کا درود بھیجنा“، حضورؐ کے ذکر کو دنیا میں بلند کرنا اور آپؐ کے دین کی مدد کرنا، آپؐ کی شریعت پر عمل باقی رکھنا۔ اور آخرت میں آپؐ کی امت میں آپؐ کی شفاعت قبول کرنا اور آپؐ کو اجر و ثواب دینا، آپؐ کو مقام محمود عطا کر کے اولین و آخرین پر آپؐ کی فضیلت ثابت کرنا اور سب مقربین شہود پر آپؐ کو فوقيت بخشنا ہے۔“
اس شعر میں اسی کی دعا کی گئی ہے۔

٢٣..... شعر.....

يَا سَيِّدِيْ قَدْ جَئْتُ بَابَكَ لَا هِفَّا
وَالْقَوْمُ بِالْأَكْفَارِ قَدْ اذَانِيْ

یاسییدی: اے میرے آقا۔ اے میرے فریادیں! لا هِفَّا۔ لَهْفَ يَلْهَفُ
لَهْفَا [بَابُ سَمْعٍ] غُمگین ہونا افسوس کرنا۔ اس سے اسم فاعل بنتا ہے۔ لا هِفَّا
اور اسکے معنی ہیں: الْمَظْلُومُ الْمُضْطَرُ يُسْتَغْيَثُ وَيَتَحَسَّرُ یعنی مظلوم مضطر،
جو فریاد کرتا ہے اور افسوس کرتا ہے لا هِفَّا یہاں پر یہ حال ظاہر کرتا ہے۔
قدْ جَئْتُ بَابَكَ میں آیا ہوں تیرے دروازے پر لا هِفَّا مظلوم و مضطر،
ہو کر فریادی بن کر۔

بِالْأَكْفَارِ: كَفَرَ يَكْفُرُ كُفُراً [بَابُ نَصَرٍ] (۱) چھپانا (۲) ایمان کی
ضد کفر کرنا۔ قبول حق سے انکار کرنا (۳) ناشکری کرنا۔

أَكْفَرُ يَكْفُرُ أَكْفَارًا [بَابُ افعال] کسی کو کافر کہنا (۲) کفر کی طرف
منسوب کرنا۔ (۳) کافر بنانا (۴) کفر کرنے پر مجبور کرنا۔

بِالْأَكْفَارِ: اکفار سے۔ اکفار کے ذریعہ۔ کافر کہنے سے۔ کفر کے ساتھ
منسوب کرنے سے، کفر کا فتویٰ جاری کرنے سے۔

اذَانِيْ: أَذِيْ يَأْذِيْ أَذِيْ وَأَذَاء [بَابُ سَمْعٍ] = وَصَلَ إِلَيْهِ
الْمَكْرُوْهُ۔ تکلیف پہنچنا۔ تکلیف پانा۔

بَابُ افعال "میں مصدر ہے ایذ آء: تکلیف پہنچانا اس سے ماضی واحد مذکور
غائب ہے اذی۔ اس نے تکلیف پہنچائی قد اذانی = یقیناً مجھے تکلیف پہنچائی ہے۔

ترجمہ: اے میرے فریادِ رس آقا! میں آپ کے دروازے پر مظلوم و مضطرب فریادی بن کر آیا ہوں۔ [مولوی صاحبان کی] قوم نے کافر کہہ کر مجھے تکلیف پہنچا دی ہے

تشریح: مسلم شریف میں ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ نے فرمایا:- آنَا سَيِّدٌ وَلُدُّ أَدْمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَتَنِي "میں قیامت کے دن اولاد آدم کا سردار ہوں گا" (۱۵۶) اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے:-

السَّيِّدُ هُوَ الَّذِي يَفْوُقُ قَوْمَةً فِي الْخَيْرِ، یعنی سید وہ شخص ہے جو قوم میں بھلائی اور خوبی کے لحاظ سے سب پر فوقیت رکھتا ہو۔ اور هُوَ الَّذِي يَفْزَعُ إِلَيْهِ فِي التَّوَاصِبِ وَالشَّدَّآئِدِ فَيَقُولُ بِأَمْرِهِمْ وَيَتَحَمَّلُ عَنْهُمْ مَكَارِهِمْ وَيَذْفَعُهَا عَنْهُمْ۔ یعنی سید وہ شخص ہے جس کے پاس لوگ مصیبتوں اور مشکلات کے وقت فریادی بن کر جاتے ہیں، سو وہ ان کے امور کا انتظام کرتا ہے۔ ان سے تکلیف پہنچتی ہے اور وہ ان سے تکالیف دور کرتا ہے۔ (۱۵۷)

اسی تشریع کے پیش نظر سید کا ترجمہ "فریادِ رس آقا" کیا گیا۔ آپ اپنے محبوب پیغمبر خاتم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں فریادی بن کر تکفیر بازوں کی تکفیر کی شکایت کرتے ہیں۔

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی (۱۸۳۸-۱۸۵۰ / ۱۹۲۰-۱۸۳۵ھ) آپ کے حالات سے واقف تھے۔ حضرت مرزا صاحب کی مشہور کتاب براہین احمدیہ شائع ہوئی تو بٹالوی صاحب نے اس پر بہت عمدہ تبصرہ لکھا اور اپنے رسالہ اشاعت اللہ [جلد ہفتہ] کے کئی شماروں میں شائع بھی کیا۔ لیکن جب آپ نے باقاعدہ سلسلہ احمدیہ کی بنیاد دی اور جماعت قائم کی۔ جماعت ترقی کی راہ پر گامزن ہوئی تو مولوی

(۱۵۶) مسلم جلد ۶ ک الفضائل (۳۵) باب (۲) / مشکوٰۃ ک ۲۶ ب ۲۶

(۱۵۷) شرح مسلم ندوی بحوالہ مرقات المصائب شرح مکلوٰۃ بلڈ (۱) جزء (۱۱) ص ۳۵ زیر حدیث

صاحب مخالف ہو گئے اور اول المکفر یعنی بن گئے۔

مولوی نذر یہ حسین دہلوی ۱۲۵۵ھ / ۱۸۱۰ء / ۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۲ء بڑے بلند پایہ اہل حدیث عالم تھے۔ جماعت اہل حدیث انکو شیخ الكل فی الكل [یعنی ہر علم میں سب علماء کے استاد] کہتے تھے۔ جب حضرت مرزا صاحب کی شادی دہلوی میں جناب ناصرنواب صاحب کی دختر نصرت جہاں بیگم [۱۸۶۸ء / ۱۹۵۲ھ] کیسا تھہ ہوئی تو ناصرنواب صاحب نے مولوی نذر یہ حسین صاحب محدث دہلوی کو پاکی میں اٹھا کر خواجہ میر درد دہلوی [۱۷۸۵ء / ۱۸۲۰ھ] کی مسجد میں لا یا۔ چنانچہ جماعت اہل حدیث کے اسی شیخ الكل نے بتاریخ ۱۸۸۳ء مطابق ۲۸ محرم ۱۳۰۲ھ بروز سموار بعد نماز عصر خطبہ نکاح پڑھا اور حضرت مرزا صاحب کے نکاح کا اعلان کیا۔

حضرت مرزا صاحب نے آپ کو نقد پانچ روپیہ اور ایک قیمتی مصلی ہدیہ دیا۔ افسوس کہ یہی نجاشیت صاحب اپنے شاگرد مولوی بیالوی صاحب کے اصرار پر فتویٰ کفر پر دستخط کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اِنَّا لِلّهِ وَإِنَا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔

ایک اور نعمتیہ قصیدے میں حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں:-

مَنْ مُخْبِرٌ عَنْ ذَلِكَيْ وَمُصِيبَتِيْ

مَوْلَائِ خَتْمِ الرُّسُلِ أَهْلَ رَبِّيْ

کون ہے جو میری ذلت اور میری مصیبت کی خبر، میرے آقا، آخری رسول صاحب فضل و کرم کو دے۔

يَا طَيِّبَ الْأَخْلَاقِ وَالْأَسْمَاءِ

جِئْنَاكَ مَظْلُومِيْنِ مِنْ جُهَلَاءِ

اے پاک اخلاق اور اسماء و صفات والے آقا!

ہم تیرے حضور میں جاہلوں کے ظلم و ستم کی شکایت لیکر آئے۔ [من الرحمن]

شِعْر.....٦٥

يَفْرِى سَهَامُكَ قَلْبَ كُلَّ مُحَارِبٍ
وَ يَسْجُ عَزْمُكَ هَامَةَ الشُّعبَانِ

يَفْرِى: فَرِى يَفْرِى فَرِيَا [ضرب] فرِى الشَّىء : قطعه
وشفه۔ کائن۔ پھاڑنا [اقرب جلد ۹۲۳]

يَفْرِى [مضارع واحد مذکور غائب] = کائن ہے پھاڑتا ہے۔

مُحَارِبٌ: مُحَارِبَة [مفاعلة] لڑائی کرنا۔ اس سے اسم فاعل بنتا ہے
مُحَارِبٌ: لڑنے والا۔

يَفْرِى سَهَامُكَ: تیرے تیر پھاڑتے ہیں قلب کل محارب ہر
لڑنے والے [دشمن] کے دل کو

يَسْجُ: شَجَ يَسْجُ شَجَا [نصر] اور ضرب سے بھی آتا ہے شج
راسہ: جَرَحَة وَ كَسْرَة اس کے سر کو زخمی کیا اور پھوڑ دیا۔ يَسْجُ [مضارع
واحد مذکور غائب] زخمی کرتا ہے۔ پھوڑتا ہے۔

هَامَةَ : رَاسُ كُلِّ شَىءٍ وَ تَطْلُقُ عَلَى الْجُنْحَةِ هر چیز کا سراور جستہ
کو بھی کہتے ہیں۔ [اقرب ۱۳۱۲]

الشُّعبَانِ: ضَرْبٌ مِنَ الْحَيَاتِ سانپ کی ایک قسم اٹودہ۔ زراور مادہ
دونوں کو ثعبان کہتے ہیں۔ اس کی جمیع ثعابین ہے۔ [اقرب (۱) ۸۸]

تَرْجِمَة:- [اے ہمارے آقا!] آپ کے تیر ہر جنگ بجودش کے دل کو پھاڑتے
ہیں۔ اور آپ کا عزم اٹودہ کا سرچل ڈالتا ہے۔

تفسیریہ: اس شعر کی صداقت اسلام کی پوری تاریخ سے روز روشن کی طرح ثابت ہے۔ ایک یتیم۔ ان پڑھ۔ مغلس اڑ کے نے عرب کے سامنے اسلام پیش کیا۔ عرب کے مذہبی اجارہ داروں۔ پروہتوں۔ ساہوکاروں۔ غرض سب نے اسے بہت چلینچ سمجھا۔ اسے گستاخی اور قومی خداوں کے نام کا لی سمجھا۔ آبائی دین کے لئے تو ہیں اور خطرہ سمجھا۔ وہ سخن پا ہو گئے۔ اور اس یتیم جوان اڑ کے کے خلاف اٹھے۔ ہر طرح آپ کو، آپ کے مٹھی بھر ساتھیوں کو ستانے لگے۔ ان نا عاقبت اندیشوں نے آپ پر چڑھائیاں کیس آپ پر جنگیں ٹھوٹیں۔ لیکن آپ نے مردانہ وار مقابلہ کر کے کامیابی حاصل کی۔ آپ کے خلاف ہر مبارکہ کا دل چیرا گیا۔ اور ہر اڑ دھے کا سر کچلا گیا۔

آپ کے جانشینوں اور وارثوں کے خلاف بھی ہر طرف مبارکہ پیدا ہوئے۔ ہر جگہ اڑ دھے ظاہر ہوئے لیکن آپ کے تیر اپنا کام کر گئے۔

٦٦..... شعر.....

**إِلَهِ دَرْكَ يَا إِمَامَ الْعَالَمِ
أَنْتَ السَّبُوقُ وَسَيِّدُ الشُّجَاعَانِ**

إِلَهِ دَرْكَ : دَرْ : (اوٹنی کا) دودھ۔ خصوصاً جب بہت ہو اور آدمی دوسروں کو عطا کرے۔ پس **إِلَهِ دَرْكَ** کے اصلی معنے ہیں ”تیرا دودھ اللہ کے لئے ہے۔“ پھر ہر خیر اور نیکی کے لئے استعمال ہونے لگا۔ اور معنے ہیں : **لِلَّهِ مَا خَرَجَ مِنْ حَيْرٍ**۔ جو بھی خیر میں سے نکلا وہ اللہ کے لئے ہیں۔ اب یہاں معنے ہیں : (۱) آپ کی خوبی اللہ کے لئے ہے۔ (۲) آفرین باد **السَّبُوقُ :** سبقت کرنے والا۔

ترجمہ:۔ اے سارے عالم کے پیشو! آفرین باد برس ہمت مردانہ تو۔ آپ [ہر خیر اور خوبی اور نیکی میں] سب سے آگے ہیں اور شجاع [یعنی بہاروں] کے سردار ہیں۔

شِعْر ۶۷

أُنْظُرْ إِلَيْ بِرَحْمَةٍ وَتَحْنِ
يَا سَيِّدِي أَنَا أَحْقَرُ الْغِلْمَانِ

رَحْمَةٌ: رِقَّةٌ تَقْتَصِي الْإِحْسَانَ إِلَى الْمَرْحُومِ، یعنی رحمت وہ رقت
قلبی [زم دلی] ہے۔ جو قابل رحم پر احسان کرنیکا تقاضا کرتی ہے۔ [مفردات راغب]

بِرَحْمَةٍ: رحمت سے

تَحْنِ: حَنَّ يَحِنْ حَنِينًا [ضرب] خوشی یا غم سے آواز نکالنا حَنَ إِلَيْهِ
مشتاق ہونا۔ حَنَ عَلَيْهِ۔ عطف۔ مہربان ہونا باب تفعل میں مصدر تحریک ہے۔
یعنی ترحم۔ رحم کرنا [اقرب (۱) ۲۳۰] تحنن : بتحنن : رحم کے ساتھ
الغلمان میں ”ال“ بجائے مضاف الیہ ہے۔ پس الغلمان سے یہاں مراد
غلمانک : ”تیرے غلام“

أَنَا أَحْقَرُ الْغِلْمَانِ: میں تیرا حقیر ترین غلام ہوں۔

ترجمہ:- [اے میرے فریدارس آقا!] میری طرف رحمت اور شفقت و محبت
کی نظر کیجئے۔ میں آپ کا ہی حقیر ترین غلام ہوں۔

تشریح:- حضرت مرزا صاحب اپنی ماہی ناز تصنیف ”براہین احمدیہ“ میں

لکھتے ہیں:

یہ عاجز بھی اس جلیل الشان نبیؐ کے احقر خادمین میں سے ہے کہ جو سید الرسل
اور سب رسولوں کا سرستاج ہے۔ اگر وہ حامد ہیں تو وہ احمد ہے۔ اور اگر وہ محمود ہیں تو وہ
محمد ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

[براہین۔ حصہ چہارم ۹۹۔ بحوالہ الشان رسول عربی ۲۰۰۰]

ایک دفعہ آپ نے فرمایا:

”هم تو اسلام کے مزدور ہیں۔ میرا نام جو غلام احمد رکھا۔ میرے والدین کو کیا خبر تھی کہ اس میں کیا راز ہے۔“ [ملفوظات مندرجہ ”الحکم“، ۱۳۰۱ء اپریل ۱۹۰۲ء بحوالہ شان ۱۵۵]

واضح رہے کہ ”احمد“ جناب حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام نامی واسم گرامی ہے۔ اور جناب مرزا صاحب کا نام ”احمد“ نہیں بلکہ غلام احمد ہے آپ کو بجائے غلام احمد۔ صرف احمد علیہ السلام مشہور کرنا ختم نبوت کے خلاف ناپاک ماڈش کا ایک حصہ ہے۔

حضرت ختنی مرتبت صلی اللہ وآلہ وسلم کی ”غلامی“ شرف ہے جس پر کروڑوں ادیاں کروڑوں حریتیں قربان کی جاسکتی ہے۔

حضور نے ثوبانؓ کو خرید کر آزاد کر دیا۔ لیکن اس نے آزادی پر آپ کی غلامی کو دی۔ وفات کے وقت حص میں تھے۔ وہاں کا حاکم عبد اللہ بن قرط عیادت کو س آیا۔ آپ نے اس کو رقہ بھیجا۔ اس میں لکھا: اگر موی اور عیسیٰ کا غلام یہاں ہوتا تم ضرور عیادت کرتے۔ حاکم حص رقہ پا کر لرزائھا اور بدوہ اسی کے عالم میں دوڑ کر حاضر خدمت ہوا۔ [احمد جلد ۵۔ مہاجرین دوم د ۲۰۳]

حضور کا آزاد کردہ غلام ”ابورافع“ آپؐ کی غلامی پر ناراں تھا اور ہمیشہ اپنے آپ کو ”غلام احمد“ نبی کہتا تھا۔ عمر بن سعید بن عاص گورنر مدینہ نے اپنا غلام کھلانا چاہا۔ لیکن ابورافع انکار بعد انکار کرتے رہے۔ یہاں تک اس ظالم حاکم نے اس غلام احمد پر پانچ سو کوڑے لگا کر زبردستی اپنا غلام کھلایا۔ [مہاجرین جلد (۲)]

٦٨..... شعر.....

يَا حِبْ إِنَّكَ قَدْ دَخَلْتَ مُحَبَّةً
فِي مُهْجَجِتِي وَمَدَارِكِي وَجَنَانِي

يَا حِبْ : [يَا حِبِّي] حِبْ - دوست، محظوظ - عاشق - ياحِجِتِي اے
میرے محظوظ -

مُهْجَجِتِي . مُهْجَجَةُ الدَّمُ . خون ، دُمُ الْقَلْبِ خَاصَّةً خَصُوصًا
خونِ دل - (۲) الروح - روح - جان - [اقرب ۲۲]

مهجتی : میرا خون، میرا خون دل - میری روح
مَدَارِكِي : مَدَارِكُ وَمَدَارَكَات - حواس مدارکی - میرے حواس -
جنانی - میری جان - میرا دل -

ترجمہ :- اے میرے محظوظ ! بے شک آپ محبت بن کر میری روح ،
میرے حواس اور میرے دل میں داخل ہو گئے ہیں۔

تشریح :- یعنی آپ کی محبت میری روح میرے دل اور میری رگ و پے
میں داخل ہو گئی ہے۔ حضرت غوث الاعظم فرماتے ہیں :-

كَ كَ نَيْسَتْ بَعْزَ درَدَ تَوْ درَخَانَةَ ما

حضرت مرزا صاحب ایک نقیۃ قصیدے میں فرماتے ہیں :-

أَنْتَ الَّذِي شَغَفَ الْجَنَانَ مُحَبَّةً

أَنْتَ الَّذِي كَالَّرُوحَ فِي حَوْبَائِيُّ

یار رسول اللہ! آپ ہی وہ (محظوظ) ہیں جس کی محبت میرے دل میں جنم گئی

ہے۔ آپ ہی وہ [محبوب] ہیں جو میرے جسم کے لئے روح کی مانند ہیں۔
ایک فارسی قصیدے میں فرماتے ہیں:-

بعداًز خدا بعشق محمد محمر
گر کفر اس بود بخدا سخت کافرم
ہر تارو پو دکن بسراید بعشق او
از خود تھی واز غم آن دلستان پُرم

شِعْر.....۶۹

مِنْ ذِكْرِ وَجْهِكَ يَا حَدِيقَةَ بَهْجَتِيُّ
لَمْ أَخُلُّ فِي لَحْظٍ وَلَا فِي آنِ

حدیقة: حدیقة البستان یکون علیہا حائط۔ وہ باغ جس کے

چاروں طرف دیوار ہو۔ [ج حدائق] [اقرب (۱) ۱۸۲]

بَهْجَتِيُّ: بهج [فعل يفعل] سرّہ وَأَفْرَحَہ. خوش کرنا فرحت
بنانا۔ بھج [سمع یسمع] فرخ بہ وَسَر. خوش ہونا مسرور ہونا بھج [کرم
[حسن۔ خوبصورت ہونا۔ بهجة۔ حسن۔ خوبصورتی نضارۃ۔ تروتازگی۔ ظہور
الفرح۔ خوشی۔ خوشی کا ظہور] [اقرب ۱/۶۳]

ترجمہ:- اے میری فرحت و سرت کے باغ! آپ کے روئے مبارک
[باذات اقدس] کی یاد سے میں ایک لحظہ اور ایک آن کے لئے بھی فارغ نہیں ہوتا
ہوں۔

شعر.....۷۰

جَسْمِيْ يَطِيرُ إِلَيْكَ مِنْ شَوْقٍ عُلَاءَ
يَا لَيْتَ كَانَتْ قُوَّةُ الطَّيْرِ ان

ترجمہ:- [اے میرے محبوب! میرا جسم اڑنا چاہتا ہے آپ کی طرف شوق بلند کی وجہ سے۔ کاش میں اڑنے کی طاقت رکھتا۔

حضرت جامی فرماتے ہیں:-

اَيْ قَالْ فَرْسُودَهُ گَرَازَ کَوْنَےْ تَوْدَرَاسْت
الْقَلْبُ عَلَى بَابِكَ لَيْلَاً وَنَهَارَاً.

حضرت مرزا صاحب کا بھی یہی حال تھا۔ آپ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت اور آپ کا قرب روحانی ضرور حاصل تھا۔ لیکن آپ کی بڑی خواہش مدینہ منورہ جا کر حضورؐ کے روضہ منورہ کی زیارت سے فیض یا بہون تھی۔ اسی خواہش کا اظہار اس شعر میں کرتے ہیں۔ اور اسی کا اظہار فارسی قصیدہ میں اس طرح کرتے ہیں:-

مَنْ أَغْرَى بَالَّذِيْنَ
مَنْ أَغْرَى بَالَّذِيْنَ

میزبان رسول ابوالیوب انصاریؓ مدینہ سے دور کسی اور شہر میں قیام پذیر تھے۔ شوق زیارت سے حاضر مدینہ ہوئے۔ اور وفور جذبات عقیدت سے اپنے رخسار روضہ اطہر سے ملنے لگے اور آنکھوں سے باران اشک جاری تھا۔ مروان بن الحکم (۶۲۳ھ/۶۸۵ء) نے دیکھا تو اعتراض کیا۔ آپ نے فرمایا: مجھے

دین سکھاتے ہو میں اینٹ پھر کے پاس نہیں۔ اللہ کے رسول کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں،“۔ [مند احمد جلد (۵) ص ۳۲۲]

گویا بقول سراقبال

بجود ے نیست اے عبد العزیز ایں
برویم از مژہ خاک در دوست

تمت بالخير

۱۹، جون ۲۰۰۰ء / ۱۵ اربیع الاول ۱۴۲۱ھ سوموار۔

بوقت دل بچے دن ڈورو۔ سبدن۔ بد گام۔

الحمد لله العالمين والصلة والسلام على
سيدنا محمد خاتم النبئين وآلہ الطاهرين.

ہماری پچھا اردو مطبوعات

نماز اور ترقی کی تین راہیں (جدید اضافہ شدہ ایڈیشن) حضرت مولا نا محمد علی لا ہوری مرحوم روحاںی اور مادی لیڈر میں فرق (خطبہ جمعہ)۔ حضرت مولا نا محمد علی لا ہوری مرحوم اسلام کے ثمرات۔ حضرت مرزا صاحب کی زندگی میں شائع ہونے والا آخری مضمون مقام عبرت (عصر حاضر کے علماء احادیث نبوی کے آئینہ میں) ڈاکٹر خورشید عالم ترین حضرت نبی کریم ﷺ کا بلند مقام۔

دیوبندی مقالیے (کل ہند تحفظ نبوت دارالعلوم دیوبند کی طرف سے شائع کردہ لائپنی ٹریکٹ 'قادیانی پارٹی کی طرح لا ہوری پارٹی بھی دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ پاک نظر)۔

ڈاکٹر خورشید عالم ترین

خلفین احمدیت کے اعتراضات اور علامہ نیاز تھپری کے جوابات۔

ترتیب و پیش ڈاکٹر خورشید عالم ترین

بکھرے موتی (حضرت مولا نا صدر الدین کے کچھ درود اور ایمان افرزو واقعات)۔

ڈاکٹر خورشید عالم ترین

تحریک احمدیت کے تجدیدی کارناۓ۔

ڈاکٹر خورشید عالم ترین

ختم نبوت اور علامہ اقبال۔

آسمانی گواہی (حضرت مرزا صاحب کے بارے میں اولیاء اللہ کی شہادت)۔

ڈاکٹر خورشید عالم ترین

میرا قصور کیا ہے؟ حضرت مرزا صاحب کی خاتمہ علماء سے اللہ کے نام پر اقبال

ہماری کچھ ہندی مطبوعات

سُورہ اَلْفَاتِیہ: (نُسُرٰہ فاتح) اَللّٰہُمَّ هَبْ کیم نُوْرُدیں ساہِیب
شَانِتی سَانِدِش (عِلَام) هِجَرَت میرجا گُولَام اَہمَد ساہِیب کا دیانی
ہِجَرَت پَیغمَبَر شری مُحَمَّد کی جیونتِ وِیچارَدھارا

(زندہ نبی کی زندہ تعلیم) (ہِجَرَت مولانا مُحَمَّد اَلیٰ لَاہُری
اسلام اُور دُکْرَہ زادِ اب) (ہِجَرَت مولانا مُحَمَّد اَلیٰ لَاہُری
مانِوَتَا کا دَرْمَہ اِسْلَام

(اسلام دین انسانیت) (ہِجَرَت مولانا مُحَمَّد اَلیٰ لَاہُری
ہِجَرَت پَیغمَبَر شری مُحَمَّد (سَلَّل) (سَانِشِیپٰت جیونی)
(حضرت مولانا مُحَمَّد عَلِیٰ غُفرانی) (ہِجَرَت مولانا مُحَمَّد اَلیٰ لَاہُری
ہِجَرَت مُحَمَّد وَرْتَمَان یوگ کے جگادِ وَیَپَی مِئَاغَمَبَر
(اوامِ عالم کے بُنْبُر) (ہِجَرَت مولانا سادِ رُدَّیں

دَرْمَہ مِنْ رُسُوم) (ذِبَاب میں رسم) (ہِجَرَت مولانا سادِ رُدَّیں
اسلام—اک پریچَی (اسلام۔۔۔ ایک تعارف) (ڈا۔ جاہید اَجْیَی
مُحَمَّد (اید میلاد کی بُنْتَ)،

(ڈا۔ خُرَشید میلاد) (ڈا۔ خُرَشید آلم تاریں
ہِجَرَت اَسَّا کی مُرْتَی
(عِلَام) (اَلۢ-ۤاَجَاهِر کے وِیڈوَوَانَوں کا فَتَوَا اُور
انَّی مُسْلِم وِیڈوَوَانَوں کے مَت)، ڈا۔ خُرَشید آلم تاریں